سِول اور فوجی سازشیں

رفیق ڈوگر



بسم اللہ الرحمن الرحیم

سول اور فوجی سازشیں

1996ء

پبلشر

رفیق ڈوگر

دید شنید پبلشرز

23۔ فضل منزل بیڈن روڈ لاہور

ٹیلی فون 636637

تعداد:۔ ایک ہزار

قیمت:۔ /250 روپے

پریمئر پرنٹرز لاہور

سول اور فوجی سازشیں

رفیق ڈوگر

کتاب مرکز
فریئر روڈ سکھر

دید شنید پبلشرز

SECRET

PRIME MINISTER'S SECRETARIAT (PUBLIC)

As directed by the Secretary, I went to Gujrat to see Mst. Rani but I was told that she was at Lahore in Intercontinental. I, accordingly met her there in the second week of October, 1975. I discussed with her the purpose of my visit at length. She told me that she had already liaison with Mr. Khalid Malik, Provincial Minister and was supplying him with some material about G.M. Khar. She said that she could not openly support the Government because in that way she might not be able to work effectively. She offered her services to help the Government and also claimed that she could set right or trape anyone including

ır provided she had full support from the Government. She desired to have an audience with the Prime Minister.

2. Mst. Rani is reported to be a woman of ill-repute and lives on prostitution by running brothel. In my opinion, she should be used only for a limited purpose and with utmost care lest her association with us is known to the public.

(Malik Fazal Karim)
OSD (Punjab)
29-10-75

OSD(S)

Secretary

3. I had personally informed the Prime Minister about OSD's meeting with Mst. Rani. She is already in contact with Mr. Khalid Malik, Prov. Minister. She can be utilised against Khar in consultation with Mr. Khalid Malik.

30/10/75

~~The Prime Minister~~

I have spoken to Mr. Khalid Malik. The file is resubmitted to the Prime Minister.

Let her produce results through Khalid Malik. Please speak to him and return this file as well as to further the Khalid Malik's views on this subject.

"As directed by the Secretary, I went to Gujrat to see Mst. Rani but I was told that she was at Lahore in Intercontinental. I, accordingly met her there in the second week of October, 1975. I discussed with her the purpose of my visit at length. She told me that she had already liaison with Mr. Khalid Malik, Provincial Minister, and was supplying him with some material about G. M. Khar. She said that she could not *openly* support the Government because in that way she might not be able to work effectively. She offered her services to help the Government and also claimed that she could set right or *trap* anyone including G. M. Khar provided she had full support from the Government. She desired to have an audience with the Prime Minister.

"Mst. Rani is reported to be a woman of ill-repute and lives on *prostitution* by running a brothel. In my opinion, she should be used only for a limited purpose and with utmost care lest her association with us is known to the public.

Sd/-

(MALIK FAZAL KARIM)
OSD (*Punjab*)
29.10.75"

The matter was treated on a high priority basis and the very next day the Secretary forwarded the file to the former Prime Minister with the following comment:

> "I had personally informed the Prime Minister about OSD's meeting with Mst. Rani. She is already in contact with Mr. Khalid Malik, Provincial Minister. She can be utilised against Khar in consultation with Mr. Khalid Malik."

Within the next 24 hours the file was on the table of Mr. Bhutto who recorded: "Let her produce results through Khalid. Please speak to him and return this file as I want to talk to Khalid Malik later on the subject."

انتساب

چوہدری حفیظ الرحمٰن

اور

جنرل عبداللہ ملک

کے نام

رفتید ولے نہ از دلِ ما

عنوانات

1

عرض و غرض

پاکستان کی تاریخ اور سیاست پر فوجی سازشوں اور حکومتوں کے اثرات بہت گہرے ہیں ایسی کامیاب اور ناکام سازشوں سے قومی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا سازشی جرنیلوں اور حکمرانوں نے قومی زندگی کے ہر شعبہ کو نقصان پہنچایا ملک میں جمہوری ادارے فروغ پاسکے نہ روایات مستحکم ہوئیں' ملکی سطح کی سیاسی جماعتیں اور سیاستدان پیدا ہوئے نہ صحت مند سیاسی ماحول پیدا ہو سکا قومی زندگی کے ہر شعبہ میں جو انتشار ہے اجتماعی اور انفرادی سطح پر عدم تحفظ کا احساس ہے جمہوری اداروں اور نمائندوں پر اعتماد میں کمی' یہ سب ان کامیاب اور ناکام سازشوں کی وجہ سے ہے اولین فوجی سازش "پنڈی سازش" سے 1977ء میں جنرل محمد ضیاء الحق کے اقتدار پر قبضہ تک بہت سی سازشوں کے جال بنے گئے ان میں سے کچھ کامیاب ہوئیں اور ان کے نتیجے میں سازشی جرنیل یا ان کے ساتھی سیاستدان ملک کے اقتدار پر قابض ہو گئے کچھ فوجی سازشوں کی وجہ سے وقت کی حکومتیں اور اسمبلیاں ٹوٹیں تو کچھ کے نتیجے میں پاکستان ٹوٹا لیکن ہم نے کبھی ان کامیاب اور ناکام سازشوں کے بارے میں تحقیق و تفتیش نہیں کی ان کے پس پشت عوامل عناصر اور رجحانات دریافت کر کے ان کا کبھی تجزیہ نہیں کیا حقائق وواقعات کی روشنی میں اصل مرض کی نشاندہی کی کبھی کوشش نہیں کی گئی کوئی بھی فوجی سازش کبھی ہوا میں پروان نہیں چڑھی' ایک حکمران وقت اور حکومت کی موجودگی میں کچھ لوگ سازش تیار کرتے ہیں اور اس میں کامیاب یا ناکام ہوتے ہیں ایسے " کچھ لوگوں" نے سازش کی ضرورت محسوس کیوں کی؟ ملک کے سیاسی حالات اور حکمرانوں سے انہیں اختلاف کیا تھا کہ وہ اتنا بڑا غیر قانونی اقدام کرنے پر تیار ہو گئے؟ ہر سازش کی بات

کرنے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے یہ بھی دیکھنا پڑتا ہے کہ اس سازش میں کون کون کس حیثیت میں شامل تھا کس نے کیا کردار ادا کیا؟ اگر کوئی سازش ناکام رہی تو کیوں اور کامیاب ہوئی تو کیسے؟ یہ تحقیق جتنی ضروری ہے اتنی ہی مشکل بھی ہے ہمارے اہل علم و دانش نے کبھی اس قومی ضرورت کا احساس نہیں کیا کبھی کسی نے گہرائی میں اتر کران سازشوں کے اسباب واثرات کا تجزیہ نہیں کیا سیاستدان اور حکمران بیان بازی کے شوقین رہے ہیں اور ہیں وہ ان سازشوں سے رنگینی بیانات کا کام لینے سے آگے کبھی نہیں بڑھ سکے شاید ان میں اس سے آگے بڑھنے کی صلاحیت ہی نہیں تھی حکومتیں آئیں اور چلی گئیں کسی ایک بھی حکمران نے اس بارے میں کوئی کمیشن مقرر نہ کیا کہ اصل حقائق دریافت کرکے ریکارڈ درست کیا جائے شاید ان میں اتنی جرات نہ تھی پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں کے زمانہ میں اولین فوجی سازش کا منصوبہ بنایا گیا ان کا قتل ایک اور سازش کا نتیجہ تھا ان دونوں سازشوں کی فائلیں موجود ہیں جنرل محمد ضیاء الحق کو یہ تفتیشی رپورٹیں شائع کرنیکا مشورہ دینے والے جرنیل نے مجھے بتایا کہ ان کا جواب تھا "اب اس کا کیا فائدہ متعلقہ لوگ تو موجود نہیں" شاید انہیں احساس نہیں تھا کہ یہ قوم کی ضرورت ہے انہوں نے حمودالرحمن کمیشن کی رپورٹ کی اشاعت سے بھی اتفاق نہ کیا قومی زندگی کی یہ سازشوں بھری کہانی اصل صورت میں کسی رنگ آمیزی کے بغیر پیش کرنے کی ضرورت ہے میں کئی سال سے اس کوشش میں تھا اسی کوشش کے نتیجے میں یہ کتاب تیار ہوئی ہے کامیاب کہاں تک رہا اس کے بارے میں کوئی دعویٰ نہیں رکھتا۔ لیکن یہ دعویٰ ضرور کر سکتا ہوں کہ اس تحقیق میں جہاں تک میں گیا آج تک کوئی نہیں جا سکا تھا۔

پاکستان میں اولین سازش "پنڈی سازش" ہے اس کا منصوبہ جنرل اکبر خاں نے تیار کیا تھا اس کے اسباب میں اس کی وقت کے حکمرانوں اور سیاستدانوں سے قربت بھی تھی یہ قربت کیسے عمل میں آئی؟ اس نے کمیونسٹ پارٹی کو سازش میں شامل ہونے کی دعوت دی کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی میں اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا اور فیض احمد فیض کو سازش کا منصوبہ بنانے والے افسروں کے اجلاس میں بطور مبصر بھیجا گیا جس کی وجہ سے سازش میں شریک کچھ افسروں کو کمیونسٹوں کی دلچسپی کا اندازہ ہو گیا اور وہ اس سے الگ ہو

گئے یہ وہ حقائق ہیں جو آج تک کسی نے بیان نہیں کئے، میں ان سازشوں کا دھا گا تھامے ضیاء الحق کے اقتدار پر قبضہ تک پہنچا تو معلوم ہوا کہ فوج کی ملکی معاملات اور حکومت چلانے والوں کے بارے میں رائے کم و بیش ہمیشہ ایک جیسی ہی رہی ہے سازش کی ضرورت میں ہمیشہ ایک ہی قسم کے دلائل دیئے گئے جنرل اکبر خاں نے سازش کی کامیابی پر قوم کے نام جو نشری تقریر تیار کر رکھی تھی وہ 1977ء میں جنرل محمد ضیاء الحق نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پڑھ دی اکبر خاں نے عبوری دور کے لئے ملک چلانے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اس پر ضیاء الحق نے عمل کیا۔

سیاست اور سیاستدانوں کے بارے میں فوج کی سوچ ہمیشہ ایک جیسی کیوں رہی؟ اس کی وجہ سیاست اور سیاستدانوں کے عمل میں کوئی خامی تھی یا فوج کی سوچ میں کج روی؟ کیا فوجی سازشوں کا سارا الزام جرنیلوں کو ہی جاتا ہے یا سیاستدانوں کے دانستہ اعمال و افعال کا بھی کوئی اس میں حصہ تھا؟ اس تحقیق اور تجزیہ کے دوران ایک بات بالکل صاف ہو گئی کہ لیاقت علی خاں سے ذوالفقار علی بھٹو تک سب نے عوام کے تعاون کی بجائے فوج کے تعاون کو اہمیت دی سب عوام سے رشتہ استوار کرنے کی بجائے فوج سے رشتہ مستحکم کرنے کی کوشش کرتے رہے ملکی مفاد کی بجائے ذاتی مفادات کے تحفظ میں فوج کو شامل اقتدار کرنے کی کوشش کرتے رہے اس طرح جرنیل ان کی اصلیت کو جان گئے اور ان کی حکومت کو سہارا دینے کی بجائے خود اقتدار پر قابض ہو گئے بے اصول سیاست اور سیاستدان فوج کو اقتدار کے ایوانوں تک کھینچ لائے اور جب جرنیل اقتدار پر قابض ہو گئے تو اس نشہ میں واپسی کا راستہ بھول گئے ان کی بھول کی سزا اب تک قوم کاٹ رہی ہے۔

اس تحقیق و جستجو میں بہت سے چہرے بے نقاب ہوئے ہیں کچھ تھوڑے اور کچھ زیادہ میری کسی سیاستدان حکمران جرنیل یا سازشی سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں صرف پاکستان سے دوستی ہے پاکستان کا دوست میرا دوست اور اس کا دشمن میرا ذاتی دشمن ہے ذاتی دشمن کو تو شاید معاف کردوں پاکستان کے دشمن اور اس کے مفاد کو نقصان پہنچانے والے کو چاہوں بھی تو معاف کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے ان چہروں کو اسی حوالہ سے دیکھا جائے اور کتاب کو اسی روشنی میں پڑھا جائے۔

اس تحقیق و جستجو میں جن افراد اور ذرائع سے میں نے معلومات حاصل کیں ان میں

سے بعض کا ذکر کر دیا ہے جن سے اخفاء کا وعدہ تھا وہ وعدہ پورا کرنا اخلاقی مجبوری تھی ایسے بہت سے لوگ ہمارے درمیان موجود ہیں جب انہوں نے اجازت دی ان کا بھی حوالہ آجائے گا اور بشرط زندگی کسی وقت سارے ذرائع سامنے آجائیں گے۔

رفیق ڈوگر

119 ستلج بلاک اقبال ٹاؤن لاہور

جنوری 1996ء

2

جرنیلی موقف

پاکستان کے چوتھے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے پانچ جولائی 1977ء کو اپنی پہلی نشری تقریر میں مارشل لاء لگانے کی وجوہات بیان کی تھیں اور مارشل لاء کے مقاصد کا تعین کرتے ہوئے کہا تھا "میں آج اس عظیم ملک کی عظیم قوم سے خطاب کرنے کا اعزاز حاصل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہو چکا ہو گا کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم ہو چکی ہے اور اس کی جگہ ایک عبوری حکومت قائم کی گئی ہے۔ یہ تبدیلی جو گزشتہ شب آدھی رات کو شروع ہوئی' آج علی الصبح مکمل ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پر امن طور پر مکمل ہوئی۔ یہ تمام کارروائی میرے حکم پر عمل میں لائی گئی۔

اس عرصے میں وزیر اعظم اور ان کے اکثر رفقاء کو حفاظت میں لے لیا گیا ہے۔ اسی طرح قومی اتحاد کے قائدین کو بھی حفاظت میں لے لیا گیا ہے سوائے بیگم ولی خان صاحبہ کے۔

اس اقدام پر اب تک موصول ہونے والے تاثرات حسب توقع نہایت حوصلہ افزا ہیں۔ مختلف جگہوں سے مبارکباد کے پیغامات کی بھرمار لگ گئی ہے۔ میں اپنی قوم اور اپنی زندہ دل اور مومن افواج کا شکر گزار ہوں۔

یہاں یہ کہنا بھی ضروری ہو گا کہ معدودے چند حضرات نے یہ خدشہ بھی ظاہر کیا ہے کہ کہیں یہ کارروائی کسی کے ایماء پر تو نہیں کی گئی۔ کہیں جنرل ضیاء کی سابق وزیر اعظم سے کوئی خفیہ ملی بھگت تو نہیں ہے۔ اس کے متعلق یہ عرض کروں گا کہ حقائق کبھی چھپے نہیں رہتے۔ پچھلے چند ماہ کے تجربے سے اتنی زیادہ بدگمانی ہو گئی ہے کہ اچھے بھلے لوگ بھی شک و شبہ میں

مبتلا ہو گئے ہیں۔

آج صبح آپ نے خبروں میں سن لیا ہو گا کہ افواج پاکستان نے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا ہے۔ عساکر پاکستان کے لئے ملکی نظام سنبھالنا کوئی مستحسن اقدام نہیں' کیونکہ افواج پاکستان دل سے چاہتی ہیں کہ ملک کی باگ دوڑ عوام کے ہاتھوں میں رہے' جو صحیح طور پر اس کے حقدار ہیں۔ عوام اپنا حق اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعے استعمال کرتے ہیں جس کے لئے ہر جمہوری ملک میں وقتاً" فوقتاً" انتخابات ہوتے ہیں۔

ہمارے عزیز ملک میں بھی گزشتہ 7 مارچ کو انتخابات ہوئے جس کے نتائج کو ایک فریق نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ انتخابات میں دھاندلی کے الزام نے جلد ہی دوبارہ انتخابات کے مطالبے کی شکل اختیار کر لی۔ اس مطالبے کو تسلیم کرانے کے لئے ایک تحریک چلائی گئی جس کے دوران یہ خیال آرائی بھی کی گئی کہ پاکستان میں جمہوریت نہیں چل سکتی۔ لیکن میں دلی طور پر سمجھتا ہوں کہ اس ملک کی بقاء جمہوریت اور صرف جمہوریت میں ہے یہی وجہ ہے کہ اشتعال انگیز حالات اور مختلف قسم کے سیاسی دباؤ کے باوجود افواج پاکستان نے حالیہ ہنگاموں میں اقتدار سنبھالنے سے گریز کیا۔ افواج پاکستان کی یہی خواہش اور کوشش رہی کہ سیاسی بحران کا کوئی سیاسی حل تلاش کر لیا جائے۔ اس مقصد کے پیش نظر افواج نے حکومت وقت پر کئی بار زیادہ زور دیا کہ وہ جلد از جلد مذاکرات کے ذریعے اپنے سیاسی مخالفین سے کوئی تصفیہ کر لے۔ ان مذاکرات کے لئے وقت درکار تھا جو افواج پاکستان نے نظم و نسق برقرار رکھ کر مہیا کیا۔ بعض حلقوں میں فوج کے اس کردار پر نکتہ چینی بھی کی گئی لیکن ہم نے یہ سب کچھ اس امید پر برداشت کیا کہ یہ وقتی چیز ہے جب قوم جذباتی اور ہیجانی کیفیت سے نکلے گی تو پھر افواج پاکستان کے صحیح اور آئینی کردار کے متعلق تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے۔

میں نے ابھی آپ کے سامنے ملک کو درپیش صورتحال کا اجمالی نقشہ پیش کیا ہے جس سے آپ پر واضح ہو گیا ہو گا کہ جب سیاستدان ملک کو بحران سے نکالنے میں ناکام رہیں تو افواج پاکستان کے لئے خاموش تماشائی بنے رہنا ایک ناقابل معافی جرم ہے یہی وجہ ہے کہ فوج کو مجبوراً" مداخلت کرنا پڑی۔ یہ اقدام صرف ملک کو بچانے کی خاطر کیا گیا ہے۔

یہاں یہ واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ مجھے فریقین میں آپس میں سمجھوتے کا کوئی

امکان نظر نہیں آتا تھا اس کی خاص وجہ آپس میں بے اعتمادی اور ایک دوسرے سے بدگمانی تھی۔ ان حالات میں اس بات کا اندیشہ تھا کہ اس صورتحال کی وجہ سے ملک ایک بار پھر افراتفری اور سنگین تر بحران کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ خطرہ مول لینا قوم کے مفاد میں ہرگز نہ تھا' چنانچہ یہ فوجی کارروائی عمل میں لانی پڑی۔

اب مسٹر بھٹو کی حکومت ختم ہو چکی ہے

سارے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا ہے

قومی اور صوبائی اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں

صوبائی گورنر اور وزیر ہٹا دیئے گئے ہیں۔

البتہ آئین کو منسوخ نہیں کیا گیا' اس کے بعض حصوں پر عملدرآمد روک لیا گیا ہے۔ اسی آئین کے تحت صدر مملکت فضل الٰہی چوہدری حسب سابق اپنی ذمہ داریاں جاری رکھنے پر رضامند ہو گئے ہیں جس کے لئے میں ان کا شکر گزار ہوں کہ وہ سربراہ مملکت کے فرائض انجام دیتے رہیں گے۔ اہم قومی مسائل کو حل کرنے میں ان کی مدد کے لئے ایک ملٹری کونسل کی تشکیل کی گئی ہے۔ یہ کونسل چار افراد پر مشتمل ہو گی جس میں چیئرمین جائنٹ چیفس آف اسٹاف، بری، بحری اور فضائی افواج کے چیف آف اسٹاف شامل ہوں گے۔

میں چیف آف آرمی سٹاف اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی ذمہ داریاں پوری کروں گا۔ حسب ضرورت مارشل لاء آرڈرز اور ریگولیشنز جاری کئے جائیں گے۔

آج صبح میں چیف جسٹس آف پاکستان جناب یعقوب علی سے بھی ملا۔ میں ان کے مشورے اور قانونی رہنمائی کے لئے ازحد مشکور ہوں۔

میں یہ بالکل واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نہ میرے کوئی سیاسی عزائم ہیں نہ فوج ہی اپنے سپاہیانہ پیشے سے اکھڑنا چاہتی ہے مجھے صرف اس خلاء کو پر کرنے کے لئے آنا پڑا جو کہ سیاستدانوں نے پیدا کیا ہے اور میں نے یہ چیلنج صرف اسلام کے ایک سپاہی کی حیثیت سے قبول کیا ہے میرا واحد مقصد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروانا ہے جو اس سال اکتوبر میں منعقد ہوں گے۔ انتخابات مکمل ہوتے ہی میں اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کو سونپ دوں گا اور میں اس لائحہ عمل سے ہرگز انحراف نہیں کروں گا آئندہ تین مہینوں میں میری ساری

توجہ انتخابات پر مرکوز ہو گی اور میں چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے اپنے اختیارات کو دوسرے معاملات پر ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

اس مرحلے پر یہ ذکر کرنا بے محل نہ ہو گا کہ ملک کی عدلیہ کے لئے میرے دل میں بہت احترام ہے۔ میری پوری کوشش ہو گی کہ جہاں تک ممکن ہو' عدلیہ کے اختیارات محدود نہ ہوں' تاہم بعض ناگزیر حالات میں خصوصی صورتحال سے نمٹنے کے لئے مارشل لاء آرڈرز اور ریگولیشنز جاری ہوں گے ان کو کسی اور عدالت میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔

نئے انتخابات کرانے کے لئے میں عنقریب مفصل ٹائم ٹیبل اور طریقہ کار کا اعلان کروں گا اور مجھے توقع ہے کہ تمام سیاسی پارٹیاں اس کام میں مجھ سے تعاون کریں گی۔ حالیہ سیاسی محاذ آرائی سے ماحول میں خاصی کشیدگی پیدا ہو گئی تھی اس لئے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وقت دینا بہت ضروری ہے' چنانچہ آج سے تا حکم ثانی ہر قسم کی سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ انتخابات سے پہلے سیاسی سرگرمیاں بحال کر دی جائیں گی۔

میرے عزیز ہموطنو! میں نے اپنے دل کی بات کھول کر آپ کے سامنے بیان کر دی ہے۔ میں نے آپ کو اپنے عزائم کے بارے میں اعتماد میں لیا ہے۔ اب میں اس مشن کو مکمل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رہنمائی اور آپ سے مدد اور تعاون کا خواستگار ہوں۔ امید ہے کہ عدلیہ' انتظامیہ اور عام شہری میرے ساتھ تعاون کریں گے۔

میری یہ پوری کوشش ہو گی کہ مارشل لاء انتظامیہ نہ صرف سب سے انصاف اور برابری کا برتاؤ کرے بلکہ عوام کو اس بات کا احساس بھی ہو سول انتظامیہ کو اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرنا ہے لہٰذا میں یہ اعلان کر کے خوشی محسوس کرتا ہوں کہ میری درخواست پر ہر صوبے کے ہائیکورٹ کے چیف جسٹس نے قائم مقام گورنر بننا قبول کر لیا ہے انتظامیہ کے بعض افسروں کو اگر اپنے مستقبل کے بارے میں خدشات ہیں تو میں انہیں یقین دلاتا ہوں کہ کسی کو بھی ناکردہ گناہوں کی سزا نہیں دی جائے گی البتہ اگر کسی سرکاری ملازم نے اپنے فرائض میں کوتاہی برتی' جانبداری سے کام لیا ملک و قوم سے بے وفائی کی تو اس کی سخت سے سخت سزا ملے گی۔ اسی طرح اگر کسی شہری نے امن و امان میں خلل ڈالنے کی کوشش کی تو اس سے بھی سختی سے نپٹا جائے گا۔

بیرونی ممالک کے ساتھ تعلقات کے بارے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ سابقہ حکومت نے جن جن ملکوں کے ساتھ جو معاہدے' وعدے اور سمجھوتے کئے ہیں' میں ان کا پابند رہوں گا۔

آخر میں بری' بحری اور فضائی افواج کے تمام افسروں اور جوانوں سے توقع رکھوں گا کہ وہ اپنے فرائض بجالاتے وقت مکمل غیر جانبداری اور انصاف سے کام لیں گے اور کسی سے غیر ضروری رعایت نہیں برتیں گے۔ میں ان سے یہ بھی توقع رکھوں گا کہ ماضی میں اگر کسی نے ان کو لعن طعن کیا ہو تو اسے اسلامی روایات کے مطابق معاف کر دیں اور اپنے فرائض ادا کرتے وقت اپنے اور اپنے پیشے کے وقار کو پیش نظر رکھیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی نئی ذمہ داریوں سے احسن طریقے سے عہدہ بر آ ہوں گے جس سے ان کے وقار اور مرتبے میں اضافہ ہو گا۔

چند ایک نکات کی تشریح ضروری سمجھتا ہوں

1- اولاً" سول عدالتیں اپنے فرائض معمول کے مطابق انجام دیتی رہیں گی۔

2- ایف ایس ایف کی عنقریب تنظیم نو کی جائے گی

3 حال ہی میں سول انتظامیہ میں جو تبادلے کئے گئے ہیں ان کا جائزہ لیا جائے گا۔

4 عبوری حکومت کا ڈھانچہ اس طرح تشکیل دیا گیا ہے

الف۔ جناب صدر فضل الٰہی چوہدری سربراہ مملکت ہوں گے۔

ب ملک کے اہم انتظامی امور ملٹری کونسل سرانجام دے گی جس کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔

ج۔ انتظامیہ کا سربراہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر ہو گا۔ سیکرٹری جنرل ڈیفنس جناب غلام اسحاق خان تمام وفاقی محکموں میں رابطے کے ذمہ دار ہوں گے۔

د۔ وفاقی حکومت کے سیکرٹری اپنے اپنے محکمے کے سربراہ ہوں گے

ر۔ ہر صوبے کی ہائیکورٹ کا چیف جسٹس اس صوبے کا قائم مقام گورنر ہو گا۔

ھ۔ صوبے کی انتظامیہ کے سربراہ صوبے کے مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر ہوں گے اور صوبائی محکموں کے انچارج بدستور سیکرٹری رہیں گے۔ میری خواہش ہے کہ

الف۔ انتظامیہ بلا خوف و خطر اپنے فرائض انجام دے۔

ب۔ پولیس میں بے لوث خدمت کا جذبہ پیدا ہو۔
ج۔ اخبارات آزادی صحافت کے علم بردار ہوں مگر ضابطہ اخلاق سے انحرف نہ کریں۔
د۔ قوم میں ہوش مندی پیدا ہو
ر۔ ہر شخص کی جان' مال اور عزت محفوظ ہو۔
و۔ ملک میں امن و امان قائم رہے اور غنڈہ گردی کا خاتمہ ہو۔
ز۔ درسگاہیں سیاسی اکھاڑے نہ بنیں۔

آپ کی اطلاع کے لئے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پاکستان کی سرحدیں محفوظ ہیں مسلح افواج اپنے فرائض انجام دے رہی ہیں اور سرحدیں جائز نقل و حرکت کے لئے کھلی ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حالیہ تحریک میں اسلام کا جو جذبہ دیکھنے میں آیا' وہ قابل تحسین ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا وہ اسلام کے نام پر قائم رہے گا' جس کے لئے اسلامی نظام اشد ضروری ہے"

پاکستان میں فوجی انقلاب کی اولین منصوبہ بندی کرنے والے اس وقت کے چیف آف جنرل سٹاف میجر جنرل محمد اکبر خان تھے انہوں نے اس "انقلاب" کی ضرورت اور مقاصد کے بارے میں جو دستاویزات تیار کر رکھی تھیں اور کامیابی پر قوم کے نام جو نشری تقریر فرمانا تھی وہ اصل صورت میں راولپنڈی سازش کی سماعت کرنے والے ٹریبونل کے ریکارڈ پر موجود ہیں اس "انقلاب" میں لیاقت علی خان کی وزارت کو ختم کیا جانا تھا مگر گورنر جنرل کو چوہدری فضل الٰہی کی مانند برقرار رکھنا تھا ملک میں ایک نگران حکومت قائم کرنا تھی' جلد از جلد غیر جانبدارانہ اور آزادانہ انتخابات کرانے اور قومی اسمبلی سے آئین تیار کروانے کا وعدہ کیا جانا تھا۔ آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کے انعقاد کے لئے ایک غیر جانبدار فوجی مشینری قائم کرنے کا وعدہ بھی ان میں موجود ہے یہ سب مراحل فوجی جنرلوں پر مشتمل ایک ملٹری کونسل کی نگرانی میں مکمل ہونا تجویز کیا گیا تھا۔ اصل حکمران یہی ملٹری کونسل ہوتی۔ اسی تقریر میں یہ بھی وعدہ شامل ہے کہ یہ مراحل مکمل ہونے پر جنرل محمد اکبر خان اور ان کے دیگر فوجی ساتھی واپس فوج میں اپنی اپنی ڈیوٹی پر چلے جائیں گے۔

انہیں اس "انقلاب" کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ اس سلسلے میں جنرل اکبر خان

لکھتے ہیں ”میں اور میرے ساتھی اس پر متفق تھے کہ حکومت کشمیر کی آزادی کے آپریشن میں ناکام ہو گئی ہے لیاقت علی خان کی حکومت نے کشمیر کی آزادی کے بہت سے مواقع ضائع کر دیئے ہیں اور اس بارے میں بہت سے غلط فیصلے کئے ہیں اس نے جنگ بندی قبول کرلی جو پاکستان کے حق میں نہیں تھی۔ کشمیر کی آزادی کی پالیسی کے علاوہ لیاقت علی خان کی حکومت کی دیگر پالیسیوں سے بھی ہم مطمئن نہیں تھے“ جنرل اکبر خان نے حکومت پر یہ بھی الزام لگایا کہ وہ آئین نہیں بنوا سکی تھی اور طویل مدت میں صرف قرار داد مقاصد ہی پاس کروا سکی تھی۔

جنرل محمد اکبر خان اور ان کے ساتھیوں کے انقلابی منصوبہ کا یہ خاکہ اور تقاریر 23 فروری 1951ء تک مکمل ہو چکے تھے۔ اس روز ان کے گھر پر سول افراد اور فوجی افسروں نے اس پر آخری بار غور کیا تھا۔

جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنی تقریر پانچ جولائی 1977ء کو نشر کی، ان دونوں تاریخوں کے درمیان چھبیس سال چار ماہ اور بارہ دن کا طویل فاصلہ ہے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ جنرل اکبر خان کے ناکام اور جنرل ضیاء الحق کے کامیاب فوجی انقلاب کی ضرورت اور مقاصد کے بارے میں دونوں کے ہاں کوئی بنیادی فرق نظر نہیں آتا۔ اس فرق کے ساتھ کہ اکبر خان کی تقریر میں حب وطن پر زور تھا ضیاء الحق کی تقریر میں حب وطن کے ساتھ اسلام بھی شامل ہے۔ سیاستدانوں اور سول حکومت سے دونوں جرنیلوں اور ان کے ساتھیوں کو شکایات بھی ایک جیسی ہی ہیں بروقت اور درست فیصلے نہ کرنے کی شکایات ملکی مفاد کے منافی اقدامات کی شکایات اور آزادانہ اور غیر جانبدارانہ انتخابات کا اہتمام نہ کرنے کی شکایات۔ اکبر خاں اور ان کے ساتھیوں کا کہنا تھا کہ کشمیر کے بارے میں ایسے فیصلوں سے بھارت پاکستان کی شہ رگ پر قابض ہو گیا ہے۔ ذوالفقار علی بھٹو اور پاکستان قومی اتحاد کے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے لئے کسی منصوبہ پر متفق نہ ہونے کے نتیجے میں جنرل ضیاء الحق نے ”ملک بچانے کے لئے“ اقتدار پر قبضہ کیا تھا۔

3

لیاقت علی خاں کی ناکامی

تاریخ عالم میں بعض برائیاں نیک نیت اور خلوص مقاصد کے دودھ پر پروان چڑھی ہیں کچھ نیکیاں بدنیتی کی وجہ سے سرزد ہوئی ہیں پاکستان میں اعلیٰ فوجی افسروں کے ملکی سیاست اور ایسے افسروں کی وجہ سے فوج کے ملکی معاملات میں عمل دخل کی جدوجہد کا جائزہ لیا جائے تو اس برائی کے پیچھے نیک نیت اور اس "نیکی" کی تہ میں بدنیتی کی نشاندہی کرنا مشکل نہیں۔ پاکستان کے قیام کے ساتھ ہی اس کے وجود اور استحکام کے خلاف ہندو اور انگریز کی ملی بھگت سے سازشیں شروع ہو گئی تھیں ایسی ہی ایک سازش کے نتیجے میں مسلم اکثریت کی ریاست جموں اور کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کر دیا گیا تھا۔ بھارت نواز گورنر جنرل لارڈ موئنٹ بیٹن کی بیوی سے تعلقات اور ہندو راجہ کے فطری تعصبات کے ذریعے پنڈت نہرو نے کشمیر ہتھیانے کی جو سازش تیار کی تھی اس کا مقابلہ کرنے کے لئے حکومت پاکستان کی طرف سے مختلف سطحوں پر مختلف طریقوں پر غور و فکر کیا گیا۔ ایک طریقہ جموں اور کشمیر کی مظلوم اور کچلی ہوئی مسلم اکثریت کو اخلاقی اور عملی امداد کے ذریعہ اس تاریخی ظلم کے خلاف منظم کرنا بھی ہو سکتا تھا۔ بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کے معتمدِ خاص اور پاکستان کے پہلے وزیراعظم لیاقت علی خاں نے بابائے قوم کی اجازت اور علم کے بغیر نومبر 1947ء میں اس قسم کا ایک منصوبہ تیار کیا تھا کشمیر کی آزادی اور کشمیریوں کی نجات کے اس منصوبہ کی تیاری میں پنجاب کے کمیونسٹ جاگیردار میاں افتخار الدین بھی شامل تھے جو تحریک پاکستان کو کامیاب ہوتا دیکھ کر مشرف بہ مسلم لیگ ہو گئے تھے وہ جنرل محمد اکبر خان کو جو اس وقت بریگیڈیئر تھے اور اپنی بیوی کے ذریعہ سے میاں افتخار الدین کے رشتہ دار بھی تھے اس سارے آپریشن کا فوجی مشیر مقرر

کرانے میں پیش پیش رہے۔ اس طرح سیاست اور سیاستدانوں سے براہ راست ربط اور رابطہ قائم کرنے والے پہلے اعلیٰ فوجی افسر محمد اکبر خان تھے۔ ان کے اسی رابطہ اور خدمت کی کوکھ سے آگے چل کر راولپنڈی سازش نے جنم لیا جس کی انہوں نے ہمیشہ تردید کی ہے۔ لیاقت علی خاں کے قتل کی بنیادی وجوہ میں ان کی ناکام کشمیر پالیسی کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

ستمبر 1947ء میں اکبر خان مری میں چھٹیاں گزار رہے تھے وہاں ان کی ملاقات میاں افتخار الدین سے ہوئی۔ میاں صاحب سری نگر جا رہے تھے مسلم لیگ کی قیادت نے انہیں سری نگر اور کشمیر کے حالات کا جائزہ لینے بھیجا تھا۔ وہ مری میں تین روز تک اکبر خان کے ہاں مقیم رہے ان سے کشمیر کے حالات پر تبادلہ خیال کرتے رہے اور انہیں بوقت ضرورت کشمیر میں کوئی آپریشن شروع کرنے کا خاکہ تیار کرنے کے لئے کہہ کر خود سری نگر چلے گئے۔ واپسی پر میاں صاحب اکبر خان کا تیار کردہ مسلح جدوجہد کا منصوبہ بھی ساتھ لیتے آئے چند روز بعد انہوں نے اس منصوبہ پر تبادلہ خیال کے لئے اکبر خان کو لاہور بلایا۔ لاہور میں صوبائی وزیر سردار شوکت حیات خاں کے کمرے میں ایک اجلاس ہوا جس میں اس منصوبہ پر غور کیا گیا۔ سردار شوکت حیات کو اس منصوبہ پر عملدر آمد کا انچارج مقرر کیا گیا۔ کشمیر کے پورے محاذ کو دو سیکٹروں میں تقسیم کیا گیا شمالی اور جنوبی سیکٹر میں۔ شمالی سیکٹر کا انچارج مسلم لیگ نیشنل گارڈز کے کمانڈر میجر (سابق) خورشید انور کو اور جنوبی سیکٹر کا کمانڈر آئی این اے والے جنرل زمان کیانی کو مقرر کیا گیا۔ اسی رات گورنر ہاؤس میں وزیراعظم لیاقت علی خاں کی صدارت میں اسی سلسلہ میں ایک اجلاس ہوا جس میں وفاقی وزیر خزانہ غلام محمد' میاں افتخار الدین' زمان کیانی' سردار شوکت حیات' خورشید انور اور محمد اکبر خان شریک ہوئے اس اعلیٰ سطح کے اجلاس میں اس منصوبہ کی منظوری دی گئی اور بریگیڈیئر محمد اکبر خان کو اس منصوبہ پر عملدر آمد کے لئے ایڈوائزر مقرر کیا گیا۔ اکبر خان اس وقت جی ایچ کیو میں تھے۔ سرحد کے وزیر اعلیٰ خان عبدالقیوم خاں کو افرادی قوت اور درہ سے رائفلیں فراہم کرنے کا فرض سونپا گیا کشمیر کی آزادی کے اس آپریشن کو پاکستان کی مسلح افواج کے انگریز کمانڈر اور دیگر افسروں سے خفیہ رکھا گیا تھا اس لئے اسلحہ کا حصول ایک بڑا مسئلہ تھا۔ اکبر خان نے اجلاس میں بتایا کہ جی ایچ

کیو کے اسلحہ خانہ سے چار ہزار رائفلیں حاصل کی جا سکتی ہیں فیصلہ کیا گیا کہ وہاں سے رائفلیں پنجاب پولیس کے لئے حاصل کی جائیں لیکن تقسیم مجاہدین کشمیر میں کردی جائیں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ مزید اسلحہ کے حصول کے لئے ایک وفاقی وزیر کو اٹلی بھیجا جائے جو جنگ عظیم دوئم کے وقت کی برن گنیں خرید کرلائیں۔ اس اجلاس سے واپس جاکر راولپنڈی میں اکبر خان نے بعض دیگر افسروں کو بھی اعتماد میں لیا اور ان سے اس مشن میں امداد کے لئے کہا۔ ان میں ڈائریکٹر انٹیلی جنس بریگیڈیئر شیر خاں اور کرنل مسعود (جو بعد میں بریگیڈیئر ٹومی مسعود کے نام سے جانے گئے) اور پاک فضائیہ میں سب سے سینئر پاکستانی افسر ایئر کموڈور جنجوعہ بھی شامل تھے۔

23 اکتوبر کو مجاہدین کشمیر میں داخل ہوئے دو ہی روز میں وہ سری نگر سے 30 میل ادھر بارہ مولہ تک پہنچ گئے۔ کشمیر کا ڈوگرہ مہاراجہ بھاگ کر جموں چلا گیا۔ اس نے بھارت سے مدد کی درخواست کی۔ 26 اور 27 اکتوبر کی درمیانی شب اس نے اپنے ملٹری سیکرٹری کو حکم دیا کہ اگر صبح تک بھارت فوجیں بھیجنے کا وعدہ نہ کرے تو اسے جگایا نہ جائے بلکہ گولی مار کو ہمیشہ کی نیند سلا دیا جائے۔ 27 اکتوبر کو بھارت کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا اعلان کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ہوائی جہازوں کے ذریعے بھارتی افواج سری نگر پہنچنا شروع ہو گئیں۔ اس وقت لطیف افغانی ایک سو مجاہدین کے ساتھ سری نگر کے ہوائی اڈے کے قریب پہنچ چکے تھے لیکن ان کے پاس ہوائی اڈے پر قبضہ کرنے کے لئے ضروری وسائل نہیں تھے۔

کشمیر پر بھارت کے فوجی قبضہ سے پیدا ہونے والی نازک صورتحال پر غور کرنے کے لئے 27 اکتبور کی رات لاہور میں وزیراعظم خان لیاقت علی خاں کی صدارت میں اعلیٰ سطح کا اجلاس ہوا۔ اجلاس کے شرکاء میں سیکرٹری دفاع اسکندر مرزا' وفاقی وزراء چوہدری محمد علی' غلام محمد' وزیر اعلیٰ پنجاب نواب ممدوٹ' وزیر اعلیٰ سرحد خان عبدالقیوم خاں' بریگیڈیئر شیر خاں اور بریگیڈیئر محمد اکبر خان نے شرکت کی۔ اکبر خان نے فوری طور پر مجاہدین کی مدد سے کشمیر کو بھارت سے ملانے والی واحد جموں کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کرنے اور جموں کی طرف پیش قدمی کی تجویز پیش کی۔ خان قیوم اور نواب ممدوٹ نے اس کی حمایت کی لیکن خان لیاقت علی خاں اور چوہدری محمد علی نے اس تجویز کو مسترد کردیا ان کا موقف تھا کہ اس طرح بھارت پاکستان پر مسلح

حملے کا الزام لگائے گا وہ اس الزام اور اس سے پیدا ہونے والی صورت حال سے بچنا چاہتے تھے جبکہ تجویز کے حامیوں کا موقف تھا کہ بھارت خود اعلانیہ کشمیر میں مسلح مداخلت کر چکا ہے اس مداخلت کے سیاسی، فوجی اور اقتصادی اثرات سے بچنے کے لئے یہ واحد راستہ ہے رات دو بجے میٹنگ کشمیر کی آزادی کے لئے لبریشن کمیٹی کے قیام پر اتفاق کر کے برخاست ہو گئی دوسرے روز وزیر اعظم نے اکبر خان کو پھر ملاقات کے لئے بلایا اور کشمیر کے معاملات سے متعلق انہیں اپنا فوجی مشیر مقرر کیا۔ لبریشن کمیٹی کے صدر سردار ابراہیم اور ارکان میں خواجہ عبدالرحیم، غلام محمد میجر یوسف شامل تھے۔ سردار ابراہیم نے اکبر خان کو بھی اس کمیٹی کا رکن مقرر کر دیا۔

جو وزیر اٹلی گئے تھے وہ برن گنیں لانے کی بجائے اٹلی کی ساختہ گنیں خرید لائے جو گھٹیا قسم کی تھیں اور اڑھائی سو گز سے دور مار نہیں کر سکتی تھیں اس لئے پہاڑی علاقوں میں کام نہیں آسکتی تھیں۔ فوج کے اسلحہ خانہ سے کشمیر کے محاذ پر سرگرم مجاہدین کے لئے جو اعلیٰ قسم کی رائفلیں بھیجی گئی تھیں وہ پولیس حکام نے پولیس کے لئے رکھ لیں اور پولیس کی پرانی رائفلیں مجاہدین کو بھیج دیں۔ بھارتی افواج کے سری نگر میں اترنے سے کافی عرصہ پہلے مجاہدین کی بھاری تعداد بارہ مولہ پہنچ گئی تھی لیکن اس کے کمانڈر خورشید انور کشمیر کی آئندہ حکومت میں اپنے مرتبہ کے پیشگی تعین کے لئے وہاں بیٹھے مذاکرات کرتے رہے اور آگے بڑھ کر سری نگر پر قبضہ کرنے کا موقع گنوا دیا گیا۔

زمینی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے وزیر اعظم پاکستان کے مشیر اور کشمیر لبریشن کمیٹی کے رکن اکبر خان 29 اکتوبر کو سری نگر کے لئے روانہ ہوئے ان کے ساتھ لاہور کے ایک اخبار نویس علی اختر مرزا بھی تھے راستہ میں وہ مجاہدین کے جتھوں سے بھی ملے۔ سری نگر سے پاکستان کو آنے والی سڑک پر شہر سے چار میل باہر ایک مضبوط فوجی مورچہ تھا جس میں محفوظ مشین گن مجاہدین کے شہر میں داخلہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھی شہر کے گرد ندی نالے اور نشیبی علاقے بارش کے پانی سے بھرے تھے۔ افغان مجاہدین جو پانی کے علاقوں میں لڑنے کے عادی نہیں اس سے گزر نہیں سکتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ مشین گن کو خاموش کر دیا جائے۔ اکبر خان واپس راولپنڈی آئے۔ کرنل مسعود کی کمان میں تین بکتر بند گاڑیاں

تھیں کرنل مسعود اعلیٰ فوجی حکام سے چوری ایک بکتر بند گاڑی لے کر سری نگر جانے اور مشین گن کے مورچہ کو غیر موثر بنانے کے لئے تیار تھے مگر اس کے لئے وزیر اعظم کی اجازت لازم تھی۔ وفاقی وزیر راجہ غضنفر علی راولپنڈی میں مقیم تھے ان سے کہا گیا کہ وہ وزیر اعظم سے بات کریں اور بکتر بند گاڑی سری نگر لے جانے کی اجازت حاصل کریں۔ کرنل ارباب نیاز محمد اور بریگیڈیئر شیر خاں کی موجودگی میں راجہ غضنفر علی نے وزیر اعظم سے ٹیلیفون پر بات کی مگر انہوں نے اس رضاکارانہ مشن کی اجازت نہیں دی۔

بھارتی فوجیں مسلسل سری نگر میں اتر رہی تھیں۔ بھارتی فضائیہ بھی مجاہدین پر بمباری میں سرگرم ہو گئی تھی مجاہدین کو حکومت کی طرف سے نہ کوئی تنخواہ ملتی تھی نہ الاؤنس، نہ اسلحہ نہ ٹرانسپورٹ، نہ ادویات اور نہ ہی کسی قسم کی رہنمائی، وہ اس جہاد میں اپنی جان مال لے کر شامل ہوئے تھے لیکن جب پاکستان کی طرف سے کسی بھی قسم کی مدد نہ ملی اور بھارتی افواج فضائیہ، توپ خانہ اور ٹینکوں کی مدد سے مقابلہ میں آ گئیں تو صرف رائفلوں سے مسلح مجاہدین کے لشکر پسپا ہونا شروع ہو گئے۔ اس پسپائی کی خبر خان قیوم کو، جنہوں نے یہ لشکر منظم کر کے بھیجے تھے، اور وزیر اعلیٰ پنجاب نواب ممدوٹ کو ملی تو وہ پریشان ہو گئے۔ بھارتی افواج کی راہ میں واحد رکاوٹ یہ مجاہدین تھے اگر وہ سب واپس آ گئے تو بھارتی افواج مظفر آباد پر بھی قابض ہو سکتی تھیں، انہوں نے ایبٹ آباد میں ہنگامی میٹنگ کے بعد اکبر خان سے کہا کہ وہ خود محاذ پر جائیں اور بھارتی افواج کا راستہ روکنے کی کوشش کریں۔

سات نومبر کو اکبر خان جنرل طارق کا نام اپنا کر بھارتی فوجوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے روانہ ہوئے۔ رات بارہ بجے جب وہ اوڑی پہنچے تو وہاں نہ خورشید انور تھا اور نہ اس کے لشکر کا کوئی آدمی۔ ایئر مارشل اصغر خاں کے بھائی میجر اسلم نے (جو بعد میں بریگیڈیئر ہو کر ریٹائر ہوئے) جو رضاکار کے طور پر اس جہاد میں حصہ لے رہے تھے انہیں بتایا کہ بھارت کا ایک پورا بریگیڈ وہاں سے 35 میل دور بارہ مولہ تک پہنچ چکا ہے اور پٹھان مجاہدین پسپا ہو رہے ہیں۔ جنرل طارق نے بڑھتی ہوئی بھارتی افواج کا راستہ روکنے اور انہیں پسپائی پر مجبور کرنے میں اس محاذ پر جو شاندار کارکردگی دکھائی اس کا اعتراف ان کے سخت مخالف فیلڈ مارشل ایوب خاں نے بھی اپنی سوانح "جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی" میں کیا ہے۔ 4 دسمبر 1947ء کو

وزیراعظم لیاقت علی خاں نے اکبر خان کو محاذ سے پنڈی بلایا۔ میٹنگ کے بعد انہیں دس لاکھ گولیاں اور دس فوجی افسر بطور رضاکار ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی گئی۔ اسی دوران پونچھ میں بھارتی بریگیڈیئر پریتم سنگھ تقریباً" محاصرہ کی حالت میں تھا برف باری کی وجہ سے پونچھ کی فوجی اور سول آبادی کے لئے خوراک تک پہنچانا بھارت کے لئے ناممکن ہو گیا تھا لیکن اس محاذ کے انچارج کرنل صدیق کو حکم ہوا کہ وہ بھارتی محصور فوجوں کے ساتھ عارضی جنگ بندی پر عمل کرے جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارت نے وہاں اپنی پوزیشن مستحکم کرلی۔ فروری 1948ء میں وزیر اعظم کے ساتھ ایک اور میٹنگ کے بعد اکبر خان کو کشمیر کے محاذ سے واپس بلالیا گیا۔

موسم کی مجبوریوں کے تحت سرما میں جنگ بند رہی لیکن بھارت فوجیں جمع کرتا رہا۔ بھارتی فوجوں کے اجتماع سے اس کے ارادوں کا اندازہ کرتے ہوئے 20 اپریل 1948ء کو پاکستان کے انگریز کمانڈر انچیف نے حکومت کو ایک رپورٹ پیش کی جس میں کہا گیا تھا کہ اگر بھارت نے مظفر آباد پر قبضہ کرلیا تو اس کے نتائج بہت خوفناک ہوں گے۔ اب تک قبائلی مجاہدین اور رضاکار ہی کشمیر میں لڑ رہے تھے۔ رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ بھارت کے کشمیر پر قبضہ کی صورت میں قبائلی پاکستان کے خلاف ہو جائیں گے کہ اس نے بھارتی افواج کی پیش قدمی روکنے میں ان کی مدد نہیں کی۔ پاکستان کا اپنا دفاع ناممکن ہو جائے گا۔ کشمیر سے مزید پچیس لاکھ مہاجرین پاکستان میں داخل ہو جائیں گے پاکستان کی فوج اور سول آبادی کے مورال پر نہایت تباہ کن اثرات مرتب ہوں گے۔ پاکستان کے اندر ملک دشمن سیاسی قوتیں سر اٹھائیں گی جس سے اندرونی امن و امان تباہ ہو جائے گا۔ رپورٹ میں مزید کہا گیا تھا کہ اگر پاکستان اس صورت حال سے بچنا چاہتا ہے تو اس کے لئے لازم ہے کہ بھارتی افواج کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ حکومت پاکستان نے اس رپورٹ پر مسلح افواج کے کچھ دستے کشمیر میں بھیج دیئے لیکن انہیں ہدایت کی کہ وہ مجاہدین کے پیچھے رہیں اور ہر ممکن کوشش کریں کہ بھارتی افواج سے ان کا براہ راست مقابلہ نہ ہو۔ اس فیصلے کے بعد فوج کی کچھ یونٹیں کشمیر میں دفاعی پوزیشنوں پر بھیج دی گئیں اور اکبر خان کا بریگیڈ ہیڈ کوارٹر مری منتقل ہو گیا۔ پندرہ مئی کی رات بھارتی فوجوں نے ٹیٹوال اور مظفر آباد کی طرف سہ طرفہ پیش قدمی شروع کر دی۔ 20 مئی تک بھارتی افواج

مظفر آباد روڈ پر چکوٹھی تک بڑھ آئیں۔ بیس مئی کی شام سات بجے اکبر خان اپنے دو سٹاف افسروں اور پاکستان ٹائمز لاہور کے ایڈیٹر فیض احمد فیض کے ساتھ محاذ کے لئے روانہ ہوا اس محاذ پر زبردست لڑائی کے بعد انہوں نے نہ صرف بھارتی فوج کی پیش قدمی روک دی بلکہ اس کی فرنٹ لائن کے پیچھے پانڈو چوکی پر بھی قبضہ کرلیا۔ اس قبضہ کے بعد جب وہ تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے اور اس سلسلہ کی سب سے بلند چوٹی پر قبضہ کرنے والے تھے جس کے نیچے سے بھارت کی اوڑی کے لئے سپلائی لائن گزرتی تھی تو جی ایچ کیو سے حکم آیا کہ ایڈوانس روک دیا جائے۔

دوسرے محاذوں پر میرپور کوٹلی کی طرف بھارت کی پیش قدمی روک دی گئی تاہم ان کے درمیان میں نوشہرہ پر اس کا قبضہ برقرار تھا۔ پونچھ میں بھارتی فوج اور شہری آبادی تقریباً محاصرہ کی حالت میں تھی انہیں اسلحہ اور اشیاء ضرورت صرف ہوائی جہازوں سے پہنچائی جا رہی تھیں۔ 13 اگست 1948ء کو اقوام متحدہ کی طرف سے جنگ بندی کی پہلی تجویز پیش کی گئی جو ناقابل قبول ٹھہری اگر اس وقت جنگ بندی کی تجویز مان لی جاتی تو پونچھ شہر آزاد کشمیر کے علاقہ میں ایک جزیرہ کی صورت میں رہتا۔ اس مرحلہ پر بھارت اور پاکستان کی حکومتوں کے درمیان اس بات پر اتفاق ہو گیا کہ وہ کوئی ایسی کارروائی نہیں کریں گے جس سے محاذ پر کشیدگی پیدا ہو۔ اس اتفاق کے بعد بھارت نے پونچھ کے محصورین کی مدد کے لئے منصوبہ بنایا اور نوشہرہ کی طرف سے چوبیس اگست کو فوجی تیاریوں کی خبریں محصول ہوئیں۔ 24 ستمبر کو بھارت نے اس سمجھوتہ کے باوجود راجوڑی کے علاقہ میں جھڑپوں کا آغاز کردیا۔ دس اکتوبر کو بھارت نے راجوڑی کے شمال مشرق میں زبردست حملہ کیا جو پسپا کر دیا گیا۔ 19 اکتوبر کو اس نے ایک بریگیڈ سے راجوڑی پر نیا حملہ کیا اسی روز نوشہرہ کے شمال مغرب میں بھی بھارتی فوجوں نے ایڈوانس کی کوشش کی۔ چار روز بعد پونچھ میں محصور فوج نے بھی چھاؤنی اور شہر سے نکل کر ارد گرد بڑھنا شروع کیا۔ پندرہ نومبر تک بھارت راجوڑی کے محاذ پر آرمرڈ کاریں بھی لے آیا تھا اور زبردست حملہ شروع ہو چکا تھا اس محاذ پر اس کی فوج کی تعداد تین ڈویژن تک پہنچ چکی تھی۔ جموں میں تین بریگیڈ پیدل اور آرٹلری کی دو رجمنٹیں مزید بھیج دی گئی تھیں۔ بیس نومبر کو نوشہرہ کی طرف سے پونچھ کی طرف اور پونچھ سے نوشہرہ کی طرف بھارتی افواج نے

پیش قدمی شروع کی اور سخت لڑائی کے بعد اس علاقہ پر قبضہ کر کے پونچھ کا نوشہرہ سے رابطہ قائم کر دیا۔ کشمیر کی آزادی کی لڑائی میں اب تک یہ سب سے بڑا نقصان تھا۔ بھارت کی اس کامیابی کی وجہ اس علاقہ میں لڑنے والے رضاکاروں اور مجاہدین کو بروقت ضروری امداد فراہم نہ کرنا بتائی جاتی ہے۔ اس سیکٹر کے کمانڈر بریگیڈیئر اعظم خاں (جو بعد میں جنرل اعظم خاں ہوئے) اس محاذ پر بھارتی فوجوں کے غیر معمولی اجتماع اور تیاریوں کے بارے میں فوج اور حکومت کے اعلیٰ حکام کو کافی عرصہ پہلے سے رپورٹیں بھیجتے رہے تھے مگر انہیں نہ تو امداد بھیجی گئی اور نہ ہی کوئی ہدایات کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ پونچھ اور نوشہرہ کا رابطہ قائم ہو جانے سے پیدا ہونے والی خطرناک صورتحال کے پیش نظر نئی منصوبہ بندی کی گئی اور قبائلی مجاہدین اور رضاکاروں کا پچیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر تیار کیا گیا اسے باقاعدہ فوج کا تعاون بھی حاصل تھا۔ پچاس توپیں بھی اس کے لئے فراہم کی گئیں طویل منصوبہ بندی اور تیاریوں کے بعد جب یہ فوج حملہ کر کے جموں کو پونچھ سے ملانے والی سڑک کو کاٹنے کے لئے بالکل تیار کھڑی تھی تو توپوں کے پچاس ہزار گولے ضائع کرنے کے بعد فوج کو آگے بڑھ کر حملہ کرنے سے روک دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس پاکستانی حملہ سے بھاری جانی نقصان اٹھانے اور علاقہ کو کھو دینے کے بعد بھارت پاکستان پر حملہ کر دیتا اور جنگ ختم ہونے کی بجائے مزید پھیل جاتی۔ اس بارے میں یہ سوال بجا طور پر پوچھا گیا کہ اگر یہی بات تھی تو دو ہفتہ کی تیاریوں اور منصوبہ بندی کے مراحل میں اس کا اندازہ کیوں نہ ہو سکا۔ اتنی فوج جمع کرنے اور ایڈوانس کے لئے گولہ باری شروع کرنے کے بعد ہی یہ اندازہ کیوں ہوا کہ اس سے بھارت کا بہت زیادہ نقصان ہو جائے گا اور وہ پاکستان کے ساتھ کھلی جنگ شروع کر دے گا۔

جنرل شیر علی خان نے جو اس مجوزہ حملہ کے کمانڈر تھے اپنی کتاب "پاکستان اور ہندوستان میں سیاست اور سپاہ گری کی روداد" میں اس آپریشن کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"جولائی کے وسط میں ہمیں کشمیر کے محاذ پر بلا تاخیر جانے کا حکم موصول ہوا۔ ہمیں بھمبر کوٹلہ کے علاقے میں جانا تھا جو اس مقام کے شمال میں واقع ہے جہاں اب کھاریاں چھاؤنی ہے یہ علاقہ پیر پنجال کے کوہستانی سلسلے کے دامن میں ہے جو پنجاب کو جموں و کشمیر سے جدا کرتا ہے۔ جب اجتماع فوج تکمیل پذیر ہوا تو میرے زیر کمان تقریباً" بیس ہزار کی نفری کے علاوہ

توپ خانے کی کئی رجمنٹیں اور تیسرا بکتر بند ڈویژن تھا۔ اس اجتماع کی تکمیل میں چار ہفتے لگے۔ میرے زیر کمان چھ باقاعدہ بٹالینوں میں سے تین بٹالینیں پہاڑ پر تیار کھڑی تھیں تاکہ ضرورت پڑنے پر جموں اور وادی مہندر و علاقہ پونچھ کے مابین براہ راست مواصلاتی رابطے کو کاٹ دیا جائے۔ باقاعدہ فوج کی امداد کے لئے اردگرد کی پہاڑیوں اور پکٹوں پر چار ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر اور فرقان بٹالین کی طرز پر کئی رضاکار بٹالینیں متعین تھیں۔

بحیثیت مجموعی منصوبہ یہ تھا کہ وادی مہندر اور پونچھ کے علاقے میں بھارتی افواج کے مواصلاتی راستے کو کاٹ دیا جائے اور پھر جموں پر خطرے کے سائے ڈالے جائیں۔ اگر اس ناگہانی حملے سے دشمن سراسیمہ ہو جائے، جس کی توقع تھی تو میں اپنی تمام باقاعدہ ریزرو اور بکتر بند فوج کے ہمراہ جموں کی جانب پیش قدمی کروں اور دیکھوں کہ کیا ہوتا ہے۔ میرا اپنا اندازہ تھا کہ اگر سب کچھ منصوبے کے مطابق ہوا اور ہم نے بھارتی افواج کو عالم بے خبری میں جا لیا تو میں جموں کو روندتا ہوا پٹھان کوٹ اور گورداسپور کی جانب بڑھوں گا۔ ہماری کفایت سیالکوٹ سے ہونا تھی اور اڑتالیس گھنٹے کے اندر ہم بھارتی فوج کے پہلو میں پہنچ کر اس پر لرزہ طاری کر دیتے۔ اس بھارتی فوج کا اجتماع لاہور پر حملے کے سلسلے میں جالندھر اور امرتسر کے علاقے میں ہونا تھا۔

اس عظیم منصوبے پر کارروائی نہ کی گئی بلکہ فقط محدود حملے کی اجازت دی گئی جو بیری پتن پل پر بمباری اور وادی مہندر کی سڑک تک بھاری گشت پر مشتمل تھا۔ اتنی زیادہ فوج کے اجتماع سے دشمن کو اچانک حیران کر دینے کا مقصد اس حد تک پورا ہوا کہ بھارتی ڈویژنل ہیڈ کوارٹر میں افراتفری مچ گئی جس کے نتیجے میں دشمن اپنی پوزیشنیں چھوڑ کر بہ عجلت تمام جموں کی جانب بھاگ کھڑا ہوا۔ یوں جموں میں بھی سراسیمگی پھیل گئی اور قیدی جیل توڑ کر بھاگ نکلے۔

میرا خیال ہے ایسی نفسیاتی صورت حال پیدا ہو گئی تھی جس سے بھرپور فائدہ اٹھا کر دشمن کے زیر تسلط علاقے حتی کہ جموں پر قبضہ ممکن تھا۔ یوں سودے بازی کے لئے ہماری حالت بہت مضبوط ہوتی۔ جنگ بندی قبول کرنے کے جواز میں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ لاہور میں ہماری بری فوج بہت قلیل تعداد میں تھی اور خطرہ بہت بڑا تھا مگر جیسا کہ بیان ہوا ہے

صورت حال یہ تھی کہ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر میں جموں پہنچ جاتا اور آئندہ چوبیس گھنٹے پٹھان کوٹ اور گورداسپور پہنچنے میں لگتے۔ اپنے پہلو میں پورے ایک ڈویژن اور ایک بکتر بند بریگیڈ کے ہمراہ مجھے پا کر بھارتی اتنے گھبرا جاتے کہ کثیر تعداد میں لاہور کی جانب پیش قدمی کی جرات نہ کرتے۔ گورداسپور کے بالمقابل واقع جسڑ کے پل پر سے پاک فوج کو سیالکوٹ اور پسرور سے رسد کی فراہمی مشکل کام نہ تھا۔ جسڑ کے پل کو جوں کا توں قبضے میں لینا ممکن تھا جس کی ہم ریہرسل کر چکے تھے۔

بھارت نے جنگ بندی کی خواہش ظاہر کی۔ مسٹر اٹیلی نے مداخلت کی اور ہم نے جنگ بندی کو قبول کر لیا۔ یہ ایک سیاسی فیصلہ تھا جس کی پابندی فوجیوں کے لئے لازمی تھی۔ اس سے مایوسی اور تلخی پیدا ہوئی۔ جنگ بندی کے فوراً" بعد 14 دسمبر 1948ء کو جب وزیر اعظم نے فوج کا معائنہ کیا تو میں نے انہیں اس صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا۔

یہ میری سوچی سمجھی رائے تھی کہ ہم نے بھارت کو فوجی لحاظ سے نیچا دکھا کر فوائد حاصل کرنے کا آخری موقع کھو دیا ہے۔ جنگ بندی کے بعد بھارت مناسب وقت کا انتظار کرے گا اور اس کے مخصوص حالات' وسائل اور جسامت کے باعث اس کی تعمیر و ترقی کی شرح ہم سے کئی گنا زیادہ ہو گی۔ ہمیں ایسا اچھا موقع پھر کبھی ہاتھ نہ آئے گا۔ اس فوجی کارروائی کے سلسلے میں مجھے ہلال جرأت ملا اور 1957ء میں انعامات کی جو اولین فہرست شائع ہوئی اس کی رو سے پچھتر فیصد سے زائد تمغے اسی کارروائی کی بنا پر دیئے گئے۔"

جنرل شیر علی ایک ذہین اور پڑھے لکھے فوجی سمجھے جاتے ہیں فوج اور سیاست سے ریٹائر ہونے کے بعد وہ اپنے نام کے ساتھ باقاعدہ پاٹودی بھی لکھنے لگے ہیں۔ انگریز فوجی افسروں کو چھوڑ کر وہ کسی اور کو کم ہی لیاقت اور شجاعت میں اپنے برابر سمجھتے ہیں اس لئے بعض لوگ ان کی اس تحریر میں مبالغہ کا گمان کر سکتے ہیں خاص طور پر اس بات کا کہ وہ جموں سے بھی آگے بڑھ کر گورداسپور پر قبضہ کرنے والے تھے۔ وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو حکومت کشمیر کے متنازعہ علاقہ میں ایک سڑک کاٹنے کا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھی وہ مسلمہ بین الاقوامی سرحدوں کی خلاف ورزی کی اجازت کیسے دے سکتی تھی لیکن دیگر شواہد اور ذریعوں سے یہ بات ثابت ہے کہ جموں سے پونچھ کا رابطہ کاٹنے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ پاکستان کے ایک

سابق وزیر اعظم چوہدری محمد علی اس وقت لیاقت علی خاں کی وزارت میں شامل تھے۔ کشمیر آپریشن کے منصوبہ کی تیاری میں بھی وہ شامل رہے۔ جنوری کی ایک سرد شام اس آپریشن کے بارے میں بعض باتوں کی تصدیق کرنے میں ان سے ملنے گیا وہ شاہراہ قائداعظم پر واپڈا کالونی میں اپنے بیٹے جاوید کے ہاں مقیم تھے ان کی صحت کافی کمزور تھی گردن میں کالر نیک ڈال رکھا تھا ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے بارے میں آف دی ریکارڈ بھی کوئی بات کرنے سے سخت پرہیز کر رہے تھے۔ مختلف موضوعات سے ہوتے ہوئے میں نے ان سے پوچھا "کیا یہ درست ہے کہ کشمیر آپریشن بابائے قوم حضرت قائداعظمؒ کے علم اور اجازت کے بغیر شروع کیا گیا تھا؟" انہوں نے بلاتوقف جواب دیا "ہاں یہ درست ہے"۔ "بیری پتن پر گولہ باری کے بعد آگے نہ بڑھنے اور مجوزہ آپریشن منسوخ کرنے کا حکم بھارت کی طرف سے لاہور یا پاکستان پر حملہ کے خوف سے دیا گیا تھا یا کسی اور وجہ سے یعنی اس حکم کی وجوہ فوجی تھیں یا سیاسی؟" انہوں نے اسی بلاتوقف انداز میں فرمایا "سیاسی"۔ اور یہ بھی بتایا کہ بابائے قوم کو جب بھارت کے سری نگر میں فوجیں اتارنے کی خبر ملی تو ان کی صحت پر اس شاک کا بہت برا اثر پڑا تھا۔

پاکستان اور بھارت کی فوجیں تقریباً انہی پوزیشنوں پر تھیں کہ اقوام متحدہ کے ذریعے دونوں ممالک نے اکتیس دسمبر1948ء کو کشمیر کے محاذ پر جنگ بندی کا اعلان کردیا۔

4

پہلی فوجی سازش

کشمیر کے محاذ پر موثر اور بروقت اقدام کرنے میں لیاقت علی خاں ہمیشہ ناکام رہا اس کی وجہ اس کی بزدلی تھی یا کوئی خوف؟ اگر وہ شروع میں فوجی مشیروں کا مشورہ مان لیتا تو بھارت کو سری نگر میں فوجیں اتارنے کا موقع نہ ملتا۔ کرنل مسعود کو آرمرڈ کار سری نگر کے مورچہ تک لے جانے کی اجازت دے دی جاتی تو مجاہدین آسانی سے سری نگر پر قابض ہو سکتے تھے۔ بھارت کے سری نگر اور کشمیر میں فوجیں داخل کرنے کے بعد جموں کٹھوعہ روڈ پر قبضہ کرنے کا مشورہ بھی لیاقت علی خاں نے قبول نہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد انگریز کمانڈر انچیف کو بھی اس محاذ کے دفاع کی ضرورت محسوس ہوئی تو اس کی رپورٹ پر مسلح دستے کشمیر بھیج دیئے گئے اس سے ایک چوتھائی فوج اور اسلحہ بھی شروع میں بھیجا ہوتا تو یہ صورتحال ہی پیدا نہ ہوتی۔ پانڈو سے آگے سب سے اونچی پہاڑی پر قبضہ سے بھی روک دیا گیا۔ پونچھ کے محاذ پر بریگیڈیئر اعظم خان کو امداد نہ بھیجی گئی۔ اس سے پیدا ہونے والی خطرناک صورتحال کے بعد پچیس ہزار فوج جمع کی گئی اور اسے بھی آخری وقت میں روک دیا گیا۔ اس طرح ہر فیصلہ اور اقدام وقت گزر جانے کے بعد کیا گیا۔ لیاقت علی خاں ایک خوفزدہ وزیراعظم تھا اس میں جرات عمل کی کمی تھی۔ اس نے اقوام متحدہ سے بہت زیادہ امیدیں وابستہ کرلی تھیں۔ وہ بھارت کے عزائم کو جانچنے میں ناکام رہا اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ اقوام متحدہ کشمیر میں ریفرنڈم کرانے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اسی امید پر وہ کشمیر پر قبضہ کرنے یا بھارتی قبضہ کو روکنے کی بجائے "کچھ کرنے" اور اس مسئلہ کو زندہ رکھنے کی پالیسی پر کاربند رہا۔ اس کی اس پالیسی کی وجہ سے مسئلہ کشمیر آج بھی حل طلب ہے اور بھارت کشمیر پر قابض ہے۔ اقوام متحدہ اسے ریفرنڈم پر

مجبور کر سکی اور نہ ہی بین الاقوامی وعدے پورے کرا سکی۔ جنگ بندی کا فیصلہ بھی بھارت کے حق میں رہا اس ناکامی اور کوتاہی کی وجہ سے فوج میں خاص طور پر ان افسروں میں جنہوں نے کشمیر کی آزادی کی تحریک میں سرگرم حصہ لیا تھا ناراضگی اور لیاقت علی خاں اور اس کی حکومت اور سیاستدانوں کے خلاف شکایات پیدا ہوئیں جن کو ایکسپلائٹ کر کے پنڈی سازش کا منصوبہ بنایا گیا۔ اگر راولپنڈی سازش میں سزا پانے والے فوجی افسروں کی فہرست دیکھی جائے تو ان میں ایک دو کے سوا سب وہی افسر ہیں جو کشمیر کی آزادی کی جنگ میں ذاتی طور پر شامل رہے تھے اور کسی نہ کسی حوالہ سے محاذ پر حکومت کی کوتاہیوں اور غلطیوں کا ذاتی تجربہ رکھتے تھے۔ ایک اور قابل غور پہلو یہ ہے کہ ان افسروں میں اکثریت ان کی ہے جو سیاسی حکومت کے سربراہ اور اس کے ساتھیوں سے صلاح مشورہ میں شامل رہے جو ان کی کمزوریوں' خامیوں اور ارادوں سے اچھی طرح واقف ہو چکے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جنہیں حکومت وقت نے اپنے بعض مقاصد کے حصول کے لئے اعتماد میں لیا تھا۔

سنیارٹی کے لحاظ سے محمد اکبر خان اس وقت پاکستانی فوج کے مسلمان افسروں میں اکیسویں بائیسویں نمبر پر تھے بلاشبہ ان کی جنگ عظیم دوئم میں کارکردگی بہت اچھی تھی وہ بہت اچھے منصوبہ ساز تھے لیکن اس کی کیا وجہ ہوئی کہ ان سے اوپر کے کسی افسر کو قابل اعتماد نہ سمجھا گیا۔ اسے بھی محض اتفاق نہیں کہا جا سکتا کہ جب میاں افتخار الدین سری نگر جا رہے تھے تو اکبر خان مری میں موجود تھے وہاں وہ کشمیر کی صورتحال کے علاوہ اس کے مستقبل کے بارے میں مسلح جدوجہد کا منصوبہ بنانے پر بھی متفق ہو جاتے ہیں اور اکبر خان ان کے آنے تک منصوبہ تیار کر رکھتا ہے۔ سردار شوکت حیات کے کمرہ میں اور پھر گورنر ہاؤس میں وزیراعظم کی صدارت میں ہونے والے اجلاسوں میں اسے ہی شریک کیا جاتا ہے اسے ہی فوجی مشیر مقرر کیا جاتا ہے۔ راہ چلتے کسی سیاستدان کی کسی فوجی افسر سے ملاقات ہو جائے تو اس اتفاق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ نہ تو اس سے اتنے اہم معاملات پر تبادلہ خیال کرنے بیٹھ جاتا ہے اور نہ ہی اتنا اہم آپریشنل پلان تیار کرنے کا حکم جاری کر دیتا ہے۔ نہ ہی ایسے اہم اجلاسوں میں شرکت کی دعوت جاری کر دیتا ہے یقیناً" اس سے پہلے بھی ان کے درمیان کوئی

رابطہ تھا اور لازماً" میاں افتخار الدین نے اکبر خان کی لیاقت علی خاں اور دیگر متعلقہ سیاستدانوں کا اعتماد حاصل کرنے میں مدد کی تھی۔

اکبر خان کہتے ہیں کہ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے انہوں نے غور و فکر تو کیا تھا لیکن یہ خالص حب وطن کے جذبہ کے تحت تھا کسی بیرونی طاقت کے اشارے پر نہیں۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کی رہائش گاہ پر 23 فروری 1951ء کی رات جو اجلاس ہوا تھا اس میں حکومت پر قبضہ کرنے کے اس پروگرام پر طویل بحث ہوئی تھی اور سب نے اس پر عمل نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ معاملہ یہیں ختم ہو گیا تھا۔

جنرل اکبر خان کی شہرت ایک لائق بہادر اور ہوشیار فوجی افسر کی رہی ہے ہم ان کی اس بات کی صداقت پر یقین بھی کرلیں تو بھی یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ جب بھی وہ کسی اہم مشن پر روانہ ہوتے تھے تو ان کی گاڑی میں میاں افتخار الدین کے اشاعتی ادارہ پر اگریسو پیپرز کے کسی اخبار کا رکن ہی کیوں ہوتا تھا۔ جب وہ سری نگر جاتے ہیں تو ان کے ساتھ علی اختر مرزا ہوتے ہیں جو پاکستان ٹائمز کے عملہ کے اہم رکن تھے اور کافی عرصہ تک لندن سے شائع ہونے والے برطانوی کمیونسٹ پارٹی کے ترجمان اخبار سے وابستہ رہے تھے۔ جب جی ایچ کیو کے حکم پر اکیس مئی 1948ء کو وہ مری سے محاذ جنگ کے لئے روانہ ہوتے ہیں تو ان کے ہمراہ دو سٹاف افسروں کے علاوہ تیسرے فیض احمد فیض ہوتے ہیں جو میاں افتخار الدین کے اخبار پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر ہیں۔ فیض احمد فیض کے کمیونسٹ پارٹی سے تعلقات کسی سے پوشیدہ نہیں تھے' وہ انہیں پوشیدہ رکھتے بھی نہیں تھے۔ میاں افتخار الدین کا یہ اشاعتی ادارہ پاکستان کمیونسٹ پارٹی کے ارکان اور کارکنوں کی عملی اور ذہنی تربیت کا ادارہ تھا۔ فیض احمد فیض دوسری جنگ عظیم کے دوران فوج کے تشہیری شعبہ میں کرنل رہ چکے تھے لیکن انہیں میدان جنگ کی رپورٹنگ کا کوئی عملی تجربہ نہیں تھا کسی اخبار کا ایڈیٹر بہت ہی کم خود اخبار کے لئے رپورٹنگ کرنے محاذ جنگ پر جاتا ہے۔ ان کے پاس اور اچھے اچھے رپورٹر تھے وہ انہیں بھیج سکتے تھے یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ جذبہ حب وطن سے مجبور ہو کر خود محاذ پر چلے گئے تھے تو اس سوال کا جواب نہیں ملتا کہ بھارت کے 1965ء اور 1971ء کے پاکستان پر حملوں کے دوران ان کے اس جذبہ کو کیا ہو گیا تھا۔ 1948ء میں تو وہ محاذ جنگ پر خود موجود ہوں اور 1965ء اور 1971ء میں دفاع وطن

کے لئے لڑنے اور جانوں کے نذرانے پیش کرنے والوں کے لئے ایک آدھ نغمہ بھی نہ لکھ سکیں؟ یہ بھی عجب اتفاق ہے کہ جب بھی اکبر خان نے محاذ کے لئے روانہ ہونا ہوتا تھا مری میں ان کے پاس لاہور کا ایک اخبار نویس میسر ہوتا تھا اور ایک ہی ہوتا تھا۔ اگر مقصد محاذ جنگ کی رپورٹنگ تھی تو اس کے لئے انہیں دیگر اخبارات کے رپورٹروں کو بھی کبھی تو ساتھ لے جانا چاہئے تھا۔ کشمیر کے جہاد کے دوران جس فوجی افسر کے کارناموں کی پاکستان کے اندر اور باہر سب سے زیادہ تشہیر ہوئی وہ جنرل طارق تھے۔ مافوق الفطرت اوصاف کے مالک۔ پاکستان خاص طور پر پنجاب اور سرحد میں بچہ بچہ ان پر قربان ہونے کو تیار تھا ان کی اس بے مثال کارکردگی کی بے مثال تشہیر کرنے میں سب سے زیادہ کام میاں افتخار الدین کے ادارہ سے شائع ہونے والے اخبارات نے کیا اور پھر ان کی پیروی میں دوسرے پریس کو بھی جنرل طارق کے کارناموں سے عوام کو آگاہ رکھنے کا کام کرنا پڑا۔ پریس میں جب ایک اخبار ایسی خبریں شائع کرتا ہے جو بہت ذوق شوق سے پڑھی جائیں تو دوسرے اخبارات کو بھی اپنی اشاعتی ضرورتوں کے تحت ان خبروں کو شامل اشاعت کرنا پڑتا ہے پھر وہ تو میدان جنگ میں ایک جارح اور طاقتور دشمن کے خلاف برسرپیکار ایک نہتے افسر کی کامیابیوں کی خبریں تھیں انہیں شائع کرتے ہوئے ہر ایڈیٹر اور نیوز ایڈیٹر فخر محسوس کرتا ہو گا۔ کیا یہ بھی اتفاق ہی تھا کہ 23 فروری 1951ء کو اکبر خان کی رہائش گاہ پر جو میٹنگ ہوئی اس میں بھی فیض احمد فیض اور مسٹر محمد حسین عطاء موجود تھے ایسے ایک آدھ حسن اتفاق کی بنیاد پر تو عدالت ایسے اتفاقیہ مہمانوں کو سزائیں نہیں دیا کرتی۔ مسٹر محمد حسین عطاء کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے رکن تھے۔ قیام پاکستان سے پہلے وہ کلکتہ میں پارٹی ڈیوٹی انجام دیا کرتے تھے قیام پاکستان کے بعد ان کی ڈیوٹی پاکستان میں لگائی گئی تو پاکستان آنے کے بعد کچھ عرصہ وہ اپنے آبائی صوبہ سرحد میں زیر زمین رہے لیکن کام کرنے کے لئے ان کا بالائے زمین آنا ضروری تھا اس مقصد کے لئے انہیں پاکستان ٹائمز کے دفتر میں بھیجا گیا تاکہ وہاں پر وہ لوگوں سے اور لوگ ان سے متعارف ہو سکیں۔ پنڈی سازش کے ملزمان کی گرفتاریاں شروع ہوئیں تو وہ مشرقی پاکستان بھاگ گئے وہاں سے کلکتہ جانے سے پہلے ہی گرفتار کر لئے گئے۔ محمد حسین عطاء کے بارے میں یہ جاننے کے بعد کہ وہ پاکستان کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے رکن تھے یہ سوال پیدا ہوا کہ کیا

کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی نے اس فوجی انقلاب کا حکم دیا تھا؟ جب میں نے اس بارے میں تحقیق شروع کی تو بعض کمیونسٹ دوستوں نے کافی کچھ بتا دیا۔ مثلاً" کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے دس ارکان تھے جن میں محمد حسین عطاء اور مسٹر افضل بھی شامل تھے۔ مسٹر افضل کافی عرصہ لندن میں بی بی سی میں کام کرتے رہے تھے اور پاکستان واپس آکر مزدوروں میں کام کر رہے تھے۔ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی میں جب فوج کے ساتھ مل کر حکومت کا تختہ الٹنے کی تجویز پر بحث ہوئی تو افضل نے کہا تھا کہ اگر دس بارہ آدمیوں کے قتل کا سوال ہے تو میرے پاس ایسے مزدور ہیں جو اتنے آدمیوں کو ختم کر دیں گے لیکن اگر فوج کے ساتھ مل کر انقلاب کا پروگرام ہے تو یہ موجودہ حالات میں پورا نہیں ہو سکتا اس کے لئے فوج کے علاوہ مزدوروں کسانوں اور طلبہ میں کام کرنا اور تنظیم بنانا ضروری ہے۔ ایسی تنظیموں کے بغیر اگر ہم فوج کے ساتھ مل کر حکومت پر قابض ہو بھی گئے تو فوج والے انقلاب کے بعد سب سے پہلے ہمیں ختم کریں گے۔ کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی میں اس مسئلے پر گرماگرم بحث ہوئی ووٹنگ کے وقت پانچ ارکان اس کے حق میں تھے اور پانچ خلاف اس لئے یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ فوج کے ساتھ مل کر انقلاب لایا جائے یا یہ کہہ دیا جائے کہ ہم آپ کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اس کے بعد متفقہ طور پر طے پایا کہ دو ارکان کو انقلاب کا پروگرام بنانے والے افسروں کے اجلاس میں مبصر کے طور پر بھیجا جائے اور ان کی رپورٹ کے بعد سنٹرل کمیٹی پھر اس مسئلے پر غور کرے گی چنانچہ 23 فروری کے اجلاس میں فیض احمد فیض اور محمد حسین عطاء کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے حکم پر شامل ہوئے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کمیونسٹ پارٹی کی فوج میں بھی ایک کمیٹی ہوتی ہے اگر اس کمیٹی کی طرف سے انقلاب کی دعوت ملے تو پارٹی کی سنٹرل کمیٹی اس پر بحث نہیں کیا کرتی عمل کیا کرتی ہے۔ تو کیا کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کو فوج میں اس کی کمیٹی کی طرف سے دعوت ملی تھی؟ میرے خیال میں ایسا نہیں تھا اگر ایسا ہوتا تو کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی اس پر عمل کرتی دوسرے فوج میں جو افسر حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگرام بنا رہے تھے ان میں بہت سے کمیونزم اور کمیونسٹوں کے خلاف تھے اور اسی

وجہ سے انہوں نے 23 فروری کی میٹنگ میں فیض احمد فیض اور محمد حسین عطاء کو پہچان کر اس منصوبہ میں تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بریگیڈئیر لطیف کے مطابق بریگیڈئیر حبیب اللہ خان نے جو بعد میں جنرل حبیب اللہ ہوئے محمد حسین عطاء کو پہچان لیا تھا اور کہا تھا کہ وہ کمیونسٹ انقلاب میں ساتھ نہیں دے سکتے متعدد دیگر افسروں نے بھی اسی وجہ سے تعاون سے انکار کر دیا تھا۔ سنٹرل کمیٹی نے اس منصوبہ کو بالکل مسترد نہیں کیا تھا کیونکہ اگر وہ فیصلہ کر چکی ہوتی تو فیض اور محمد حسین عطاء کے خلاف پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی کرتے ہوئے 23 فروری کی میٹنگ میں شرکت پر تادیبی کارروائی کی جاتی پارٹی نے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے اشارے پر ہی میاں افتخار الدین شروع سے فوج میں اثر و رسوخ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے بیگم شاہنواز کے داماد اکبر خان کا انتخاب کیا۔ ایک طرف انہیں ملک کے وزیراعظم اور دیگر رہنماؤں سے متعارف کرایا اور وزیراعظم کا مشیر تک مقرر کرایا اور دوسری طرف انہیں کشمیر کی آزادی کی تحریک کا ہیرو بنا کر پیش کیا تاکہ انقلاب کی کامیابی کی صورت میں سب لوگ جنرل طارق کو نہ صرف جانتے ہوں بلکہ ان کے کارناموں سے بھی واقف ہوں اور فوری طور پر ان کی بات اور خلوص پر یقین کر لیں۔ جنرل اکبر خان کہتے ہیں کہ 23 فروری 1951ء کے اجلاس میں یہ انقلابی منصوبہ ترک کر دیا گیا تھا۔ اگر ایسا تھا تو انہوں نے کاغذات' دستاویزات اور انقلاب کے بعد گورنر جنرل کے لئے تیار شدہ تقریر ضائع کیوں نہ کر دیں؟ یہ سب دستاویزات ان کے گھر سے پکڑی گئی تھیں۔

پنڈی سازش میں سزا پانے والے بریگیڈئیر ایم اے لطیف کا میں نے انٹرویو کیا تھا۔ ماڈل ٹاؤن لاہور میں ان کے گھر پر ہونے والی بات چیت میں انہوں نے بتایا تھا کہ 23 فروری کی میٹنگ کے دوران بریگیڈئیر حبیب اللہ وغیرہ نے اکبر خان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ انہیں محمد حسین عطاء اور فیض احمد فیض کو میٹنگ میں دیکھ کر انہیں اس کے پیچھے کمیونسٹوں کا ہاتھ ہونے کا یقین آگیا تھا اس کے باوجود اکبر خان

نے یہ منصوبہ ترک نہیں کیا تھا۔ بریگیڈیئر لطیف تبدیل ہو کر کوئٹہ کے بریگیڈ کمانڈر مقرر ہو گئے تھے انہوں نے بتایا کہ اکبر خان کراچی سے ہوتے ہوئے کوئٹہ ان کے پاس گئے تھے اور انہیں کوئٹہ کے آپریشن کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ بقول بریگیڈیئر لطیف ان کا سینئر فوجی افسروں کی گرفتاری کا بھی پروگرام تھا اور انہوں نے (لطیف خاں نے) اس انقلاب میں حصہ لینے سے معذوری ظاہر کر دی تھی لیکن چونکہ وہ شروع سے سازشی گروپ کی میٹنگوں میں شریک رہے تھے اور آخری مراحل میں اکبر خان خود خصوصی پرواز سے ان کے پاس کوئٹہ گئے تھے اس لئے انہیں بھی سزا بھگتنا پڑی تھی۔ بریگیڈیئر لطیف کے مطابق اکبر خان کی بیوی نسیم اس انقلاب میں بہت سرگرم تھیں لیکن جب پولیس نے انہیں گرفتار کر کے تفتیش شروع کی تو انہوں نے ساری تفصیل خود ہی بتا دی تھی۔ انہوں نے بیگم نسیم اکبر کے تسلیم و رضا کے بارے میں ایک پنجابی محاورہ استعمال کیا جو یہاں لکھا نہیں جا سکتا لیکن یہ سازش پکڑی کیسے گئی؟ انہوں نے بتایا کہ اکبر خان نے سرحد کے ایک اعلیٰ پولیس افسر کو جو اس سازش میں شامل تھا ٹیلیفون کیا۔ کیانی دفتر میں موجود نہیں تھا اس کے ڈیوٹی افسر کو اکبر خان نے جو کوڈ میں پیغام دیا (پشتو میں) وہ ڈیوٹی افسر نے کیانی تک پہنچا دیا۔ کیانی کو شبہ ہوا کہ کہیں ڈیوٹی افسر اس کا مطلب نہ سمجھ گیا ہو اور وہ اعلیٰ پولیس حکام کو نہ بتا دے اس خوف سے اس نے خود ہی صوبہ سرحد کے گورنر کو سب کچھ بتا دیا اور اس کا کریڈٹ خود لے لیا۔ فیلڈ مارشل ایوب خاں نے اپنی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ جب وزیراعظم خان لیاقت علی نے انہیں اور سکندر مرزا کو سرگودھا بلایا تھا اور بتایا تھا کہ فوج میں ایک گروپ ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کا پروگرام بنا رہا ہے تو انہیں اس کا یقین نہیں آیا تھا۔ وزیراعظم نے ایوب خان اور اسکندر مرزا کو گورنر سرحد آئی آئی چندریگر کی ارسال کردہ رپورٹ دکھائی تھی جس میں انہوں نے اس سازش کی تفصیل درج کی تھی۔ وہ لکھتے ہیں "میں اور اسکندر اس رپورٹ کے بارے میں گورنر سرحد اور اس پولیس افسر سے بات کرنے جس نے اس سازش کے بارے میں گورنر کو رپورٹ دی تھی بذات خود پشاور گئے۔ گورنر سے ملاقات کے بعد میں نے

پولیس افسر کیانی سے بات کی۔ کیانی اپنے مخبر کو بے نقاب نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن آخر ہم اس تک بھی پہنچ گئے۔ میں کیانی سے پوچھ گچھ کرتا رہا اور اسکندر مرزا نے مخبر سے پوچھ گچھ کی۔ جلد ہی معلوم ہو گیا کہ ایسی بغاوت کا ایک منصوبہ بنایا گیا ہے۔ اس سازش کے تیار کرنے والوں میں ایک برگیڈیئر صدیق خان بھی تھے۔ جو ایک زمانہ میں میری یونٹ میں رہ چکے تھے وہ اس وقت بنوں میں برگیڈ کمانڈر تھے۔ وہ ایک غیر مستقل مزاج اور جذباتی آدمی تھا میں نے ہوائی جہاز بھیج کر اسے بلوایا اور کہا "صدیق مجھے سچ سچ بتا دو ورنہ میں تمہیں الٹا لٹکا دوں گا" صدیق نے اس بارے میں مکمل لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا رپورٹ میں کچھ سچائی نہیں۔ ہم نے اسے واپس بنوں بھیج دیا واپس جا کر اس نے تھل میں کرنل ارباب کو ٹیلیفون کیا اور کہا کہ راز فاش ہو گیا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ کرنل ارباب بھی اس سازش میں شریک تھے اس سے میرے شبہات کو تقویت ملی کہ گورنمنٹ کا تختہ الٹنے کی ایک بڑی سازش تیار کی گئی تھی۔" یہ کرنل ارباب جنرل ضیاالحق کی حکومت میں وفاقی وزیر ثقافت بننے والے نیاز محمد ارباب تھے جن کے چھوٹے بھائی ارباب محمد جہانگیر 29 مئی 1988ء تک صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے۔ برگیڈیئر لطیف نے جو کچھ بتایا تھا ایوب خاں کی سوانح عمری اس کی تصدیق کرتی ہے۔

برگیڈیئر (ریٹائرڈ) رب نواز نے ایک دفعہ مجھے بتایا تھا کہ اکبر خان اور ان کی بیگم نے انہیں بھی اس سازش میں شامل کرنے کی کوشش کی تھی بیگم نسیم اکبر خان نے کہا تھا کہ لیاقت علی خان کی بیگم ہندو ہے اور لیاقت علی خان نے اپنے ارد گرد سب ہندوستانی اکٹھے کر رکھے ہیں پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا کہ نسیم اکبر خاتون اول بننے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ بقول ان کے سازش کی کامیابی کی صورت میں جنرل نذیر کو بری افواج کا اور ایئر کموڈور جنجوعہ کو پاک فضائیہ کا سربراہ بننا تھا۔ پہلی دفعہ وزیراعظم خان لیاقت علی کو اٹک میں گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا جہاں وہ ایک جلسہ سے خطاب کرنے والے تھے لیکن بیماری کی وجہ سے وہ وہاں آ نہیں سکے تھے۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سازش اتفاقیہ طور پر پکڑی گئی۔ نہ ملٹری

انٹیلی جنس اس کا پتہ لگا سکی تھی اور نہ ہی سول انٹیلی جنس کا کوئی ادارہ۔ اس سے اکبر خان کی اس بات کی بھی تائید نہیں ہوتی کہ یہ ایک Loud Thinking تھی اور سب کو اس کا علم تھا۔ کراچی سے پشاور، بنوں، تھل، کوئٹہ، لاہور اور راولپنڈی تک پھیلے فضائیہ اور بری فوج کے اعلیٰ افسر اور کمیونسٹ پارٹی کے ارکان اگر اتنی Loud Thinking کرتے تو کسی جگہ تو کسی انٹیلی جنس ادارہ کو اس کا علم ہو جانا چاہئے تھا یہ ایک اعلیٰ سطح کا نہایت اعلیٰ طریقہ سے تیار کردہ منصوبہ تھا۔ اکبر خان نے لیاقت علی خاں کی حکومت کی کشمیر کے بارے میں پالیسی پر برہمی کے علاوہ اس کی دیگر پالیسیوں پر اپنے عدم اطمینان کی بھی بات کی ہے اور کہا ہے کہ امریکہ کو روس اور چین کے گرد ہوائی اڈوں کا حصار مکمل کرنے کے لئے پاکستان اور بھارت میں سے کسی ایک کی ضرورت تھی۔ بھارت نے اس سے انکار کر دیا تھا اور پاکستان اس کی یہ ضرورت پوری کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ اگر واقعی ایسا تھا تو پھر اس سازش کے پیچھے اس بیرونی قوت کے ہاتھ کی موجودگی کا شبہ اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے جو چاہتی تھی کہ روس اور چین کے گرد یہ گھیرا مکمل نہ ہو۔

افغانستان میں داؤد کی حکومت کا تختہ اُلٹنے اور کمیونسٹ پارٹی کے ایک جریدہ کے ایڈیٹر نور محمد ترکئی کو سربراہ مملکت بنانے کے انداز کا جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا کچھ زیادہ نامناسب نہیں کہ 1951ء میں پاکستان میں انقلاب کا جو منصوبہ بنایا گیا تھا وہ بھی انہی لائنوں پر تھا اس کی کامیابی کی صورت میں فیض احمد فیض پاکستان کے نور محمد ترکئی ہوتے اور جنرل اکبر خان، جنرل عبدالقادر ڈگروال بنتے۔ کیا یہ بھی عجیب اتفاق نہیں کہ داؤد کی حکومت کا تختہ الٹنے کا کامیاب پلان بھی ایسا ہی ہے جیسا لیاقت علی خان کی حکومت کا تختہ اُلٹنے کا اکبر خان کا پلان تھا۔ اکبر خان نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا کہ ان کا کسی کو مارنے کا منصوبہ نہیں تھا اگر ایسا تھا تو پاکستان کمیونسٹ پارٹی کا سنٹرل کمیٹی میں مسٹر افضل کو یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی کہ اگر دس بارہ آدمی ہی مارنا ہیں تو میرے پاس ایسے مزدور ہیں جو اتنے آدمی مار سکتے ہیں۔

راولپنڈی سازش کے پاکستان کی سیاست اور حکمرانوں کی نفسیات پر جو گہرے

اثرات مرتب ہوئے ان کا جائزہ آئندہ ابواب میں لیا جائے گا لیکن اس کا فوج پر جو فوری اثر پڑا وہ یہ تھا کہ ضلع جہلم سے تعلق رکھنے والے فوجی افسروں کو جنرل کے عہدہ پر ترقی دینے کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اسی فیصلہ کے بعد برگیڈئیر رب نواز اور برگیڈئیر گلزار احمد کو جنرل کے عہدہ پر ترقی نہیں دی گئی تھی یہ پابندی بہت دیر بعد اٹھائی گئی اور جہلم سے تعلق رکھنے والے افسروں کو جنرل تک ترقی ملنے لگی۔

5

قوم کے مجرم

وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے پنڈی سازش کے بڑے ملزموں کی گرفتاری کے بعد قوم کے نام 9 مارچ 1951ء کو جو بیان جاری فرمایا اس میں انہوں نے کہا تھا "ابھی ذرا دیر پہلے پاکستان کے دشمنوں کی ایک سازش پکڑی گئی ہے اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ تشدد کے ذریعے ملک میں انتشار اور افراتفری پھیلائی جائے اور اس مقصد کے حصول کی خاطر افواج پاکستان کی وفاداری کو بھی ملیامیٹ کر دیا جائے۔ حکومت کو ناپاک ارادوں کا بروقت علم ہو گیا' چنانچہ اس سازش کے سرغنوں کی گرفتاری آج ہی عمل میں آئی ہے یہ ہیں افواج کے چیف آف جنرل سٹاف میجر جنرل اکبر خان' بریگیڈ کمانڈر متعین کوئٹہ بریگیڈیئر ایم اے لطیف' پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر فیض احمد فیض اور میجر جنرل اکبر خاں کی بیگم مسز اکبر خان۔ سازش میں ملوث دونوں فوجی حکام کو ملازمت سے فوری طور پر برخاست کر دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے کہ سازش کی جڑیں مستحکم ہوتیں' یہ ہم سب کی خوش نصیبی ہے کہ ہمیں اس کا علم ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ اس کے بارے میں سن کر جس طرح مجھے ازحد صدمہ ہوا ہے اسی طرح عوام کو بھی شدید رنج ہو گا۔

عوام معاملے کی اس نزاکت کو پوری طرح محسوس کریں گے کہ قومی سلامتی کے اسباب کی بنا پر میرے لئے اس سازش میں ملوث لوگوں کے بارے میں تفصیلات کا سرعام اعلان کرنا ممکن نہیں' میرے لئے محض اس قدر بتا دینا کافی ہو گا کہ یہ لوگ اگر کامیاب ہو جاتے تو ان کی

کارستانی کی ضرب براہ راست ہمارے قومی وجود کی بنیادوں پر پڑتی اور پاکستان کا استحکام معرض خطر میں ہوتا۔

اس سازش کی ناکامی' ان لوگوں کی مستعدی کے لئے خراج تحسین کا درجہ رکھتی ہے جو افواج پاکستان کے وقار کے تحفظ کے ذمہ دار ہیں' لیکن ان سب سے سوا' یہ بجائے خود مسلح افواج کی استقامت اور غیر متزلزل وفاداری کے لئے ایک خراج عقیدت ہے جس کے ارکان ' چند مفسدوں کی غداری اور ریشہ دوانی سے بالکل متاثر نہیں ہوئے اور اس طرح انہوں نے دشمنان پاکستان کے مفسدانہ عزائم کو سرے سے ناکام بنا دیا اس کے لئے ہم سب کو خدائے قادر و مطلق کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

افواج پاکستان کے دو اعلیٰ عہدیداروں کے خلاف سنگین کارروائی کرتے ہوئے مجھے جتنا شدید صدمہ پہنچا ہے اسے میں چھپانا نہیں چاہتا۔ لیکن موجودہ صورتحال میں چونکہ پاکستان کی سلامتی اور دفاع کو شدید خطرے میں ڈال دیا گیا تھا لہٰذا میں نے یہ محسوس کیا کہ پاکستان کے وزیراعظم اور وزیر دفاع ہونے کی بنا پر ہر دو حیثیتوں سے میرے فرائض صاف عیاں ہیں۔ مجھے اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ اس ناخوشگوار تاہم ایک ناگزیر فریضے سے عہدہ برآ ہوتے ہوئے مجھے پوری قوم اور بالخصوص پاکستان کی دفاعی افواج کا مکمل تعاون حاصل ہے۔

مجھے وزیر دفاع کی حیثیت سے یہ افتخار و اعزاز حاصل ہے کہ تین سال سے کچھ زائد عرصے سے اس منصب کی ذمہ داری پوری کر رہا ہوں۔ اس مدت میں دفاعی افواج کے ہر رینک کے ساتھ میرا ذاتی رابطہ' "مستقلاً" قائم رہا ہے مجھے افراد کی کسی دوسری جمعیت کا علم نہیں جس کے یہاں افواج پاکستان سے زیادہ ضبط و نظم کا احساس موجود ہو' جو انتہائی وفاداری کے ساتھ پاکستان کی خدمت کا قوی تر عزم رکھتی ہو اور جس کے یہاں بوقت ضرورت اپنا خون بہا کر ملک کے مفادات کے تحفظ کا اس قدر بے پایاں جذبہ کارفرما ہو۔ ہماری مسلح افواج نے اپنے حالیہ اور گزشتہ طرز عمل سے بھی یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ پاکستان کے دشمنوں کی جانب سے کی جانے والی کوئی بھی شرانگیزی اور کسی طرح کا مفسدانہ دباؤ انہیں ملک کے ساتھ غیر متزلزل وفاداری کے راستے سے ایک انچ بھی نہیں سرکا سکتا۔ جو لوگ اس سازش میں ملوث پائے گئے ہیں' جس کا مقصد ملک کی سلامتی کو معرض خطر میں ڈالنا اور پاکستان کی مسلح

افواج کے باوقار نام کو بٹہ لگانا تھا' ان لوگوں کے خلاف افواج کے غم و غصہ کی شدت کا مجھے اندازہ ہے تاہم اس موقع پر میں افواج پاکستان کو مبارکباد دوں گا کہ پاکستان کے لئے ان کی محبت کتنی والہانہ اور شک و شبہ سے بالاتر ہے اور تمام شرپسندانہ عوامل کا مقابلہ انہوں نے کس بے جگری کے ساتھ کیا ہے یہی تو وہ صفات تھیں جن کی بنا پر سازش کے منصوبوں کو اس عدیم المثال کامیابی کے ساتھ ناکام بنا دیا گیا ہے پوری قوم مسلح افواج کے زبردست احسان کی شکر گزار ہے اور مجھے یقین ہے کہ پاکستان کے عوام، افواج پاکستان کے لئے مخلصانہ خراج تحسین میں جس کی وہ بجا طور پر مستحق ہیں' میرے ہم نواہوں گے کہ ان افواج نے اپنی سپہ گری کی اعلیٰ ترین روایت کو کس خوش اسلوبی سے برقرار رکھا ہے۔"

پاکستان کے پہلے وزیر اعظم اور بابائے قوم کے معتمد لیاقت علی خاں کے اس بیان سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بقول خود "پوری قوم اور بالخصوص پاکستان کی دفاعی افواج کا مکمل تعاون حاصل ہونے' دفاعی افواج کے ہر رینک کے ساتھ مستقلا" ذاتی رابطہ رکھنے کے باوجود وہ اندر سے خوفزدہ ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان کے عوام بھی پاکستان کی مسلح افواج کے لئے مخلصانہ خراج تحسین میں ان کے ہم نواہوں گے"۔

مسلح افواج کے ہر رینک کے ساتھ ان کا ذاتی رابطہ ہوتا اور فوج کا انہیں اعتماد حاصل ہوتا تو ایسی سازش کا منصوبہ کیوں اور کیسے بنتا؟ پوری قوم کا انہیں تعاون حاصل ہوتا تو انہیں اس انداز میں دفاعی افواج کو خراج تحسین پیش کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ فوج نے کشمیر فتح نہیں کر لیا تھا کہ وہ قوم کو بھی اس کا شکر گزار ہونے کا مشورہ دیتے۔ فوج تو اس سازش کا پتا تک نہ لگا سکی تھی اس سازش کی وجوہ قوم اور فوج میں لیاقت علی کی پالیسیوں پر عدم اطمینان میں پیوست تھیں لیکن انہوں نے اپنی اور اپنی حکومت کی ان پالیسیوں کا جائزہ لے کر یہ شکایات دور کرنے کی بجائے پاکستان کی دفاعی افواج کے تعاون کے حصول کی پالیسی اختیار کی اگرچہ یہ سازش کسی طرح بھی پاکستان کی مسلح افواج کی طرف سے نہیں تھی فوج میں ان کے اپنے خفیہ اور خصوصی مشیر کی طرف سے تھی۔

لیاقت علی خاں ایک دیانت دار اور مخلص وزیر اعظم تھے ان کے دفاع میں بہت سے دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ پاکستان کو اپنے قیام کے ساتھ ہی بے پناہ مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

ہزاروں لاکھوں مہاجرین کی بحالی' ریاستی ڈھانچہ کا قیام' دفاعی افواج کو مسلح کرنا بہت بڑے بڑے مسائل تھے لیکن دوسری طرف انہیں قوم کے اکثر حصہ کا جس قدر تعاون حاصل تھا اور بابائے قوم کی ذاتی رہنمائی حاصل تھی جو پھر کبھی کسی وزیراعظم کو حاصل نہ ہو سکی اگر وہ جرات فکر و عمل سے کام لیتے تو آئین بنانا اور کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کو کامیاب بنانا ہر گزنا ممکن نہیں تھا۔ فوج اور عوام کے اس "تعاون" کے باوجود خان لیاقت علی خاں کو چند ہی ماہ بعد اسی راولپنڈی کے کھلے جلسہ عام میں جہاں ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش تیار کی گئی تھی گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ 9 مارچ 1951ء کو انہوں نے قوم کو پنڈی سازش پکڑی جانے پر مبارکباد دی اور 16 اکتوبر 1951ء کو قوم نے ان کی شہادت کی افسوسناک خبر سنی۔ پاکستان کی تاریخ کے ان دو اہم ترین واقعات کے درمیان صرف سات ماہ سات روز کا فاصلہ ہے۔ جنرل ضیاء الحق کی شہادت اور ان کے اسمبلیاں برخاست کرنے کے اقدام کے درمیان اس سے بھی کم فاصلہ ہے دو ماہ اور انیس دن کا اس کے باوجود کہ جنرل محمد ضیاء الحق کو بھی خان لیاقت علی خاں کی مانند ملک کے عوام اور مسلح افواج کے مکمل تعاون کا دعویٰ تھا خان لیاقت علی خاں کی شہادت کی وجوہ کبھی کسی نے نہیں بتائیں جنرل ضیاء الحق کی شہادت کی وجوہ بھی کبھی کسی کو معلوم نہ ہو سکیں گی۔ اپنی زندگی اور اقتدار کے عروج کے دنوں میں اگر وہ خان لیاقت علی خاں کی شہادت کے مجرموں کے ناموں سے قوم کو آگاہ کرنے کا مشورہ مان لیتے قوم کے مجرموں کو بے نقاب کرنے کی روایت ڈال جاتے تو شاید آگے چل کر کوئی ان کی اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے ذمہ دار افراد کو بھی بے نقاب کر دیتا۔ انہوں نے صرف یہ کہہ کر یہ مشورہ مسترد کر دیا تھا کہ "اب اس کا کیا فائدہ ان میں سے تو کوئی بھی اب اس دنیا میں موجود نہیں" یہ مجرم کون تھے؟ اس کا ایوب خاں کو بھی علم تھا یحییٰ خان کو بھی علم تھا ذوالفقار علی بھٹو کو بھی علم تھا اور جنرل محمد ضیاء الحق کو بھی علم تھا۔ میں ان کے ناموں سے آگاہی کا دعویٰ اس لئے نہیں کر سکتا کہ میں سربراہ مملکت نہیں مجھے اپنے دعویٰ کے ثبوت کے لئے ان دستاویزات تک رسائی کا حق حاصل نہیں جو کسی عدالت میں پیش کر کے میں اپنا دامن بچا سکوں اور مجرموں کا جرم ثابت کر سکوں۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سے ایک کا تعلق مسلح افواج سے تھا باقی کا تعلق پاکستان کے تین صوبوں سے تھا۔ مجھے یہ تفصیل جس کسی

نے بتائی اسی نے جنرل ضیاء الحق کو لیاقت علی خاں کے قتل کی تحقیقاتی رپورٹ شائع کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ خان لیاقت علی خاں سے جنرل محمد ضیاء الحق تک ہمارے سب حکمرانوں کا ایک اہم مسئلہ مسلح افواج کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش رہا ہے کیونکہ انہیں عوام کا مکمل تعاون حاصل نہیں تھا۔ ان کی حکومتوں کی بنیادیں کمزور تھیں اور جس حکمران کی حکومت کی بنیادیں کمزور ہوں وہ اندر سے کمزور ہوتا ہے ہمیشہ خوفزدہ رہتا ہے۔ ایسے کسی حکمران سے جرات فکر و عمل کی امید نہیں کی جا سکتی۔ خان لیاقت علی خاں کی شہادت کے پورے تین سال بعد اکتوبر 54ء میں محمد علی بوگرہ کو دوسری دفعہ وزارت بناتے وقت مسلح افواج کے تعاون سے بھی آگے بڑھ کر افواج کے کمانڈر انچیف کا عملی تعاون حاصل کرنا پڑا۔ ان کی وزارت میں پاکستان کی مسلح افواج کے کمانڈر انچیف جنرل محمد ایوب خاں اور جنرل اسکندر مرزا دو جنرل شامل تھے کیونکہ یہ سب سے کمزور اور غیر نمائندہ وزارت تھی۔ گورنر جنرل غلام محمد 14 اکتوبر 1954ء کو آئین ساز اسمبلی ہی برخاست کر چکے تھے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری ایسی وزارت ظاہر ہے فوج کے عملی تعاون کے بغیر نہیں چل سکتی تھی درمیان کے تین سال کے عرصہ میں بھی حکمران فوج کا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہے تھے۔ گورنر جنرل غلام محمد کی طرف سے سیاستدانوں کی چھٹی کرا کر اقتدار پر قبضہ کرنے کی پیشکش کا ذکر جنرل ایوب خاں خود اپنی سوانح حیات میں کر چکے ہیں اس سے بھی پہلے بقول ان کے سر سلطان محمد آغا خاں نے بھی انہیں اسی قسم کا مشورہ دیا تھا مگر انہوں نے خود ہی ملک کے سیاسی نظام میں دخل نہ دینے کا فیصلہ کیا تھا مگر ایوب خاں کے وزارت میں آنے سے پہلے بھی خود ساختہ جنرل اسکندر مرزا حکومتیں بنوانے اور بدلوانے میں اہم رول ادا کرتے رہے تھے اگرچہ وہ ملک کی مسلح افواج کے باقاعدہ نمائندہ نہیں تھے لیکن فوج سے ان کے تعلقات ان کے عہدہ کے حوالے سے کسی بھی جنرل سے زیادہ مضبوط تھے انہی تعلقات کی وجہ سے انہیں نہ صرف حکومت میں بلکہ امریکی سفارتخانہ میں بھی نہایت عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہی عزت اور احترام انہیں گورنر جنرل اور پھر ملک کے پہلے صدر کے اعلیٰ ترین منصب تک لے گئے تھے۔

اگر غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو جنرل محمد ایوب خاں وزارت میں آئے نہیں لائے گئے تھے اگر حکومت نمائندہ اور مضبوط ہوتی تو اسے اس کی ضرورت پیش نہ آتی۔ یہ حکومت

بنانے اور چلانے والوں کی ضرورت تھی۔ وزارت میں آنے کے بعد ایوب خاں سیاسی لباس میں چھپے بیورو کریٹس کی چالوں اور کمزوریوں سے مزید اچھی طرح آگاہ ہو گئے۔ فوجی بھی انسان ہوتے ہیں سوچنے سمجھنے والے نفع اور نقصان پر غور کرنے والے۔ اگر وہ محب وطن نہ ہوں تو ان سے یہ توقع فضول ہے کہ وہ ملک کی سرحدوں کا دفاع کریں گے اس کے لئے جان تک کی قربانی پیش کردیں گے۔ آپ فوج اور اس کے کمانڈر انچیف کے اس جذبہ اور خلوص پر توشبہ نہیں کرتے لیکن اگر وہ حکومت اور اقتدار پر قابض افراد کی ملک کے لئے نقصان دہ پالیسیوں پر React کرتا ہے تو آپ اس کے تمام خلوص پر شبہ کرنا شروع کردیتے ہیں اس پر اقتدار کی ہوس میں مبتلا ہونے کا الزام لگاتے ہیں لیکن سیاستدان کیا اقتدار کی ہوس میں مبتلا نہیں ہوتے؟ وہ کس ہوس میں سازشیں' جوڑ توڑ' دھاندلیاں اور بے اصولیاں کرتے ہیں؟ کیا ان کی ان سازشوں سے ملک ترقی کرتا ہے یہ دوہرا معیار منافقت ہے یہ منافقت ہماری قومی سیاست میں بہت پہلے شروع ہو گئی تھی جو غیر نمائندہ ہوس پرست سازشی قابضین اقتدار فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کے تعاون سے اقتدار پر قابض رہنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ایک طرف ملکی دفاع کو کمزور کرتے ہیں تو دوسری طرف ملک میں صحت مند سیاست اور سیاسی اداروں کے فروغ اور استحکام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں یہی خرابیاں فوجی سربراہ کے خود اقتدار پر قبضہ کر لینے سے پیدا ہوتی ہے ایوب خاں نے جو ملک کی مسلح افواج کا کمانڈر انچیف بھی تھا اور ملکی سرحدوں کو درپیش خطرات کی نوعیت سے ان حکمرانوں سے زیادہ باخبر تھا جو اسے اپنے اقتدار کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے جب ان کے ارادوں اور سازشوں کو ان کے اندر رہ کر دیکھا ہو گا تو لازما" سوچا ہو گا کہ ایسی سیاسی لاشوں کو اقتدار پر قابض رکھنے کی بجائے میں خود ہی سب کام کیوں نہ کروں۔

قیام پاکستان کے بعد اگر فوج کے ذریعے سیاست پر قابض رہنے یا قبضہ کرنے اور اس طرح فوج کو ملکی سیاست میں لانے کے قومی مجرموں کی تلاش کی جائے تو اس میں پہلے نمبر پر پاکستان کیمونسٹ پارٹی' میاں افتخار الدین اور فیض احمد فیض آتے ہیں۔ بائیں بازو کے جمہوریت نوازی کے نعروں کے پردے کے پیچھے غیر جمہوری طریقوں سے آمریت کے قیام کے خواب دیکھنے والے اس کے سب سے زیادہ ذمہ دار ہیں۔ لیاقت علی اور ان کے ساتھیوں پر

بھی اس کا الزام آسکتا ہے لیکن ان کی مجبوریوں کو سامنے رکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے ان لوگوں کے جذبہ حب وطن اور ایثار و قربانی پر اعتماد کی غلطی کی تھی لیکن کمیونسٹوں نے اس قومی مجبوری کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کا ذریعہ بنانے کی کوشش کی اور ان کی اس ناکام کوشش کے وہ دور رس اثرات مرتب ہوئے جو ابھی تک باقی ہیں۔ غلام محمد نے فوج کو وزارت تک پہنچایا تو اسکندر مرزا نے صدارت تک رہنمائی کی۔ ایوب خاں کے دور میں جمہوریت اور سیاست کے چیمپئن کہلانے والے سول بیورو کریٹ چوہدری محمد علی' غلام محمد اور اسکندر مرزا کے قابل اعتماد مشیر اور اندر سے ڈوریاں ہلانے والے تھے ان کے تعاون سے غلام محمد گورنر جنرل بنے انہی کی کوششوں سے اسکندر مرزا جو باقاعدہ جنرل اسکندر مرزا کہلاتے تھے اس منصب تک پہنچے وہ ان جرنیلوں کے ساتھ وزارت میں بھی رہے اور اس وقت تک امور مملکت میں فوج کی شمولیت پر کوئی اعتراض نہیں کیا جب تک جنرل اسکندر مرزا نے انہیں اقتدار سے نکال باہر نہیں کیا۔ افسر شاہی کی ڈوریاں ہلانے اور سیاستدانوں کو اقتدار سے باہر رکھنے کی کامیاب کوشش کرنے والوں میں وہ بھی اہم ترین چالباز تھے۔ لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد مسلم لیگ کے اہم ارکان تقریباً" اس بات پر متفق تھے کہ سردار عبدالرب نشتر ملک کے وزیراعظم ہوں گے مگر جس اجلاس میں ایک معذور اور مریض شخص کو گورنر جنرل اور گورنر جنرل کو وزیراعظم بنا دیا گیا اس میں انہی بیورو کریٹس نے سردار عبدالرب نشتر کو کمرہ اجلاس میں داخل تک نہیں ہونے دیا۔ میں نے چوہدری محمد حسین چٹھہ سے ایک دفعہ پوچھا تھا کہ وزیراعظم کی شہادت اور نئے وزیراعظم کا انتخاب پنجاب میں ہوا اور نہ دولتانہ اس اجلاس میں شریک ہوئے نہ آپ؟ انہوں نے بتایا کہ چوہدری محمد علی نے ان سے کہا تھا کہ حالات نازک ہیں آپ لاہور نہ چھوڑیں وزیراعظم وہی بنے گا جسے آپ چاہتے ہیں۔ میں نے پوچھا "آپ کسے چاہتے تھے؟" "سردار عبدالرب نشتر کو اور کسے؟ میں نے اور دولتانہ نے چوہدری محمد علی کو بتا دیا تھا اور اس نے ہمیں یقین دلایا تھا کہ ایسا ہی ہو گا" چوہدری صاحب نے جواب دیا تھا لیاقت علی خاں کی شہادت کے بعد اگر سردار عبدالرب نشتر وزیراعظم بنتے تو شاید انہیں کسی جنرل اور فوج کے تعاون کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔

بعض لوگ غلام محمد کی دیانت اور مالی لیاقت کا ذکر کرتے ہیں تو میں ان سے صرف ایک بات پوچھتا ہوں کہ اس نے ملک اور قوم کو دیا کیا؟ آمریت اور جنرل ایوب خاں؟ ملک میں جمہوریت اور جمہوری اداروں کی جڑیں کاٹ کر آمریت اور جنرل ایوب خاں کا پودا لگایا گیا جس کی جمہوریت کے دعویدار پرورش کرتے رہے۔ کسی حکمران کو جانچنے کا معیار یہ ہے کہ اس نے اپنے اقتدار میں قوم اور ملک کو کیا دیا اور جب وہ اقتدار سے علیحدہ ہوا تو قوم کو کس مقام پر چھوڑ گیا۔ قوموں کے نفع نقصان کا پیمانہ ذاتی مصلحتوں اور مفادات کے پیمانہ سے الگ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں لوگ اپنے مفادات کے پیمانہ سے ہی قوم کے نفع نقصان کو تولتے رہتے ہیں سیاست اور صحافت میں اسی رجحان کی وجہ سے ہر طرف تولنے والے ہی نظر آتے ہیں۔

6

ایوب خاں کی ملک دشمنی

بابائے مارشل لاء جنرل محمد ایوب خان سیاستدانوں کو بددیانت 'نااہل اور بے کار سمجھتے تھے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے 29 مئی 1988ء کو اسمبلیاں برخاست کرنے کے بعد قوم سے خطاب میں جونیجو اور ان کے ساتھیوں کے خلاف جو فرد جرم عائد کی تھی اس کو غور سے دیکھا جائے تو اس سے بھی سیاستدانوں کی یہی تصویر بنتی ہے۔ جنرل محمد ایوب اور جنرل محمد ضیاء الحق دونوں قومی سطح کے حادثات کی پیداوار تھے اگر پاکستان کی متوقع کمانڈر انچیف جنرل افتخار خاں دسمبر 1949ء میں ہوائی حادثہ میں ہلاک نہ ہوتے تو ایوب خاں پاکستان کے کمانڈر انچیف نہ بنتے یا کم از کم اس کڑی آزمائش کے وقت وہ اس مقام پر نہ ہوتے جہاں سے وہ اور اس وقت کے حکمران ایک دوسرے کے سامنے بے نقاب ہوئے بعض اہل فکر کا خیال ہے کہ فوج سب سے پہلے 1953ء میں اس وقت سیاست اور اختیار سے آشنا ہوئی جب لاہور میں مارشل لاء لگایا گیا لیکن جیسا کہ ہم پنڈی سازش کے سلسلہ میں دیکھ چکے ہیں سیاست اور اختیار سے فوجیوں کی واقفیت کافی پہلے ہو چکی تھی۔ کمانڈر انچیف کے وزیر دفاع اور جنرل اسکندر مرزا کے وزیر داخلہ بننے سے وہ سیاست اور اقتدار کے اندر اور باہر دونوں سے اچھی طرح آگاہ ہو گئے۔ دو جنرل کلی اقتدار کی منزل کی طرف ایک دوسرے کا سہارا لے کر بڑھنے لگے۔ چوہدری محمد علی کی وجہ سے ان ہی کے بنوائے 1956ء کے آئین کے نفاذ کے بعد اسکندر مرزا ملک کے صدر بنے 'گورنر جنرل سے صدارت تک کی ترقی کے مراحل میں انہوں نے مزید بہت کچھ سیکھ لیا تھا اسی تجربہ اور مشاہدہ کی بدولت انہوں نے وزرائے اعظم کو اس تیزی سے بھگتانا شروع کر دیا کہ اگر وہ چند ماہ مزید یہ جنگی مشقیں جاری رکھتے تو ملک میں کوئی قابل ذکر

سیاستدان نہ رہ جاتا جو پاکستان کا سابق وزیراعظم نہ ہو چکا ہوتا۔ اس بات پر اختلاف ہو سکتا ہے کہ اسکندر مرزا نے ایوب خاں کو مارشل لاء لگانے پر آمادہ کیا تھا یا ایوب خاں نے اسکندر مرزا کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا تھا حقیقت جو بھی ہو اسمبلیاں اور آئین کالعدم قرار دیئے گئے تو دونوں اس جرم کے ارتکاب میں برابر کے شریک تھے۔ اسکندر مرزا اس غلط فہمی میں مارا گیا کہ اسے فوج کا تعاون حاصل ہے فوج ایوب خاں کے ہاتھ میں تھی وہ اقتدار پر قابض ہو گیا وہ کسی اور کو شریک اقتدار نہیں رکھ سکتا تھا۔ جنرل ضیاء الحق محمد خاں جونیجو جیسے شریف اور بے ضرر وزیراعظم کو برداشت نہ کر سکے تو جنرل ایوب خاں اسکندر مرزا جیسے مکار اور چالباز صدر کو کیسے برداشت کر لیتے؟ اسکندر مرزا ایوان صدر سے بوریا بیگم لپیٹ لندن روانہ ہوئے اور ایوب خاں بلا شرکت غیرے ملک کی "تعمیر و ترقی" کے اپنے ذہنی خاکوں میں رنگ بھرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایوب خاں کے قد کی مانند ان کے ارادے اور عزائم بھی بڑے تھے ان کے کاغذات اور ڈائریوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بہت پہلے سے ملک کی "ترقی اور خوشحالی" کے کاغذی خاکے بنانے کے شغل سے شوق فرمایا کرتے تھے وزیر دفاع بننے کے بعد تو انہوں نے ملک کے لئے ایک عدد آئین کا مسودہ بھی تیار کر لیا تھا اور بعض فوجی افسروں سے اس بارے میں تبادلہ خیال بھی کیا تھا لیکن اسی دوران بعد از خرابی بسیار سیاستدان بھی آئین بنانے میں کامیاب ہو گئے اور ایوب خاں کا تیار کردہ مسودہ آئین ان کی فائلوں اور خیالوں میں ہی پڑا رہا۔ اقتدار پر مکمل قبضہ کر لینے کے بعد ان کے خاکوں میں رنگ بھرنے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ تھی انہوں نے ملک کو جمہوریت سے نجات دلا کر بنیادی جمہوریت کی نعمت سے نوازا۔ وہ جمہوریت کی بنیاد ہی مضبوط نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ زندگی کے دیگر شعبوں کے لئے بھی اپنے نظریات رکھتے تھے۔ زرعی اصلاحات' گرین ریوولیوشن' صنعتی ترقی کی وسیع تر بنیاد کی فراہمی' سندھ طاس کا معاہدہ' منگلا ڈیم' تربیلا ڈیم اور ایک عدد نیا آئین' مورخ کے پاس ایوب خاں کو یاد کرنے کے بہت سے حوالے ہیں۔ چین کے ساتھ سرحدی سمجھوتہ اور شاہراہ ریشم کا منصوبہ کسی چھوٹے دماغ میں نہیں آسکتا تھا۔ ایوب خاں نے ملک اور قوم کو یہی کچھ نہیں دیا 1965ء کی جنگ اور اس کے نتیجہ میں معاہدہ تاشقند اور اس معاہدہ کے اندرونی رازوں کا

جواری ذوالفقار علی بھٹو بھی اس کی دین ہیں داخلی اور خارجی محاذوں پر ایوب خاں کے کارناموں کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ذہنی طور پر لمبے عرصہ تک حکومت کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے۔ انہوں نے جنرل ضیاء الحق کی مانند ایڈہاکزم سے کام نہیں لیا جس کام کو اپنی سوچ کے مطابق اپنے ملک کے لئے بہتر جانا وہ کر گئے۔ وہ ملکی مفاد کی خاطر بھارت جیسے بڑے ملک سے ایک عدد جنگ بھی کر گئے اگر وہ اس جنگ میں کامیاب ہو جاتے تو پاکستان کی تاریخ میں اتاترک کا مرتبہ حاصل کر لیتے مگر ان کے کچھ اندرونی ساتھی اور پرانے لیفٹیننٹ ہی اندر سے ان کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے اور یہ لڑائی انہی ساتھیوں کی ایک سازش بتائی جاتی ہے۔

1971ء میں آزاد جموں اور کشمیر کی اسمبلی کے اجلاس کے وقت میں مظفر آباد میں تھا۔ کھانے کی ایک دعوت میں ایک سابق کرنل سے ملاقات ہوئی وہ اسی روز راولپنڈی سے آیا تھا اور اپنے ایک دوست کو بتا رہا تھا کہ جی ایچ کیو نے اسے مشرقی پاکستان بھیجنے کے لئے بلایا تھا مگر وہ انکار کر آیا ہے اس کی باتوں سے اندازہ ہوا کہ وہ جنگ اور میدان جنگ کا کافی تجربہ رکھتا ہے یہ تجربہ اور مشاہدہ آدمی کے دل سے لڑائی کا خوف دور کر دیتا ہے اس کے باوجود کرنل صاحب نے انکار کیوں کیا؟ کھانے کے بعد میں نے ان سے پوچھ لیا۔ میزبان کی طرف سے تفصیلی تعارف کے بعد انہوں نے اس انکار کی تفصیلی وجوہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ 1965ء میں وہ ایک گوریلہ دستہ کے کمانڈر کی حیثیت سے مقبوضہ کشمیر گئے تھے جنرل اختر ملک نے روانگی سے پہلے انہیں چالیس افراد کے نام اور پتے دیئے اور کہا کہ یہ وہاں ہمارے Contact ہیں ان سے ملنا ہر قسم کی رہنمائی اور تعاون ملے گا۔ کرنل صاحب نے بتایا کہ وہاں پہنچ کر انہوں نے ان افراد کی تلاش شروع کی تو ان میں سے صرف دو افراد مل سکے باقی سب کاغذی تھے۔ ان ناموں کا وہاں کوئی بندہ تھا ہی نہیں۔ اس کھلے دھوکے اور اس سے پیدا ہونے والی مشکلات کے باوجود وہ وہاں کام کرتے رہے ایک آپریشن میں بھارتی فوج کے ایک بریگیڈ کے میس پر حملہ کیا اور بریگیڈ کمانڈر کو ہلاک کر دیا جب وہ مشکلات پر قابو پا چکے تھے اور شاندار کامیابیوں کی طرف بڑھ رہے تھے ایک علاقہ میں پاکستان کا جھنڈا لہرا چکے تھے تو پیچھے سے پیغام موصول ہوا کہ واپس آجاؤ۔ جوان مشکلات پر اتنے غصہ میں نہ تھے جتنے اس واپسی کے

حکم پر ناراض ہوئے۔ آپریشن شروع کرتے وقت انہوں نے مقامی آبادی کو قرآن پر حلف دیا تھا کہ وہ انہیں بھارتیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر واپس نہیں جائیں گے۔ اس پیغام کے بعد انہیں حکم کی تعمیل پر آمادہ کرنا گوریلہ جنگ سے بھی مشکل مرحلہ تھا واپسی کے سفر میں بھارتی فضائیہ نے اس علاقہ کے درختوں پر بھی زہریلی ادویات کا سپرے کر دیا تاکہ وہ کسی درخت کے پھل اور پتے بھی بھوک مٹانے کے لئے نہ کھا سکیں۔ ایک جوان ایک قصبہ میں چاول خریدنے گیا۔ ہندو دکاندار سے اس نے چاول کا بھاؤ پوچھا تو دکاندار "چاول" کے لفظ سے پہچان گیا کہ وہ پاکستانی ہے اس نے شور مچا دیا۔ جوان چاولوں کی بوری اٹھا کر بھاگنے لگا تو دکاندار نے آگے بڑھ کر اسے پکڑنا چاہا جوان نے جیب سے چین پسٹل نکال کر فائر کیا دکاندار گر پڑا۔ اب تک قصبہ کے بہت سے لوگ پاکستانی پاکستانی کا شور مچاتے آ رہے تھے مگر چین پسٹل کے خوف سے قریب کوئی نہیں آیا جب وہ قریبی جنگل میں اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو چاول کی بوری میں سے صرف ڈیڑھ سیر چاول باقی بچے تھے کھینچا تانی میں بوری پھٹ گئی تھی۔

یہ واقعہ انہوں نے ان مشکلات کی وضاحت کرنے کے لئے بیان کیا جن سے انہیں بلا مقصد دوچار ہونا پڑا تھا۔ "اختر ملک نے ہمیں مروانے کے لئے یہ دھوکہ کیا یا ایوب خاں کو مروانے کے لئے؟" میں اس کے اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ انہیں خدشہ تھا کہ اس دفعہ بھی کہیں دھوکہ نہ دیا جا رہا ہو۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس دھوکے کا مقصد ایوب خاں کو ذلیل کر کے اقتدار سے علیحدہ کرنا اور اس کی کرسی پر قبضہ کرنا تھا اسی لئے اسے یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ بھارت پاکستان کی بین الاقوامی سرحد پر حملہ نہیں کرے گا اگر ایسی کوشش کی تو پاکستان کے "دوست" اس کو روک لیں گے۔ میں کوئی فوجی ماہر نہیں مجھے خارجہ اور داخلہ امور کی باریکیوں اور سازشوں کا علم نہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ ایوب خاں کو ایسا دھوکہ دینا ممکن تھا یا نہیں اور اس الزام میں کہاں تک صداقت ہے لیکن ایک بات سب جانتے ہیں کہ ایوب خاں مارا اسی لڑائی کی وجہ سے گیا تھا۔ صدر ایوب خاں تاشقند سے معاہدہ ساتھ لایا اور اس کا اپنا پرداختہ وزیر خارجہ تاشقند کے رازوں کی پٹاری چرا لایا جسے درجنوں وعدوں کے باوجود اس نے اپنی زندگی میں کبھی نہ کھولا۔ ایوب خاں کی سیاست اور ذوالفقار علی بھٹو کی پٹاری نے بابائے قوم حضرت

قائداعظم کا پاکستان دولخت کردیا۔

ایوب خان نے اپنے پورے دور میں فوج کا تعاون بحال رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ فوج کے کمانڈر انچیف مہارت اور لیاقت کی بجائے وفا اور تابعداری کے معیار کو سامنے رکھ کر مقرر کئے۔ جنرل حبیب اللہ کی فوج سے روانگی ان کے سیاسی پس منظر کے علاوہ پیشہ ورانہ قد کاٹھ اور طرز فکر کی وجہ سے بھی تھی۔ ایوب خاں بھی آخری دم تک یہی سمجھتا اور کہتا رہا کہ عوام اور فوج کا اسے مکمل تعاون حاصل ہے مگر جب نازک مرحلہ آیا تو اس کے اپنے ہی یحییٰ خاں نے اس کی امیدوں پر پانی پھیر دیا اور تعاون فراہم کرنے سے معذرت کرلی۔ یحییٰ خان اور اس کے فوجی افسروں کے گروہ نے صاف طور پر کہہ دیا کہ "فوج اب آپ کو اقتدار میں نہیں رکھ سکتی" مطلب صاف ظاہر تھا کہ فوج اب زیادہ کھل کر اقتدار میں آنا چاہتی ہے اور جب فوج کے کمانڈر انچیف نے فوج کے نام پر اقتدار پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو اس کا راستہ کوئی فیلڈ مارشل بھی نہ روک سکا۔ فیلڈ مارشل سب کچھ اس کے سپرد کرکے ایوان صدر سے اس انداز میں روانہ ہوا جیسے کوئی اس جہاں سے جاتا ہے۔

ایوب خاں کے خلاف تحریک میں زیادہ تر شہری اور سیاسی لوگ ہی شامل تھے دیہات کی خاموش اکثریت جسے اس نے سکارپ، ٹریکٹر اور گرین ریوولیوشن دیئے تھے اس کے ساتھ تھی اگر وہ آئی ایس آئی کی رپورٹوں سے گھبرانہ جاتا اور انتخاب میں حصہ نہ لینے کا اعلان نہ کرتا تو بیلٹ اور بکس کے زور پر اسے نکالنا اتنا آسان نہ تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق کی مانند فیلڈ مارشل ایوب خاں کو بھی آئی ایس آئی نے یہ اہم ترین فیصلہ کرنے پر مجبور کیا آئی ایس آئی نے جنرل ضیاء الحق سے کہا کہ جونیجو سے اب آپ بچتے نہیں، ایوب خاں کو رپورٹیں بھیجیں کہ ملک میں چلنے والی تحریک اب آپ کو چھوڑتی نظر نہیں آتی۔ ایک فوجی کا خدا کے بعد سب سے پختہ ایمان اپنی انٹیلی جنس ایجنسیوں پر ہوتا ہے اسی ایمان کی پختگی کی وجہ سے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ رپورٹیں بھی ایسے ہی لوگ کرتے ہیں جیسے آئین کی پابندی کا حلف لے کر اس کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔ آئی ایس آئی کے فرشتوں میں کبھی بندوں والی خامیاں بھی پیدا ہو سکتی ہیں۔

تحریک کے نتیجہ میں ایوب خاں نے آئندہ انتخابات میں حصہ لینے کا ہی اعلان نہیں کیا

اور اس سے اپنے عدم اطمینان کا اظہار کیا ہے پاکستان کے امریکہ کے ساتھ دفاعی نوعیت کے معاہدوں میں شامل ہو جانے سے روس کے گرد تو وہ گھیرا مکمل ہو گیا لیکن چین ابھی امریکی گھیرے میں نہیں آیا تھا۔ امریکی سی آئی اے نے چین کے گرد گھیرے کے لئے مشرقی پاکستان، آسام اور بھارتی بنگال پر مشتمل ایک ریاست کے قیام کا نظریہ پیش کیا جس کا نام انہوں نے بنگم (Bangam) رکھا تھا۔ جب روس اور چین کے تعلقات آپس میں خراب ہو گئے اور پاکستان چین سے قریب ہو گیا تو اپنے اپنے الگ الگ مقاصد کے حصول کے لئے امریکہ اور روس دونوں اپنے اپنے طریقوں سے مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے پروگرام پر کام کرنے لگے بھارت چونکہ پہلے ہی شیخ مجیب کے ذریعے اس پروگرام پر کام کر رہا تھا اس لئے بھارت بچ گیا اور پاکستان ٹوٹ گیا۔ اس منصوبہ کی تکمیل میں اور کس کس نے کیا کیا خدمات انجام دیں وہ ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ یہاں ہم صرف ایوب خاں کے حب وطن کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ایوب خاں نے ذاتی اقتدار اور ملکی ترقی کا ہی طویل المدت منصوبہ نہیں بنایا تھا اپنے خاندان اور اولاد کے لئے وسیع تر صنعتی اور سیاسی بنیاد فراہم کرنے میں بھی اس نے بھرپور کوشش کی تھی ان کی اولاد کی سیاست اسی بنیاد پر کھڑی ہے۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے اپنے کسی فرزند کو کیپٹن سے آگے نہ جانے دیا۔ آبائی پیشہ سپاہ گری سے نکال کر صنعت و سیاست میں داخل کرا دیا جب آدمی سیاست میں اقتدار کے راستہ سے آتا ہے تو اس کے دامن پر کراچی کے ہنگاموں کا داغ بھی لگتا ہے راجہ سکندر زمان نے مجھے وہ واقعہ بھی سنایا جب وہ پنجاب کے سابق مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور گورنر لیفٹیننٹ جنرل غلام جیلانی خاں کے دست راست سینٹر ریٹائرڈ بریگیڈیئر قیوم کے سسر کو اپنی گاڑی میں سیٹوں کے درمیان لٹا کر اور اوپر کپڑے ڈال کر ایوب خاں کے بیٹوں کے محاصرہ سے نکال لائے تھے ایوب نے سیاستدانوں پر جو جو الزامات لگائے تھے ان کے اپنے ہی اقتدار کے دور میں وہ سب ان پر بھی لگ چکے تھے۔ وہ ملک کو سیاسی استحکام دینے آئے تھے دس سال بعد جب بادل نخواستہ رخصت ہوئے تو ملک میں اس سے بھی زیادہ سیاسی انتشار تھا جب وہ آئے تھے دس سال میں عوام اور فوج کے تعاون کے باوجود وہ ایسا نہ کر سکے ہاں ان کی روانگی تک ان کا خاندان صنعت اور سیاست میں البتہ قدم جما چکا تھا اس دور کا یہ بھی اہم "کارنامہ" کہا جا سکتا ہے جو

اپنے جمہوریت کے اس بنیادی پودے کو کاٹنے پر بھی آمادہ ہو گئے جسے انہوں نے جمہوریت کے خون اور اپنے ہونہار وزیروں کے پسینے سے سینچ سینچ کر پروان چڑھایا تھا وہ اپنے دیئے ہوئے آئین میں ہر قسم کی ترامیم پر بھی آمادہ ہو گئے۔ دس سال میں جو سوت کاتا تھا ایک ہی تحریک کے نتیجہ میں اپنے ہی ہاتھوں اسے تار تار کر دیا۔ سیاستدانوں کے مطالبہ پر وہ شیخ مجیب الرحمن جیسے غدار کو رہا کرنے پر بھی آمادہ ہو گئے حالانکہ اس کے پاس اس کی غداری اور ملک توڑنے کے منصوبہ کا مکمل ثبوت موجود تھا۔ انٹیلی جنس 1964ء سے شیخ مجیب کی سرگرمیوں کا جائزہ لے رہی تھی یہ رپورٹیں صدر ایوب خود دیکھتے تھے اگر تلہ سازش کا جو ریکارڈ پکڑا گیا تھا اس میں مجوزہ بنگلہ دیش کے دستور کا طبع شدہ کتابچہ بھی موجود تھا اس کے صفحہ اول پر بنگلہ دیش کا جو جھنڈا شائع کیا گیا تھا وہی اب بنگلہ دیش کا قومی جھنڈا ہے سیاستدانوں کے مطالبہ پر جب ایوب خاں شیخ مجیب کو رہا کرنے پر آمادہ ہو گئے تو غلام حسن خاں نے جو بعد میں لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن خاں ہوئے اور جنہوں نے خود اگر تلہ سازش کے سلسلہ میں مجیب کو گرفتار کیا تھا اور ریکارڈ پر قبضہ کر کے پنڈی سازش کے وزن پر اسے اگر تلہ سازش کا نام دیا تھا ایک رپورٹ تیار کی اور ملٹری انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر میجر جنرل عظمت بخش اعوان کے ذریعے صدر ایوب اور کمانڈر انچیف یحییٰ خان کو بھیجی۔ اس میں لکھا کہ "اگر شیخ مجیب کو رہا کیا گیا تو یہ پاکستان کو توڑنے کے عمل کا آغاز ہو گا" جنرل غلام حسن خاں نے مجھے بتایا کہ اعوان نے فیلڈ مارشل کے خوف کے مارے اس رپورٹ پر دستخط تک نہ کئے اور آگے بھیج دی۔ آگے والوں کو اپنی کرسیوں کی فکر تھی ورنہ اس رپورٹ کے بارے میں سیاستدانوں کو اعتماد میں لیا جا سکتا تھا ایوب خاں کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ وہ اقتدار سے علیحدہ ہو رہا تھا اس نے اس لمبے جھگڑے میں پڑنے کی بجائے جان چھڑانے کے لئے اس طرف دھیان نہ دیا اور سیاستدانوں کا مطالبہ مان لیا لیکن یحییٰ خان کے بارے میں ہم کیا کہیں؟ ایوب خاں کے حب وطن پر شبہ کی گنجائش نہیں لیکن کیا ایک محب وطن ملک توڑنے کا منصوبہ بنانے والے غدار اور اس منصوبہ سے اتنا بے پرواہ ہو سکتا ہے؟

شیخ مجیب نے یہ منصوبہ بھارت سے مل کر بنایا تھا اسے امریکی سی آئی اے کی بھی حمایت حاصل تھی۔ جنرل اکبر نے روس اور چین کے گرد گھیرا ڈالنے کے امریکی منصوبہ کا ذکر کیا ہے

بڑے رعب داب اور پروگراموں سے مسلح ہو کر آئے تھے۔ ان کا پیغام رخصتی بھی وہی تھا جو ان کے مہربان اور قدردان جنرل اسکندر مرزا کا تھا "میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے" مگر قومیں صرف دعاؤں سے خوش نہیں رہ سکتیں اس کے لئے مخلصانہ دوا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

7

ایک ملک دو دشمن

مسلمانانِ ہند کی پونے تیرہ صدیوں پر پھیلی تاریخ کے چند گنے چنے غداروں کا ہم مرتبہ جنرل آغا محمد یحییٰ خان قزلباش، فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے معتمد ساتھیوں میں سے تھا۔ ایوب خاں شروع ہی سے اس کی سرپرستی کرتے رہے تھے اس کی صلاحیتوں اور وفا شعاری پر بھروسہ کرتے آئے تھے جب ایوب خاں حادثات زمانہ کی بدولت پاکستان کے پہلے مسلمان کمانڈر انچیف بنے تو انہوں نے آغا محمد یحییٰ خان کو جی ایچ کیو میں Brain Cell کا سربراہ بنایا۔ اس سیل کے دیگر ارکان میں صدر یحییٰ خان کے سیکنڈ ان کمان حمید خاں اور فضل مقیم شامل تھے جب انہوں نے اسکندر مرزا کے ساتھ مل کر ملک میں مارشل لاء لگانے کا منصوبہ بنایا تو اس کی تکمیل کے لئے آغا محمد یحییٰ خان کو دارالحکومت کراچی کا کمانڈر مقرر کیا۔ اسکندر مرزا نے ایئر کموڈور عبدالرب کو ایوب خاں کے ساتھ جن دیگر فوجی افسروں کو گرفتار کرنے کا حکم دیا تھا ان میں یحییٰ خان بھی شامل تھا۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ایوب خاں نے دارالحکومت کراچی سے اسلام آباد منتقل کرنے کا فیصلہ کیا تو یحییٰ خان کو اسلام آباد کے ترقیاتی ادارے کا سربراہ بنایا گیا۔ تیرہ بریگیڈیئروں کو بائی پاس کر کے انہیں میجر جنرل کے عہدہ پر ایوب خاں نے ہی پہنچایا تھا۔ 1965ء کی جنگ کے دوران جب پاکستانی فوج چھمب جوڑیاں کے محاذ پر آگے بڑھ رہی تھی تو اختر ملک کو کمان یحییٰ خان کے سپرد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس محاذ پر منصوبہ کے مطابق کامیابی حاصل نہ کرنے کی ایک وجہ یہ کمانڈ کی تبدیلی بھی بتائی جاتی ہے اسی طویل رفاقت اور اعتماد کیوجہ سے فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں نے آغا محمد یحییٰ خاں جیسے بلا نوش اور مدہوش جنرل کو پاکستان کی مسلح افواج کا کمانڈر انچیف مقرر کیا تھا تاکہ فوج کا اسے

مکمل تعاون حاصل رہے لیکن جب تعاون کا وقت آیا تو یحیٰی خان اور اس کے ساتھیوں نے ایوب خاں کو سہارا دینے کی بجائے کندھا دینے کا فیصلہ کیا۔ ایوب خاں کا دوسرا پروردہ اور معتمد ذوالفقار علی بھٹو تھا جو اسے ڈیڈی کہتا رہا اور ملک میں یک جماعتی نظام کے نفاذ کا خاکہ تیار کر کے ڈپٹی کمشنروں تک کو حکمران مارشل لاء لیگ میں شامل کرنے کا مشورہ دیا کرتا تھا۔ ایوب خاں کی مارشل لاء لیگ کا یہ سیکرٹری جنرل ہوا کرتا تھا بھٹو اسے اسکندر مرزا کی طرف سے تحفہ میں موصول ہوا تھا۔ ایوب خاں نے اسکندر مرزا کے اقتدار کے تحفہ کی مانند اسے بھی سینے سے لگا کر رکھا اور اس وقت چھاتی سے الگ کیا جب وہ اس کے اقتدار کی چھاتی پر مونگ دلنے لگا۔ ذوالفقار علی بھٹو تو اپنے محسن اور مربی ایوب خاں کی مخالفت کا جواز پیش کر سکتا تھا کہ اس نے اسے اتنے سال غیر نمائندہ وزارت کے مزے لوٹنے کا موقع دے کر اس سے یہ نعمت چھین لی تھی مگر یحیٰی خاں کے پاس اس محسن کشی کا کیا جواز تھا؟ مگر اقتدار کی دوڑ میں نہ کوئی محسن ہوتا ہے نہ شکر گزار سب اپنے اپنے داؤ پر ہوتے ہیں جس کا جب اور جیسے داؤ چل جائے چلا لیتا ہے۔ ایوب خاں جب ملک کی اہم سیاسی جماعتوں کے ساتھ بحران سے نکلنے کے لئے کسی سمجھوتہ پر مذاکرات میں مصروف تھے تو ذوالفقار علی بھٹو ان کے خلاف تحریک چلا رہے تھے اور جنرل آغا محمد یحیٰی خان ایوب خاں کو نکال کر اقتدار پر خود قبضہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے ایوب خاں کے ایک سابق ملٹری سیکرٹری جنرل پیرزادہ کی قیادت میں یحیٰی خان کا مخصوص گروپ ایک طرف ذوالفقار علی بھٹو کی تحریک میں تعاون کر رہا تھا تو دوسری طرف شیخ مجیب سے روابط استوار کر رہا تھا۔ 1968ء میں اپنے خلاف تحریک کے آخری دنوں میں جب ایوب خاں نے سیاستدانوں کی گول میز کانفرنس بلائی تو سیاستدانوں نے شیخ مجیب کو بھی کانفرنس میں شامل کرنے کی شرط لگا دی۔ شیخ مجیب اگر تلہ سازش کے سلسلے میں زیر حراست تھا اور فوج کی حراست میں تھا وہ پیرول پر رہائی اور کانفرنس میں شرکت پر تیار ہو گیا مگر جنرل یحیٰی خان اور اس کے ساتھیوں کے مشورہ پر اس نے آخری وقت میں یہ شرط رکھ دی کہ وہ ایک قیدی کی حیثیت سے کانفرنس میں شریک نہیں ہو گا اس انکار پر ایوب خاں نے اگر تلہ سازش کا مقدمہ ہی ختم کر دیا اور سارے ملک دشمن فوج کے کمانڈر انچیف کی وجہ سے رہا ہو گئے بقول قدرت اللہ شہاب شیخ مجیب الرحمن شروع میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر ایوب

خاں سے سیاسی سمجھوتے پر راضی ہو گئے تھے لیکن جنرل یحیٰ خان اور ساتھیوں نے ان کی برین واشنگ کر کے انہیں سمجھایا کہ ایوب جا رہا ہے اور ہم آ رہے ہیں چنانچہ دس مارچ کو گول میز کانفرنس میں شیخ مجیب الرحمن نے جو تقریر کی اس کا واضح مطلب علیحدگی تھا اسی تقریر اور موقف کی وجہ سے گول میز کانفرنس ناکام ہو گئی تھی۔

بائیں بازو کے دانشور' اخبار نویس' سیاسی کارکن اور مزدوروں اور طلبہ کی تنظیموں نے 1965ء کی جنگ کے سلسلہ میں اقوام متحدہ میں ذوالفقار علی بھٹو کی تقریر اور تاشقند کی اس کی پٹاری میں بند نامعلوم رازوں کے سہارے ذوالفقار علی بھٹو کو اسی طرح کا قومی ہیرو بنانے کی مہم چلا رکھی تھی جس طرح کا قومی ہیرو کشمیر کی آزادی کی جنگ کے سہارے جنرل محمد اکبر خاں کو بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کو روس اور چین کے ساتھ پاکستان کے تعلقات کے قیام کا علمبردار بھی بنایا اور بتایا گیا حالانکہ ایوب خان جیسے جملہ اختیارات کے مالک صدر کی موجودگی میں ذوالفقار علی بھٹو کیا کسی بھی وزیر کو ایوب کی مرضی اور اجازت کے بغیر معمولی سا فیصلہ کرنے کی جرأت بھی نہیں ہو سکتی تھی اتنے بڑے اور اہم کمیونسٹ ممالک سے تعلقات بڑھانا تو بہت بڑی بات تھی لیکن عام لوگ ان باریکیوں سے آگاہ نہیں ہوا کرتے۔ 1951ء کی نسبت 1968ء میں بائیں بازو کا اثر و رسوخ بھی بڑھ چکا تھا۔ اس وقت کمیونسٹ پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے اجلاس میں فوج کے ساتھ مل کر حکومت کا تختہ الٹنے کی تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے مسٹر افضل نے اعتراض کیا تھا کہ ابھی طلبہ' کسانوں اور مزدوروں میں ایسی بائیں بازو کی تنظیمیں موجود نہیں جن کے سہارے انقلاب کو قابو میں رکھا جا سکے لیکن 1968ء تک کمیونسٹ پارٹی نہ ہونے کے باوجود بھی بائیں بازو کی تنظیمیں قائم اور مستحکم ہو چکی تھی۔ 1951ء میں کمیونسٹوں کو روس کے گرد امریکہ کے ہوائی اڈوں کی زنجیر کو مکمل ہونے سے روکنے کا مسئلہ درپیش تھا تو 1968ء میں اس زنجیر کو توڑنے کا معاملہ تھا لیاقت علی خاں امریکہ کی طرف جھک رہا تھا تو ایوب خاں اس کی گرفت میں تڑپ اور پھڑک رہا تھا۔ بائیں بازو کو اپنے مقاصد کے حصول کے لئے اس سے بہتر موقع مل سکتا تھا نہ بندہ دائیں بازو کی جماعتیں اور تنظیمیں بھی ایوب خاں کے خلاف برسرپیکار تھیں اور اس وقت بھی اس کے خلاف کام کرتی رہی تھیں جب بائیں بازو کا ہیرو ابھی ایوب خاں کے اقتدار کی گود میں کھیل

رہا تھا۔ اس طرح ایوب خاں کو اقتدار سے الگ کرنے کی بنیاد اور ماحول دائیں بازو نے تیار کئے کریڈٹ بائیں بازو کا جاگیردار لے گیا اقتدار آغا محمد یحیٰی خان کو مل گیا اور "اپنی آئینی ذمہ داری" پوری کرنے کا بوجھ ایک بار پھر بے چاری مسلح افواج کے کندھوں پر آن پڑا۔ ایوب خان کے اپنے پروردہ جنرل آغا یحیٰی خان قزلباش نے ایوب خاں سے اقتدار کیسے لیا اس کی کہانی بھی قدرت اللہ شہاب سناتے ہیں "صدر ایوب نے کابینہ کا اجلاس بلایا جو ان کے عہد صدارت کی آخری میٹنگ ثابت ہوئی کمانڈر انچیف جنرل یحیٰی خان کو اس میٹنگ میں خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا صدر نے ملک بھر میں پھیلی ہوئی بدامنی اور بدنظمی کا تجزیہ کرکے تجویز پیش کی کہ اس بگڑتی ہوئی صورتحال پر قابو پانے کا واحد طریقہ مارشل لاء کا نفاذ ہے سب کی آنکھیں بری فوج کے کمانڈر انچیف کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ جب جنرل یحیٰی خان سے اس تجویز پر رائے طلب کی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر کنی کترالی کہ وہ اس بارے میں صدر ایوب سے الگ بات کریں گے اس کے بعد صدر ایوب کی آخری کابینہ کا آخری اجلاس ہمیشہ کے لئے برخاست ہو گیا بعد ازاں تخلیہ میں صدر ایوب اور جنرل یحیٰی خان کے مابین جو گفتگو ہوئی اس کا براہ راست کسی کو کوئی علم نہیں البتہ بعض قرائن و شواہد سے اندازہ لگایا جاتا ہے کہ جنرل یحیٰی خان نے مارشل لاء نافذ کرنے کی حامی اس شرط پر بھری کہ مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا جائے، صوبائی گورنروں کو ان کی کابینہ سمیت موقوف کر دیا جائے اور 1962ء کے آئین کو منسوخ قرار دیا جائے۔ صدر ایوب خاں عاقل آدمی تھے جنرل یحیٰی خان کا اشارہ پا گئے کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن کر وہ خود صدارت کی کرسی سنبھالنے کے خواہش مند ہیں ان کی اپنی ذاتی مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اپنے پروردہ جنرل آغا محمد یحیٰی خان کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں چنانچہ ایوان صدر کے بند کمرے میں انہوں نے خاموشی سے بلا چون و چرا ان کی ساری شرائط منظور کر لیں۔

تین چار روز بعد میں نے سنا کہ پاکستان میں متعین امریکی سفیر اچانک ایک خصوصی پرواز سے واشنگٹن روانہ ہو گیا ہے اسی شام ایک سفارتی تقریب میں چند غیر ملکی نامہ نگار ایک طرف کھڑے خوش گپیاں کر رہے تھے ان میں سے ایک دو سے میری شناسائی تھی ایک انگریز صحافی سے میں نے پوچھا "پاکستان میں اس شدید بحران کے دوران یہ امریکی سفیر واشنگٹن کیا

کرنے گیا ہے؟"

اس نے مسکرا کر جواب دیا "کیوں نہیں؟ منتقلی اقتدار پر عملدر آمد سے پہلے واشنگٹن سے او کے حاصل کرنا بھی تو لازمی ہے"

معلوم نہیں اس کا یہ جواب فکاہیہ تھا یا سنجیدہ لیکن یہ حقیقت ہے کہ امریکی سفیر کے واپس آتے ہی 25 مارچ کو صدارت کی کرسی بدل گئی۔ اس روز صبح دس بجے ایوان صدر میں صدر ایوب نے اپنا آخری پیغام ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے لئے ریکارڈ کروایا۔ ریکارڈنگ کے دوران جنرل یحییٰ خان غمگین صورت بنائے ٹسوے بہانے کے انداز میں سر جھکائے بیٹھے رہے لیکن جونہی ریکارڈنگ کے ٹیپ ان کے قبضے میں آگئے ان کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھا وہ ہشاش بشاش خوشی سے جھومتے جھامتے کمانڈر انچیف ہاؤس واپس آئے اپنے چند لنگوٹیے دوستوں اور منظور نظر خواتین کو طلب کیا شراب ناب کا دور چلا اور دیر تک سب نے "ہے جمالو" کی تان پر آپس میں مل جل کر دیر تک بھنگڑا ڈالا۔ سیاستدان اور تاشقند کا ہیرو جو ایوب خاں کی بوڑھی آمریت سے ملک اور قوم کو مکمل نجات دلانے کی قسم کھا کر میدان میں آئے تھے ملک اور قوم کو آغا محمد یحییٰ خان کی بد کردار آمریت کے سپرد کر کے ایئر کنڈیشنڈ ڈرائنگ روموں اور شراب خانوں میں دبک کر بیٹھ گئے جنہیں ایوب خاں کے انتخابات کے اعلان پر اعتماد نہ تھا۔ یحییٰ خان کے انتخابات کے وعدہ فردا پر مطمئن ہو گئے عطار کے لونڈے سے دوا لینے کی خاطر لائنوں میں لگ گئے انہوں نے سمجھا یحییٰ خان انہیں اقتدار دلانے آیا ہے سالوں طویل محنت اور منصوبہ بندی خود حکومت کرنے کے لئے نہیں انہیں حکمران بنانے کے لئے کرتا رہا ہے قائد عوام ملک کے واحد جمہوریت پسند تھے جنہوں نے اس جمہوریت کش مارشل لاء کو اعلانیہ خوش آمدید کہا تھا۔

یحییٰ خان کو فوج کا تعاون تو حاصل تھا ہی اب اقتدار پر قابض رہنے کے لئے انہیں عوام کے تعاون کی بھی ضرورت تھی۔ اس تعاون کے حصول کے لئے ایک طرف تو اس نے اسلام کا نسخہ استعمال کرنے کا پروگرام بنایا اور اسلامی کانفرنس جیسے پروگرام جنرل شیر علی کے سپرد کر دیئے نظریہ پاکستان کے تحفظ کا عظیم بوجھ بھی انہی کے چھوٹے چھوٹے کندھوں پر ڈال دیا۔ میاں طفیل محمد کو راولپنڈی بلا کر مبینہ اسلامی قانون کے درشن کرا دیئے جو وہ 1962ء کے

کالعدم قانون کی جگہ نافذ کرنے کے لئے شراب سے وضو ساز رہے تھے میاں صاحب اس خوشی میں یہ بھی بھول گئے کہ آئین قوم کے منتخب نمائندے تیار کیا کرتے ہیں کسی آمراور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے تنخواہ خوار نہیں بنایا کرتے جس طرح بائیں بازو کے دانشور اور سیاسی کارکن ذوالفقار علی بھٹو کو پالینے کی خوشی میں یہ بھول گئے تھے کہ آمریت کی گود میں پرورش پانے والا جاگیردار ان کے انقلابی مقاصد کبھی پورے نہیں کرے گا اس کے اپنے بھی کچھ مقاصد ہیں۔ عوام سے رابطہ مزید گہرا کرنے کے لئے یحییٰ خان نے ان لوگوں سے روابط گہرے کرنا شروع کر دیئے جن کا عوام سے رابطہ تھا ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں چونکہ رپورٹیں یہ تھیں کہ عوام سے ان کا سب سے زیادہ رابطہ ہے اس لئے انہوں نے سب سے گہرا رابطہ اسی سے رکھا عوام سے رابطہ کے دیگر دعویداروں کو بھی بلاتے اور ٹرخاتے رہے مگر قرورہ اسی سے مل سکتا تھا۔

ایوب خان کی آمریت اور سیاسی مصلحتوں کی پیداوار آغا محمد یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو ملک اور قوم کے مقدر سے کھیلنے لگے ملک کے مشرقی حصہ میں اگر تلہ سازش کا مجرم یحییٰ خان کی نوازشوں اور کرامتوں سے سیاسی فضا پر چھا چکا تھا دونوں طرف دائیں بازو کی سیاسی جماعتیں اور سیاستدان سیاسی میدان میں بازی ہار کر کاروان اسلام مرتب کرنے اور اپنے اپنے دل کو اپنے اپنے اخباری بیانات سے بہلانے ہیں مصروف تھے یحییٰ خان نے ملک کے دونوں حصوں کے نمائندوں کے اتفاق رائے سے طے ہونے والا پیرٹی کا اصول ختم کر کے تناسب آبادی کا اصول نافذ کر دیا مگر کسی نے اس سے نہ پوچھا کہ آپ کو یہ حق کس نے دیا ہے اس نے ون یونٹ توڑ دیا۔ کسی نے نہ کہا تمہیں اس کا اختیار نہیں یہ دونوں مطالبات ایوب خاں نے یہ کہہ کر ماننے سے معذرت کر لی تھی کہ ان کا فیصلہ منتخب اسمبلی ہی کر سکتی ہے وہ اسمبلی کے انتخاب سے پہلے کیوں مان لئے گئے؟ اسمبلیوں میں مسئلہ کے سب پہلوؤں پر بحث ہوتی ہے باہمی افہام و تفہیم سے کوئی راستہ نکالا جاتا ہے یحییٰ خان اگر یہ دو فیصلے نہ کرتا یا سیاستدان اسے ایسا نہ کرنے دیتے تو شیخ مجیب کو وہ قاتل اکثریت حاصل نہ ہوتی جس کے سہارے ذوالفقار علی بھٹو نے ''ادھر ہم ادھر تم'' کی پیشکش کی تھی اور شیخ مجیب نے انتخابات کے بعد مغربی پاکستان آنے تک کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔

یحیٰی خان کے دور آمریت کی دو نعمتوں کا اکثر ذکر کیا جاتا ہے آزاد صحافت اور آزادانہ انتخابات اگر تو آزادی صحافت' اخبارات اور اخبار نویسوں کی طرف سے مخالف نظریات کے لوگوں اور رہنماؤں کی گھٹیا کردار کشی کی آزادی کا نام ہے تو واقعی ایسی آزادی پاکستان میں کبھی کسی دور میں نہ تھی۔ پاکستان کے باہر بھی شاید ہی کبھی کسی کو ایسی آزادی نصیب ہوئی ہو۔ حضرت مولانا کوثر نیازی کے پرچہ "شہاب" کی فائلیں اس آزادی کا منہ بولتا ثبوت ہیں اپنے پیرو مرشد اور محسن مولانا مودودی کا سر ایک فلم ایکٹرس کے جسم پر لگا کر چھاپنے کا اسلامی کارنامہ اسی مولانا نے اسی آزادی کے سنہری دور میں انجام دیا تھا لیکن اگر آزادی صحافت کا مطلب حکومت اور حکمرانوں کے اجتماعی اور ذاتی کردار پر تنقید بھی ہوتا ہے تو اس آزادی کی یحیی خاں کے دور میں کوئی نشانی نہیں ملتی۔ یحیٰی خان ہی نہیں ان کے کسی ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی مقدس ذات اور کارناموں پر بھی کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یحیٰی خان اپنی بداعمالیوں اور بدکرداریوں میں آزاد تھا اور قومی پریس اس طرف سے آنکھیں بند رکھنے میں مکمل طور پر آزاد رہا۔ اس پریس کی آزادی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ سرکاری طور پر سقوط ڈھاکہ اور فوجوں کے ہتھیار ڈالنے کے اعلان سے پہلے ملک کے کسی اخبار نے اس بارے میں قوم کو کوئی چھوٹی سی خبر بھی نہیں دی۔ وہ ہر طرف کامیابیوں کی خبریں ہی دیتے رہے۔ انتخابات کے آزادانہ اور منصفانہ ہونے کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ملک کے اکثریتی حصے میں عوامی لیگ نے کسی اور جماعت کو جلسہ جلوس کی اجازت تک نہ دی بلکہ کاغذات نامزدگی تک داخل نہ کرانے دیئے حکمران اور وہ بھی فوجی حکمران یہ سب کچھ دیکھتے رہے اور ایوب خاں کے حکم کے مطابق "اپنا آئینی فرض" ادا کرتے رہے۔ مارشل لاء اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی طرف سے دیئے گئے انتخابی مہم کے قواعد و ضوابط کی موجودگی میں شیخ مجیب الرحمن اور عوامی لیگ بارہ مہینوں پر پھیلی انتخابی مہم کے دوران چھ نکات کا پرچار کرتے رہے۔ مغربی پاکستان اور پنجاب کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ جاری رکھ کر علیحدگی کی راہ ہموار کرتے رہے اور یحیٰی خان اور ان کے ساتھی جنرل اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے سیاسی مہروں کو آگے پیچھے لاتے اور لے جاتے رہے۔ پریس کی اسی آزادی اور انتخابات کے ایسے غیر جانبدارانہ معیار کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں عوامی لیگ نے قومی اسمبلی کی ایک سو باسٹھ

سیٹوں میں سے ایک سو ساٹھ پر بزور بازو قبضہ کر لیا۔ مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی پیپلز پارٹی نے ایک سو اڑتیس سیٹوں میں سے اکیاسی سیٹیں جیت لیں۔

ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انتخابات کے بعد بحران ختم ہو جاتا اکثریتی پارٹی حکومت بنا کر اپنا پروگرام شروع کرتی لیکن ہوا یہ کہ انتخابات کے بعد بحران شدید ہو گیا۔ 1977ء میں انتخابات کے نتیجہ میں جو بحران پیدا ہوا اس کی وجہ ہارنے والی پارٹیوں کی طرف سے انتخابی نتائج کو نہ قبول کرنا تھی۔ 1970ء میں ایک جیتنے والی پارٹی نے انتخابات کے نتائج کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہار جانے والی پارٹیاں عوامی لیگ اور اس کی سیاست سے اختلاف کے باوجود انتخابی نتائج کو قبول کرنے اور قومی اسمبلی کا اجلاس بلانے کا مطالبہ کر رہی تھیں اور مغربی پاکستان میں بھرپور اکثریت حاصل کرنے والی جماعت کے کارکن سے قائد تک انتخابی نتائج کی بجائے اپنی قبولیت کی مہم چلا رہے تھے انہوں نے جمہوریت کی تاریخ میں پہلی بار دو اکثریتی پارٹیوں کا نظریہ پیش کیا اور ان کے قائد عوام نے جمہوریت اور شہری آزادیوں کے ہیوی ویٹ چمپئن میاں محمود علی قصوری کا وزنی بازو تھام کر مینار پاکستان کے زیر سایہ دھمکی دی کہ جو قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرے گا وہ اس کے ٹانگیں توڑ دیں گے۔ عوام کے منتخب نمائندوں نے اپنی ٹانگیں بچالیں اور بابائے قوم کا پاکستان توڑ دیا یہ آزادی بھی آغا محمد یحییٰ خان کی عطا کردہ ہی تھی۔ اس کی رائفل کے زیر سایہ ہی "قائد عوام" اندھے کی لاٹھی گھما سکتے تھے اندھے کی لاٹھی سے اس کے اپنے کندھے پر ہاتھ رکھ کر قطار میں چلنے والوں کو ہی اپنی ٹانگوں کی فکر لاحق نہیں ہو گئی تھی بلکہ جو سیاستدان انتخابی مہم میں ذوالفقار علی بھٹو کی ذات اور سیاست کی سخت مخالفت کرتے رہے تھے انہوں نے بھی اسمبلی کے ڈھاکہ کے اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان فرما دیا۔ مینار پاکستان سے واپسی پر میں نے پاکستان مسلم لیگ (کونسل) کے صدر میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کو ٹیلی فون کیا اور بتایا کہ قائد عوام نے لاٹھی گھما دی ہے ان کا جواب تھا کہ اس کا فائدہ تو خان قیوم کو ہو گا۔ میں نے خبر دی میاں ممتاز دولتانہ بھی پرسوں قومی اسمبلی کے اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیں گے میرے ایڈیٹر نے حیرانی سے پوچھا تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتے ہو۔ میں نے کہا جہاں "فائدے" کی دوڑ ہو وہاں میاں صاحب نہ کسی سے پیچھے رہ سکتے ہیں نہ کسی کو ناراض کر سکتے ہیں واقعی تیسرے روز میاں صاحب نے بھی اسمبلی

کے ڈھاکہ اجلاس کے بائیکاٹ کے فیصلے کا اعلان کردیا میں نے ایک روز کا وقفہ درمیان میں اس لئے رکھا تھا کہ میاں صاحب اوپر اور نیچے والوں سے مشورہ میں ایک دن تو لیں گے ہی میرے اندازے پر پورا اترتے ہوئے انہوں نے اتنے اہم مسئلہ پر صلاح مشورہ میں صرف ایک ہی دن ضائع کیا۔ میری کتاب "پاکستان۔ فوج اور سیاست" کی اشاعت کے بعد پاکستان مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل اقبال احمد خاں نے بتایا کہ قومی اسمبلی کے ڈھاکہ اجلاس کے بائیکاٹ کے سلسلے میں ممتاز دولتانہ نے مشورہ کے لئے مسلم لیگی رہنماؤں کا اپنے گھر پر اجلاس بلایا تھا اس اجلاس کے دوران میں ہی جنرل عمر کا دولتانہ کے لئے ٹیلی فون آیا۔ ٹیلی فون سننے کے بعد دولتانہ نے بتایا کہ وہ بھی بائیکاٹ کے لئے کہہ رہے ہیں اس پر ایئر مارشل نور خاں غصہ میں آگئے اور کہا کہ وہ کون ہوتے ہیں حکم دینے والے یہ فیصلہ ہمیں خود کرنا ہے اس مسئلہ پر نور خاں ناراض ہو کر چلے گئے اور پھر نہیں آئے۔ اقبال احمد خاں بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو اس دھمکی کے ساتھ اگر یہ بھی بتا دیتے کہ اس میں انہیں عوام کے ساتھ ساتھ فوج کا بھی تعاون حاصل ہے تو کوئی زیادہ غلط بات نہ کہتے کہ پاکستان کی تاریخ میں کوئی بھی شخص ملک اور قوم کے لئے اتنے تباہ کن اقدام کا اس وقت تک کبھی فیصلہ نہ کرسکا جب تک اسے یہ تعاون حاصل نہ ہو سکا۔ رات کے اندھیروں میں یحییٰ خان کے سیکرٹریٹ کے اعلیٰ حکام اور بعض سیاستدانوں کے درمیان ملاقاتوں کی تصدیق تو یحییٰ خاں کے اپنے ایک معتمد وزیر نے کی تھی ویسے بھی ذوالفقار علی بھٹو ملک کے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اور فوج کے کمانڈر انچیف سے ملاقاتوں کو بہت بڑا اعزاز سمجھتے تھے اس سے سیاستدانوں اور شیخ مجیب کو یہ تاثر دینا مقصود تھا کہ میری مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا اور میری مرضی اصل میں میری اکیلے کی ہی مرضی نہیں۔ یحییٰ خان کے نیچے کے اعلیٰ فوجی افسروں سے ان کے ذاتی تعلقات تھے جن میں مسلح افواج کے چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن اور فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل اے رحیم خاں بھی شامل تھے ان دونوں نے بعد میں یحییٰ خان کے اقتدار بھٹو کے حوالے کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا بھٹو کے ساتھ اپنے پرانے تعلقات اور مذاکرات کے بارے میں ان دونوں نے خود تسلیم کیا ہے ایئر مارشل اے رحیم خاں

1965ء کی لڑائی میں فضائیہ کے آپریشن روم کے سربراہ تھے اور بھٹو اس اہم مقام پر بھی ان سے ملاقات کا شرف حاصل کرنے آیا کرتا تھا۔ وہ خود کہتے ہیں کہ 1970ء کی انتخابی مہم کے دوران بھی ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ملکی سیاست میں فوج کو ایک قوت قرار دیتے ہوئے اعلان کیا کہ ملک میں تین ہی قوتیں ہیں عوامی لیگ، فوج اور پیپلز پارٹی مغربی پاکستان کے صرف دو صوبوں پنجاب اور سندھ کے منتخب نمائندوں کا قائد عوام ہونے کے باوجود ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے آپ کو پورے مغربی پاکستان کا نمائندہ بنا کر پیش کیا اور یحییٰ خان نے اسے اس حیثیت میں نہ صرف قبول کیا بلکہ مجیب الرحمن کے ساتھ پورے مغربی پاکستان کے نمائندہ کے طور پر سودا کرنے کا حکم دیا۔ 28 فروری کو ذوالفقار علی بھٹو نے مینار پاکستان کے زیر سایہ لاٹھی گھمائی تو فوراً ہی بعد یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا۔ 1978ء میں بھٹو کی طرف سے عائد کردہ زبان بندی کا خاتمہ ہونے پر یحییٰ خان نے ایک انٹرویو میں تسلیم کیا کہ یہ اجلاس انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے کہنے پر ملتوی کیا تھا۔ شیخ مجیب الرحمن سب سے بڑی پارٹی کا نمائندہ تھا مگر اسے اعتماد میں لینے کی ضرورت محسوس نہیں کی جس کے رد عمل کا اظہار اس نے سات مارچ کے پلٹن میدان کے جلسہ عام میں کیا اور اسمبلی کا اجلاس بلانے کی بجائے انتقال اقتدار کا مطالبہ کر دیا۔ یحییٰ خاں کہتے ہیں "جنوری 1971ء میں میں نے بھٹو کو ڈھاکہ بھیجا کہ جاؤ مجیب سے بات کرو اس کے بعد میں جب مشرقی پاکستان گیا تو مجیب سے میں نے پوچھا کہ بھٹو کو میں نے خاص طور پر آپ سے ملنے کے لئے بھیجا تھا کیا بنا؟ مجیب نے کہا سر آپ کو پتا ہے جب وہ مجھے ملا اس نے کیا کہا تھا؟ اس نے پہلی ہی بات یہ کی کہ مجھے اس میں کیا ملے گا؟ میں نے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ بھٹو نے کہا وزیر اعظم یا وزیر خارجہ بنا دو۔ میں نے جواب دیا میں آپ کو کچھ نہیں دوں گا۔ ملک پر میری حکومت ہو گی آپ کو اپوزیشن میں بیٹھنا ہو گا۔ یہ سن کر بھٹو واپس مغربی پاکستان چلا گیا" بھٹو کے اسی مطالبہ کی روشنی میں یحییٰ خان کے اس دورہ مشرقی پاکستان کے دوران شیخ مجیب نے یحییٰ خاں کو پیشکش کی تھی کہ وہ انتقال اقتدار کے بعد اسے ملک کا صدر بنانا چاہتے ہیں۔ اس نے محسوس کر لیا ہو گا کہ صرف عوام کا تعاون کافی نہیں بھٹو صرف عوام کے تعاون کے زور پر شریک اقتدار ہونے کا مطالبہ نہیں کر رہا وہ بھٹو کو فوج کے تعاون سے محروم کرنا چاہتا تھا۔ یحییٰ خان وہاں پر تو مجیب

کے ساتھ اس تعاون پر راضی ہو گیا تھا مگر واپس آ کر بھٹو سے ملا اور مجیب کی پیشکش ٹھکرا کر بحران کو مزید گہرا کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے جب دیکھا کہ مجیب نہ صرف اسے کچھ دینے کے لئے تیار نہیں بلکہ فوج سے تعاون کرنے اور اس کا تعاون حاصل کرنے کی بھی کوشش کرنے لگا ہے تو اس نے اندرون اور بیرون خانہ اس سمجھوتہ اور امکان کو ناممکن بنانے کی جدوجہد شروع کر دی۔ اسمبلی کے اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان اسی وجہ سے کیا گیا تھا تین طاقتوں دو وزیراعظموں اور ملک کے جغرافیائی حالات کے بہانے پارلیمانی جمہوریت کے منافی اقدامات کے نظریات بھٹو نے مجیب کے اس کورے جواب کے بعد ہی پیش کئے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے محسن اور دوست جنرل گل حسن کا کہنا ہے کہ بھٹو نے کہا تھا "میں عمر بھر اپوزیشن بنچوں پر نہیں بیٹھنا چاہتا" صورت حال یہ ہے کہ مجیب اسے شریک اقتدار کرنے کو تیار نہیں اور بھٹو حزب اختلاف کا لیڈر بن کر جمہوری فرض ادا کرنے پر آمادہ نہیں ہر صورت میں اقتدار چاہتا ہے ——— ایک ملک میں دو افراد کو اقتدار ملنے کی ایک ہی صورت رہ گئی تھی کوئی نیا ملک فتح کرنا ممکن نہ تھا ایک ہی راستہ تھا کہ ملک دونوں حصوں کے دونوں لیڈروں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ مجیب اور بھٹو اندر سے دونوں یہ چاہتے تھے مگر زبان سے کھل کر نہیں کہہ رہے تھے۔ اختلاف چھ نکات اور آئین کا نہیں تھا ان میں سے ساڑھے پانچ نکات مان لینے کا اعلان تو بھٹو نے خود کر دیا تھا یحییٰ خاں اور فوج بھٹو کو صاف لفظوں میں نہیں کہہ سکتے تھے کہ مجیب ٹھیک کہتا ہے تمہیں اپوزیشن بنچوں پر بیٹھنا ہو گا اس لئے۔ بحران کے حل کا کوئی امکان ممکن ہی نہ تھا۔ ایک ہی طریقہ ممکن تھا ملک توڑنے اور دونوں منتخب نمائندوں کو ان کی مرضی کے مطابق اقتدار کا وارث بنانے کا۔ یحییٰ خان اگر سیدھے طریقے سے ایسا کرتا تو عوام اور فوج اسے ایسا نہ کرنے دیتے۔

ایئر مارشل اصغر خاں اگر سچ کہتے ہیں اور میرے خیال میں انہیں جھوٹ لکھنے کی ضرورت بھی نہیں تو ان کی کتاب کا ایک حوالہ اس کی مزید وضاحت کرے گا۔ "1970ء کے وسط میں میں نے یحییٰ خان سے ملاقات کی تو اس نے بتایا کہ ذوالفقار علی بھٹو کہتا ہے چھوڑو اس الیکشن ویکشن کو یحییٰ خان سپاہی اور بھٹو سیاستدان اچھی ٹیم ہے" بقول ایئر مارشل اصغر خاں یحییٰ خان نے کہا کہ میں نے پوچھا تو پھر مشرقی پاکستان کا کیا کریں؟ جس کے جواب میں بھٹو

نے کہا تھا کہ مشرقی پاکستان کوئی مسئلہ نہیں۔ بیس ہزار آدمی مار دیں سب ٹھیک ہو جائے گا" یحییٰ خان نے خود اپنے انٹرویو میں اس سے بھی پہلے فیلڈ مارشل ایوب خاں کے وزیر ذوالفقار علی بھٹو کے بارے میں کہا ہے "جب میں کمانڈر انچیف تھا تو یہ میرے پاس آتا تھا تو کہتا تھا" ہٹاؤ یار اس کو (ایوب خاں کو) یہ تم نے کیا رکھا ہے تم ملٹری بازو ہو میں سیاسی بازو ہوں گا پھر دیکھنا اس ملک میں کیا ہوتا ہے" گویا ملٹری آرم کے تعاون سے پاکستان پر سیاسی اقتدار کے قیام کا خواب اس کا بہت پرانا تھا۔ انتخابات کے بعد وہ جو کچھ کر رہا تھا اسی خواب کو پورا کرنے کے لئے کر رہا تھا۔ قائد عوام جو تھا دونوں حصوں میں عوام نے جن دو لیڈروں کو قائد چنا تھا وہ ذاتی مفادات کے حصول کے لئے ملکی اور قومی مفادات کے منافی سرگرمیوں میں مصروف تھے۔ اس بیان کے ساتھ کہ پاکستان کے جغرافیائی حالات میں اکثریتی جماعت کا نظریہ لاگو نہیں ہوتا مغربی پاکستان کے قائد عوام نے چودہ مارچ کو یہ تک مطالبہ کر دیا کہ اگر مشرقی حصہ میں اکثریتی جماعت کو اقتدار دیا جاتا ہے تو مغربی حصہ میں بھی اقتدار اکثریتی جماعت کے حوالے کر دیا جائے مجیب نے اکثریتی جماعت کے لئے اقتدار وفاق اور مشرقی پاکستان کا مانگا تھا بھٹو صاحب نے جوابا" کہاں کا اقتدار مانگا تھا؟ دو صوبوں کا اقتدار ان کے حوالے کرنے پر تو کسی کو کوئی اعتراض نہ تھا ون یونٹ ٹوٹ چکا تھا مغربی حصہ سے ان کی مراد ایک ملک دو وزیراعظم ہی تھی ان حالات میں یحییٰ خان پندرہ مارچ کو ڈھاکہ گئے سولہ کو مجیب سے ملاقات کی دونوں میں مارشل لاء اٹھانے پر اتفاق ہو گیا بھٹو نے اسے ماننے سے انکار کر دیا اور موقف یہ اختیار کیا کہ مارشل لاء اٹھ گیا تو ملک میں آئینی خلا پیدا ہو جائے گا۔ شیخ مجیب ملک کے دونوں حصوں میں الگ الگ انتقال اقتدار کا بھٹو کا مطالبہ پہلے ہی مان چکا تھا لیکن اس کے لئے یحییٰ خان تیار نہیں تھا۔ یحییٰ خان کے مجبور کرنے پر شیخ مجیب۔ بھٹو سے ایک بار پھر ملنے پر تیار ہو گیا دونوں کے درمیان بائیس مارچ کو ایک اور ناکام ملاقات ہوئی۔ 23 مارچ کو یوم پاکستان کے موقع پر اقتدار کے تینوں پجاری یحیی خاں شیخ مجیب اور بھٹو ڈھاکہ میں تھے اور یوم پاکستان کی بجائے یوم بنگلہ دیش منا رہے تھے۔ شہر میں ہر طرف بنگلہ دیش کا وہی جھنڈا لہرا رہا تھا جو اگر تلہ سازش پکڑنے والوں نے کئی سال پہلے پکڑ کر فوجی حکام کے سپرد کیا تھا اس روز شیخ مجیب الرحمن کے قانونی مشیر ڈاکٹر کمال نے یحییٰ خاں کو جو مسودہ قانون پیش کیا وہ وفاقی طرز کا

نہیں ملک کے دونوں حصوں کے درمیان کنفیڈریشن کا مسودہ قانون تھا اور اس میں دونوں حصوں کے لئے الگ الگ قانون تجویز کئے گئے کنفیڈریشن کو دفاع، امور خارجہ، کرنسی اور تجارت کے محکمے دینے کی تجویز پیش کی گئی تھی اکثریتی پارٹی کو ملک پر حکومت کا موقع نہ دیں تو وہ اپنے حصہ ملک میں اقتدار کا مطالبہ تو کرے گی۔ اس کے بعد یحییٰ خان اور شیخ مجیب الرحمن کے درمیان چوبیس مارچ کو رکھی گئی میٹنگ کا کوئی جواز نہ رہ گیا تھا۔ 23 مارچ 1940ء اور 23 مارچ 1971ء اکتیس سال پہلے قائداعظم کی صدارت میں لاہور میں جس ملک کے قیام کی قرارداد پاس کی گئی تھی اس کے قیام کے صرف 23 سال سات ماہ اور نو دن بعد بنگلہ بندھو اور قائد عوام نے اس کے ٹکڑے کردیئے تھے اور ایک سازشی جرنیل نے اس میں بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ اس روز یحییٰ خان نے ڈھاکہ میں موجود مغربی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں میاں ممتاز دولتانہ اور خاں عبدالولی خاں کو شیخ مجیب کے پاس بھیجا لیکن وہ قائد عوام اور فوج کے تعاون کے سامنے جھکنے پر تیار نہ ہوا۔ اگر اسے ہی متحدہ پاکستان سے کوئی محبت ہوتی تو وہ لازماً" کوئی صورت نکال سکتا تھا لیکن اس کا تو وہ مشن پورا ہو رہا تھا جو بھارت نے اس کے ذمہ لگایا تھا اس مشن کی تکمیل میں ذوالفقار علی بھٹو نے اپنی ساری سیاسی اور مذاکراتی مہارت سے اس کا ہاتھ بٹایا تھا اور جنرل آغا محمد یحییٰ خان قزلباش نے اپنے جملہ اختیارات سے اس کام میں تعاون کیا تھا۔

یحییٰ خان کہتے ہیں کہ میں نے ان لیڈروں سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے تو انہوں نے جواب دیا "سر! آپ جو مناسب سمجھتے ہیں کریں" اس کے بعد انہوں نے مغربی پاکستان کے قائد عوام سے یہی سوال کیا تو اس نے بقول یحییٰ خان جواب دیا "فوج کیا کر رہی ہے؟ ملک میں غداری، سول نافرمانی، خانہ جنگی کے موقع پر فوج کو وہی کرنا چاہئے جو فوجی کیا کرتے ہیں" اور پھر پچیس اور چھبیس مارچ کی درمیانی شب کے بارہ بجے جب جنرل آغا محمد یحییٰ خان سری لنکا کی فضاؤں میں جام پر جام لنڈھا رہے تھے اور قائد عوام فخر ایشیا ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کی کھڑکی کھولے کھڑے تھے تو بعد میں ان کے وزیر دفاع بننے والے جنرل ٹکا خاں شہر میں وہی کچھ کر رہے تھے جو بقول فخر ایشیا فوجی ایسے حالات میں کیا کرتے ہیں دوسرے روز جب وہ رات بھر ڈھاکہ میں اپریشن سرچ لائٹ کا نظارہ کرنے کے بعد واپس آ رہے تھے تو انہوں نے

کہا تھا "خدا کا شکر ہے پاکستان بچ گیا" لیکن ان کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے باوجود پاکستان نہ بچ سکا اصل میں بھٹو نے خدا تعالیٰ کا شکر پاکستان بچ جانے پر نہیں ٹوٹ جانے پر ادا کیا تھا۔

عملی طور پر یہ ممکن نہیں تھا کہ ادھر فخر ایشیا فوج کو وہی کچھ کرنے کا مشورہ دیں جو وہ ایسے حالات میں کیا کرتی ہے اور فوراً ہی وہ ایسا کرنا شروع کر دے اتنے بڑے آپریشن کی لائٹ کوچہ و بازار اور گھر گھر پہنچانے کے لئے طویل منصوبہ بندی کرنا پڑتی ہے فوج نے اس کے لئے طویل منصوبہ بندی کر رکھی تھی آخر کیوں؟ اسے معلوم تھا کہ شیخ مجیب اور آغا محمد یحییٰ خان قزلباش کے درمیان مذاکرات ناکام ہو جائیں گے؟ ہاں اسے معلوم تھا یقیناً" اسے معلوم تھا۔ پاکستان پیپلز پارٹی سنٹرل کمیٹی کے رکن اور ذوالفقار علی بھٹو کو "قائد عوام" کا لقب دینے والے پنجاب کے ایک سابق وزیر اعلیٰ میاں محمد حنیف رامے نے ایک انٹرویو میں مجھے بتایا کہ یحییٰ خان کو مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن کا مشورہ اور منصوبہ ذوالفقار علی بھٹو نے دیا تھا۔ یہ نظریہ کہ بنگال کے لوگ ہمیشہ سے باتوں کی بجائے لاتوں سے مانتے رہے ہیں۔ پیپلز پارٹی کے نظریاتی بانی جے اے رحیم نے پیش کیا تھا اس سلسلہ میں انہوں نے جو تھیسس لکھا اس میں اپنے علم اور تاریخی حوالوں سے بھرپور مدد لی اور یہ نتیجہ اخذ کیا گیا تھا کہ مشرقی پاکستان کے لوگ فوج کی گولی اور آپریشن کے ذریعے ہی ٹھیک ہو سکتے ہیں۔ یہ نظریہ پیش کرنے والا تھیسس تیار کرنے والا جے اے رحیم خود نسلاً" بنگالی تھا یہ تھیسس پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی کے اجلاس میں پیش کیا گیا تھا اور بقول حنیف رامے ان کے علاوہ کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی تھی۔ سنٹرل کمیٹی کی منظوری کے بعد ذوالفقار علی بھٹو یہ تھیسس لے کر خود راولپنڈی گئے تھے اور یحییٰ خان کو پیش کیا تھا یہ انٹرویو میں نے اپنے رسالہ "دید شنید" میں مئی 1986ء میں شائع کیا تھا۔ اس وقت جے اے رحیم ابھی زندہ تھے نہ اس کی انہوں نے تردید و وضاحت کی نہ پیپلز پارٹی کی اس وقت کی سنٹرل کمیٹی کے کسی رکن نے۔ جے اے رحیم کی وفات پر ڈاکٹر مبشر حسن نے کراچی کے انگریزی روزنامہ "ڈان" میں ان کے بارے میں جو مضمون لکھا تھا اس میں بھی اس طرف اشارہ ملتا ہے۔ آغا محمد یحییٰ خان قزلباش کے جس انٹرویو کا میں حوالہ دیتا ہوں وہ معروف صحافی منیر احمد نے کیا تھا اور ان کی کتاب "المیہ مشرقی

پاکستان کے پانچ کردار" میں شامل ہے اس انٹرویو کے دوران منیر نے یحییٰ خان سے پوچھا" ملٹری ایکشن بھٹو نے تجویز کیا تھا؟" بالکل" یحییٰ خان نے جواب دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خاں کے دور میں پاک افواج کے کمانڈر انچیف کو مشرقی پاکستان میں بیس ہزار افراد مار دینے کا جو مشورہ دیا تھا وہ اس نے مارچ 1971ء میں پورا کر دیا لیکن معاملہ بیس ہزار آدمی مارنے سے سلجھ نہ سکا یہ مشورہ قبول کرنے کے نتیجہ میں بابائے قوم کا پاکستان ٹوٹ گیا جس کے تحفظ کی قسم ذوالفقار علی بھٹو نے 28 فروری 1971ء کو بادشاہی مسجد کے میناروں کو گواہ بنا کر کھائی تھی۔ 28 فروری 1971ء کو وہ ملک کے جس حصہ کے دو صوبوں کے قائد عوام تھے بیس دسمبر 1971ء کو اس پورے حصہ کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بن چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فخر ایشیا کو اپنی قسم پوری کرنے کی توفیق تو نہ دی لیکن پورے حصہ ملک کی حکمرانی عنایت کر دی اللہ تعالیٰ جب اپنے "نیک بندوں" کے دل کی دھڑکنوں کی آواز سن کر ان کو نوازتے ہیں تو چھت پھاڑ کر اور ملک توڑ کر دیتے ہیں۔ جس روز قائد عوام نے مینار پاکستان کے زیر سایہ پاکستان کی سالمیت کے تحفظ کی قسم اٹھائی تھی اسی روز ان کے سیکرٹری اطلاعات اور معتمد ساتھی مولانا کوثر نیازی کے رسالہ "شہاب" کا جو شمارہ بک رہا تھا اس کی ٹائٹل سٹوری کا عنوان تھا "اگر آپ کو پاکستان کے عوام سے محبت ہے تو آؤ سب مل کر نعرہ لگائیں کہ ہم ایک پاکستان کے خلاف ہیں" اور ساتھ "قائد عوام" کی تصویر تھی۔

8

غیرت کی موت

برصغیر کے مسلمانوں کی صدیوں پر محیط جدوجہد کے نتیجہ میں قائم ہونے والا پاکستان بنگلہ بندھو اور قائد عوام کی ملاقات کے نتیجہ میں سیاسی طور پر 22 مارچ 1971ء کو ٹوٹ گیا تھا۔ جی ڈبلیو چوہدری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے "مجیب اور بھٹو کو پاکستان اور اقتدار میں سے ایک چیز کا انتخاب کرنا تھا دونوں نے پاکستان پر اقتدار کو ترجیح دی" چوہدری رازہائے درون خانہ کے جاننے والے تھے مگر اس علیحدگی کے بعد بھی ابھی ایک فیصلہ ہونا باقی تھا بنگلہ بندھو اور فخر ایشیا کے اقتدار کی راہ میں کروڑوں "احمق" عوام اور لاکھوں جانفروش جوان حائل تھے۔ حماقت اور جانفروشی کی یہ چٹانیں سر کرنا باقی رہ گیا تھا یہ مرحلہ 16 دسمبر 1971ء کو مکمل ہوا۔ بنگلہ بندھو نے درمیانی مدت جیل میں' قائد عوام نے راولپنڈی سے پیکنگ اور نیویارک تک کے ہوٹلوں میں' جنرل آغا محمد یحیٰی خان قزلباش نے مدہوشی میں' سیاستدانوں نے مجرمانہ خاموشی میں اور فوج کے جانفروش نوجوانوں نے مشرقی پاکستان کے دریاؤں اور ندی نالوں میں سفر اور مورچوں میں گزاری۔ اس توڑ پھوڑ میں نو مہینے بھی پورے نہ لگے ایک روز کم رہا۔ جس آپریشن میں اندرا گاندھی' پڈگورنی' آغا محمد یحیٰی خان قزلباش' ذوالفقار علی بھٹو اور شیخ مجیب الرحمٰن جیسے اعلیٰ دماغ ایک دوسرے کا ہاتھ بٹا رہے ہوں اس میں تاخیر کیوں ہو؟ اور کیسے ہو؟

ابلاغ کے سمعی اور بصری ذرائع کی ترقی کے اس دور میں جب دنیا کے ایک حصہ میں کھیلے جانے والے کرکٹ میچ میں پھینکے گئے بال کی پوزیشن کروڑوں میل دور بیٹھے ناظرین بھی اچھی

طرح دیکھ سکتے ہیں سقوط ڈھاکہ کے اتنے سال بعد بھی بنگلہ دیش اور پاکستان کے کروڑوں عوام پوچھ رہے ہیں اصل میں ہوا کیا تھا؟ اندرا گاندھی نے کہا ہم نے ہزاروں سال کی شکست کا بدلہ چکا دیا ہے شیخ مجیب اور ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار کے حصول کے مقاصد بھی پورے ہو گئے ہزاروں لاکھ جانوں اور عصمتوں کی قربانی سے حاصل کردہ پاکستان کے ٹوٹنے سے فائدہ کسے پہنچا؟ اندرا کو شیخ مجیب کو اور ذوالفقار علی بھٹو کو۔ پاکستان پیپلز پارٹی کے دیگر "محب وطن" رہنماؤں اور جیالے کارکنوں کو بھی چھوٹی موٹی کرسی یا سیمنٹ اور گاڑی کا ایک آدھ لائسنس میسر آگئے مگر پورے ملک کے مسلمان بابائے قوم کے پاکستان سے محروم ہو گئے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی ہزاروں سال پر محیط تاریخ میں پہلے سیاہ باب کا اضافہ ہو گیا۔ مسلمان قوم کی پیشانی پر ذلت اور رسوائی کا انمٹ داغ لگ گیا۔ کس نے کیا پایا اور کس نے کیا کھویا؟ نہ عوام نے سوچنے کی ضرورت محسوس کی نہ قائدین نے اس پر کبھی غور کیا قوم کے مجرم اور محسن کی پہچان کی نہ قوم کو ضرورت محسوس ہوئی نہ کسی دائیں بائیں کے دانشور کو۔ پورے کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا مگر یہ سوال اپنی جگہ جواب طلب رہا کہ آخر ہوا کیا تھا؟ اس سوال کے جواب کی تلاش میں ہم یہاں المیہ مشرقی پاکستان کے کرداروں میں سے تین آغا محمد یحییٰ خان قزلباش، ان کے چیف آف جنرل سٹاف جنرل گل حسن اور اس وقت کے پاک فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل اے رحیم خاں کے انٹرویوز کے کچھ حصے پیش کرتے ہیں مکمل انٹرویو آتش فشاں پبلی کیشنز لاہور کی شائع کردہ کتاب "المیہ پاکستان کے کردار" میں شامل ہیں۔

جنرل آغا محمد یحییٰ خان قزلباش نے انٹرویو کے شروع میں کہا "مجھے نظر بند کرنے کے بعد بھٹو نے مجھ پر تین پابندیاں لگائی تھیں (1) آپ پریس سے ملاقات نہیں کر سکتے (2) آپ کسی قسم کا بیان جاری نہیں کر سکتے (3) آپ براہ راست یا بالواسطہ کسی طرح بھی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے" کیوں؟ اس کا جواب بھی ہم بعد میں تلاش کریں گے پہلے یحییٰ خان قزلباش کا موقف سن لیں۔

س:- جنرل نیازی نے آپ کے حکم کے تحت ہتھیار ڈالے تھے؟

ج:- مشرقی پاکستان کے گورنر ڈاکٹر عبدالمالک کا سگنل آیا کہ ہمیں ہتھیار ڈالنے کی

اجازت دیں۔ ایڈمرل احسن اے آر خاں اور گل حسن میرے پاس بیٹھے تھے میں نے وہ سگنل پڑھا اور جواب لکھوایا "نیازی آپ مشرقی پاکستان کے محاذ پر سینئر ترین فوجی افسر ہیں آپ ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی ہیں وہاں کے انڈی پینڈنٹ کمانڈر ہیں تم میری نسبت صورت حال زیادہ بہتر جانتے ہو گورنر کو کنسلٹ کرو اور یو این او کو بو لو سیز فائر کرا دیں۔ جب سیز فائر ہوتا ہے اور کمانڈر آپس میں ملتے ہیں تو کوئی سمجھوتہ ہو جاتا ہے۔ یہ کچھ کرو لیکن دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا"

س:- آپ نے نیازی سے کہا تھا کہ دوست مدد کو آ رہا ہے؟

ج:- نہیں یہ غلط ہے ساتواں بحری بیڑہ ڈرامہ تھا بالکل نہیں آ رہا تھا۔

س:- ٹائیگر نیازی کا موقف ہے کہ اسے پیغام دیا گیا تھا کہ اگر تم نے مشرقی پاکستان کے محاذ پر ہتھیار نہ ڈالے تو پھر مغربی پاکستان بھی جا رہا ہے؟

ج:- بکتا ہے۔ مغربی پاکستان کیا میانوالی جا رہا تھا؟ جھوٹا آدمی ہے اس کی دلیل کی بنیاد جھوٹ ہے۔

س:- مغربی پاکستان سے آپ نے آرمرڈ ڈویژن کیوں لانچ نہ کیا۔؟

ج:- اس میں بھی بھٹو کا قصور ہے۔ بھٹو نے رحیم خاں کو کہہ دیا تھا جس پر رحیم مجھے کہنے لگا کہ فوج کو انڈین علاقے میں دور تک نہیں جانا چاہئے میرے جہاز وہاں تک نہیں پہنچ سکتے۔ بری فوج ایئر فورس کے بغیر نہیں لڑ سکتی پھر آرمی کیا کرتی؟

س:- آپ کو کیسے پتہ چلا کہ ایئر مارشل رحیم خاں کو بھٹو نے ایسا کرنے پر اکسایا؟

ج:- رحیم بھٹو کا دوست تھا گل حسن بھی اس کا دوست تھا اس نے دونوں کو کہا ہو گا۔

س:- 1971ء میں آپ نے نیپ پر پابندی کیوں لگائی؟

ج:- اس میں بھی بھٹو کا گہرا ہاتھ ہے۔

س:- اس نے آپ سے کہا تھا کہ نیپ کے ساتھ یہ سلوک کرو؟

ج:- بھٹو نے میرے ساتھ لنچ کیا اور اس دوران کہنے لگا سر! آپ اسے کب بند کریں گے یہ تو بڑا تنگ کر رہا ہے۔ انٹیلی جنس والوں سے پوچھیں بد قسمتی ہے کہ اگر انٹیلی جنس والوں سے پوچھتے تو وہ کہہ دیتے کہ ہاں گڑ بڑ کر رہا ہے۔

س:- جس طرح آپ ولی خاں کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو گئے کہیں مجیب کے بارے میں تو ایسا نہیں تھا؟

ج:- مجیب کنفرم غدار تھا اگر تلہ سازش اس کا زندہ ثبوت ہے۔ مجیب انڈیا کا ایجنٹ تھا، البتہ بھٹو نے مجھے یہ بات ضرور کہی تھی جب میں ایران میں بادشاہت کے اڑھائی ہزار سالہ جشن پر ایران جا رہا تھا تو بھٹو مجھے کہنے لگا جانے سے پہلے اسے ختم کر جاؤ نہیں تو تمہارے اوپر پریشر پڑیں گے روس کے ایران کے سپر پاورز کے وہ تمہیں پریس کریں گے کہ اسے چھوڑ دو تم جانے سے پہلے ہی اسے ختم کر جاؤ۔ بھٹو کی خواہش تھی میں مجیب کو ختم کر دوں نور الامین اور محمود علی نے بھی ایک بار یہی کہا تھا۔

س:- آپ نے چین کے ساتھ فوجی معاہدہ کیا ہوتا تو ہم سقوط سے بچ نہ جاتے؟

ج:- کیا گارنٹی تھی چین بھی تو بغیر سوچے سمجھے کچھ نہ کرتا بڑا سوچتا اور جب وہ سوچتا رہتا تو سقوط ہو چکا ہوتا۔

س:- آپ نے جو وفد چین بھیجا تھا جس میں بھٹو بھی تھے اس نے واپس آکر کیا کہا؟

ج:- بھٹو نے مجھے آکر کہا تھا کہ چین کہتا ہے انڈیا پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا آپ اسے مت چھیڑیں۔

س:- چین سے واپسی پر گل حسن اور رحیم خان نے آپ کو کیا بتایا تھا؟

ج:- انہوں نے مجھے فوجی نوعیت کی کوئی بات نہیں بتائی تھی مجھے صرف یہ بتایا کہ میں چو این لائی کے پاس گیا موزے تنگ سے ملا۔

س:- اگر بھٹو یو این او کے اجلاس کے موقع پر بیمار نہ ہوتے یا پولینڈ کی قرارداد پھاڑنے کی بجائے اسے مان لیتے تو کیا مشرقی پاکستان بچ جاتا؟

ج:- بیمار نہیں ہوا تھا شراب زیادہ پی لی تھی۔ رات کو مجھے ٹیلی فون کرتا ہے میں بات کرتا ہوں تو سنتا نہیں۔ کراچی میں ہمارا آپریٹر بول رہا تھا کہ صاحب! صدر صاحب بول رہے ہیں شراب اتنی پی رکھی تھی کہ اسے ہوش نہ تھا۔ آپریٹر اسے بتا رہا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں یہ حالت تھی اس کی۔

س:- آپ نے اسے کہا قرارداد مان لو؟

ج:- وہ میری بات ہی نہیں سنتا تھا۔

س:- آپ کی خواہش تھی کہ مان لے۔؟

ج:- وہ مجھے قرارداد بھیجتا تو میں دیکھتا کہ اس میں کیا ہے اسے چاہئے تھا کہ ٹیلی پرنٹر پر قرارداد مجھے بھیجتا اس نے بھیجی ہی نہیں۔

س:- آپ پولینڈ کی قرارداد سے بے خبر رہے؟

ج:- آپ فارن آفس سے پوچھیں سلطان محمد خاں فارن سیکرٹری تھے انہوں نے بھی مجھے وہ قرارداد نہیں پہنچائی۔

س:- فارن آفس نے بڑی جرأت کی جو آپ کو بے خبر رکھا۔؟

ج:- فارن آفس کو بھی بھٹو ہی کنٹرول کر رہا تھا۔

س:- حیرانی کی بات ہے آپ قرارداد سے بے خبر رہے اسے تو عالمی پریس نے بھی خوب اچھالا پھر خبر آئی کہ بھٹو نے اسے مسترد کر دیا ہے؟

ج:- بھٹو نے مسترد کر دی تھی ناجی۔

اس وقت کے چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن نے منیر احمد منیر کے سوالات کے جواب دیتے ہوئے کہا۔

س:- آپ کے دورہ چین کے سلسلے میں ایک بات بہت مشہور ہوئی کہ وہاں آپ نے ایئر مارشل رحیم اور ذوالفقار علی بھٹو نے ایک سازش تیار کی تھی جس کا تعلق سقوط ڈھاکہ یحییٰ خان کے استعفیٰ اور بھٹو کو اقتدار کی منتقلی سے تھا؟

ج:- اس وفد میں فوج کی طرف سے میں، فضائیہ کی طرف سے ایئر مارشل رحیم، نیوی کا نمائندہ وزارت خارجہ کی طرف سے سلطان محمد خان اور سیکنڈ سیکرٹری بنگالی نوجوان تبارک حسین اور عوامی نمائندے کے طور پر مسٹر بھٹو شامل تھے۔ تبارک حسین بنگلہ دیش میں سیکرٹری خارجہ اور پھر سیکرٹری جنرل بنا اور بعد میں اسے یو این او میں بنگلہ دیش کا نمائندہ مقرر کیا گیا۔ ڈرائنگ روم میں رات بھٹو نشہ میں دھت تھا اور اس کا اس بنگالی نوجوان سے جھگڑا ہو گیا۔ بھٹو نے اسے بہت گالی دی۔ ہم سخت حیران ہوئے کہ یہ شخص کیا کر رہا ہے ہم نے کہا یہ طریقہ تو اچھا نہیں۔ کہنے لگا جب میں ڈرائنگ

روم میں آیا ہوں تو یہ میرے لئے کھڑا کیوں نہیں ہوا اس کے بعد بے ربط سی باتیں کرتا رہا۔ رات بارہ بجے میٹنگ میں ہم نے چین کے وزیر دفاع مارشل زیمہ کو اپنی اسلحہ کی ضروریات لسٹ دی اس نے ہمارے ساتھ اتفاق کیا اور پھر بھٹو کی طرف دیکھا تو بھٹو نے وہاں ایسی معذرت خواہانہ تقریر کی کہ ہمیں شرم آنے لگی۔ چین میں یہی کچھ ہوا چین میں ہم نے کوئی سازش نہیں کی۔ پھر ہم سازش کے لئے چین کیوں جاتے ہمیں کیا پتا کہ حساس آلات کہاں نصب ہیں سازش تو یہاں بھی ہو سکتی تھی۔

س:- یحییٰ خان کہتے ہیں کہ جنرل گل حسن اور ایئر مارشل رحیم نے چین کے دورے کے بعد مجھے فوجی نوعیت کی کوئی بات بتائی ہی نہیں؟

ج:- بھٹو وفد کا سربراہ تھا یحییٰ خان سے بھٹو نے بات کی تھی۔ میں نے حمید سے بات کر دی تھی۔

س:- آپ کو چین کی طرف سے فوجی معاہدہ کی آفر تھی؟

ج:- ہم نے چین سے پوچھا ہی نہیں

س:- جنرل یحییٰ خان کہتے ہیں کہ بھٹو نے مجھے یقین دلایا تھا کہ چین کہتا ہے کہ انڈیا پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا۔؟

ج:- بھٹو نے مجھے بھی یہی کہا تھا کہ انڈیا پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا۔ یحییٰ خان کو اس نے کیا بولا یہ مجھے پتہ نہیں۔

س:- بھٹو نے چین کے دورے کے دوران یہ کہا تھا؟

ج:- نہیں چین جانے سے پہلے

س:- چو این لائی نے اس موضوع پر کچھ کہا؟

ج:- انڈیا کے پاکستان پر اٹیک کرنے یا نہ کرنے کے ضمن میں چو این لائی نے ہمیں کچھ نہیں کہا اگر بھٹو سے کچھ کہا ہو تو اس کا ہمیں علم نہیں۔

س:- نیازی کی اس دلیل میں کہاں تک صداقت ہے کہ اگر میں مشرقی پاکستان میں ہتھیار نہ ڈالتا تو مغربی پاکستان بھی ہاتھ سے نکل جاتا؟

ج:- نیازی کی یہ دلیل غلط ہے۔

س :- یحییٰ خان کہتا ہے کہ انہوں نے نیازی سے کہا تھا کہ سیز فائر کرلو لیکن دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔؟

ج :- جہاں تک مجھے یاد ہے اس سگنل میں "ہتھیار ڈال دو" کے الفاظ قطعاً موجود نہیں تھے یہ سگنل میں نے ہی نیازی کو بھیجا تھا۔ نیازی سے صرف اتنا کہا گیا تھا کہ سیز فائر کرلو انڈین فوجوں کے آگے ہتھیار ڈالنے کی قطعی طور پر کوئی ہدایت یا حکم موجود نہیں تھا۔

س :- نیازی کہتا ہے کہ میں بار بار یحییٰ خان سے بات کرنے کی کوشش کرتا لیکن گل حسن اور حمید ملتے اور یہی کہتے کہ یحییٰ خان باتھ روم میں ہے مجھے معلوم تھا کہ وہ پی پلا کر کہیں اوندھا ہو چکا ہو گا میں نے جل کر کہا کہ وہ ایک گھنٹے سے باتھ روم میں ہے اسے کہو مجھ سے بات کرے جواب میں پھر یہی کہا گیا کہ وہ بات نہیں کر سکتا میں نے گالی دے کر رابطہ منقطع کر دیا۔؟

ج :- نیازی کی تو جرأت نہیں تھی کہ یحییٰ خان سے بات بھی کرتا نیازی تو میرے ساتھ بھی بات نہیں کر سکتا تھا یحییٰ خان سے کیا بات کرتا۔ میں تو اس سے کبھی بات ہی نہیں کرتا تھا صرف ایسٹ پاکستان کے سلسلے میں اس سے بات کرنا پڑتی۔

س :- ایسٹ پاکستان سے آپ کا رابطہ کب تک رہا؟

ج :- سقوط ڈھاکہ سے ایک روز پہلے تک۔ اس روز میں نے نیازی کو پیغام دیا تھا جو مجھے جنرل حمید سے ملا تھا ظاہر ہے حمید کو یحییٰ خان نے کہا ہو گا پیغام یہ تھا کہ "امریکہ اور چین آپ کی مدد کو آ رہے ہیں" نیازی سخت پریشان تھا اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا اس کی بری حالت تھی یہ صورتحال دیکھ کر میں نے نیازی سے کہا آپ کے پاس کوئی پشتو بولنے والا ہے تو ٹیلی فون اسے دے دو کیونکہ لائن بہت کلیئر تھی ایک پٹھان فون پر آیا میں نے اسے پشتو میں بتایا کہ چینی اور امریکی مدد کو آ رہے ہیں اس نے یہ پیغام نیازی کو دے دیا۔

س :- یہ تو ہم بھی سن رہے تھے کہ ساتواں بحری بیڑہ آ رہا ہے اصل پوزیشن کیا تھی؟

ج :- حمید نے کہا یہ پیغام بھیج دو ظاہر ہے اسے یحییٰ خان نے کہا ہو گا۔ حمود الرحمٰن کمیشن

نے مجھے پوچھا آپ نے یہ میسج پشتو میں پاس کیا۔ میں نے کہا ہاں وہ کہنے لگے جنرل حمید کہتے ہیں کہ یہ میسج آپ نے اپنے طور پر پاس کیا تھا۔ میں نے کہا جی ایچ کیو میں پیکنگ اور واشنگٹن سے براہ راست کوئی رابطہ نہیں رکھ سکتے تھے ظاہر ہے میرے سینئر افسر نے مجھے بتایا تھا اور وہ جنرل حمید تھے اتنی اہم نوعیت کی میسج میں اپنی طرف سے کیونکر پاس کر سکتا تھا جبکہ صورتحال کی نزاکت اور اہمیت مجھ پر پوری طرح آشکار تھی مجھے اس کا کوئی علم نہیں امریکہ آرہا ہے یا چین۔ میرا خیال ہے کہ جنرل حمید نے ذمہ داری سے بچنے کے لئے حمود الرحمٰن کمیشن کے سامنے یہ بات میرے سر مڑھ دی کہ یہ پیغام گل حسن نے اپنے طور پر پاس کیا تھا۔

س:- 3 مارچ کو بلایا گیا قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کیوں کیا گیا؟

ج:- کیونکہ بھٹو نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

س:- کوئی ثبوت؟

ج:- ایک آدمی نے مجھے بتایا اجلاس ملتوی ہو رہا ہے میں نے یحییٰ خان سے پوچھا اس نے کہا نہیں نہیں ملتوی نہیں ہو گا۔ اس کے بعد وہ کراچی گئے بھٹو سے ان کی ملاقات ہوئی اور میں نے اخبارات میں پڑھا اجلاس ملتوی کر دیا گیا ہے۔

س:- شیخ مجیب غدار تھا؟

ج:- میرا تو یہی خیال ہے۔ میں تو مجیب اور بھٹو دونوں کو غدار کہوں گا ہاں یہ فیصلہ ہونا باقی ہے کہ ان میں بڑا غدار کون تھا۔ جہاں تک مجیب کا تعلق ہے انڈیا کے ساتھ اس کے بہت ہی پرانے تعلقات تھے۔

س:- اس الزام میں کہاں تک صداقت ہے کہ مغربی پاکستان میں بھی بہت سا علاقہ سازش کے تحت دیا گیا اس سازش میں گل حسن اور ایئر مارشل رحیم شامل تھے تاکہ یحییٰ خان خاں کو نکال کر وقتی طور پر بھٹو کو لایا جائے بعد میں اس کو بھی چلتا کیا جائے؟

ج:- یہ سب غلط ہے۔

س:- مغربی بارڈر پر آرمرڈ ڈویژن کیوں نہ لانچ کیا گیا؟

ج:- لڑائی تو ایسٹ پاکستان میں ہو رہی تھی وہ ختم ہو گیا تو یہاں لڑائی جاری رکھنے کا

مقصد ختم ہو چکا تھا ہمارے ساتھ کون تھا؟

س:- جنرل یحییٰ خان کہتے ہیں کہ کچھ آپریشن جنرل حمید نے لانچ کرنے کا آرڈر دیا لیکن گل حسن نے وہ کینسل کر دیئے۔؟

ج:- ایک ہی آپریشن تھا جو میں نے کینسل کیا تھا وہ ڈیزرٹ آپریشن تھا۔ جنرل حمید نے ڈویژنل کمانڈر سے مل کر خود ہی آپریشن کا فیصلہ کر لیا مجھے بتایا ہی نہیں اس کی کیا کیا ضروریات ہیں۔ آپریشن سے دو روز پہلے راجستھان میں جی او سی کا سٹاف آفیسر میرے پاس آیا اس نے مجھے اپنی ضروریات سے آگاہ کیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے جنرل حمید سے ڈسکس کیا ہے وہ کہنے لگا جنرل حمید کہتے ہیں میں بہت مصروف ہوں۔ اُس نے کہا مجھے فلاں فلاں چیز کی ضرورت ہے۔ میں نے کہا میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا آپ نے پہلے کیوں نہیں بولا۔ وہ بولتا ہے کہ ہم جنرل حمید سے بولتا رہا وہ جواب دیتا ہو جائے گا لیکن اس نے کچھ نہیں کیا چنانچہ میں جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔ جب آپریشن لانچ ہوا تو پہلے ہی دن ہمارے 20 ٹینک تباہ ہو گئے کیونکہ ایئر سپورٹ نہ تھی اور فورس ایڈ منسٹریشن میں ملوث ہو گئی۔ میں نے حالات کا مطالعہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ It was ill -conceived and ill-planned. جانی نقصان بچانے کے لئے میرے پاس اس کے سوا کوئی حل نہیں تھا چنانچہ میں نے اپنی ذمہ داری پر یہ آپریشن کینسل کر دیا۔

س:- بھٹو کو یحییٰ خان سے اقتدار دلوانے میں آپ نے اور رحیم نے کیا رول ادا کیا؟

ج:- 19 دسمبر کو میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا گوجرانوالہ سے کرنل علیم آفریدی نے کہا فوج میں بہت بے چینی ہے آپ آئیں۔ میں نے انہیں بلا لیا۔ کرنل آفریدی اور میری رجمنٹ کے کرنل جاوید اقبال پنڈی پہنچ گئے انہوں نے بتایا فوج میں بے چینی ہے وہ چاہتے ہیں اقتدار سویلین کو دیا جائے میں نے بولا وہ تو صدر کہہ چکے ہیں کہ وہ ایسا کر دیں گے۔ انہوں نے کہا ٹروپس آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے بولا میں بہت مصروف ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ بریگیڈیئر ایف بی علی کو بھیج دیں۔ میں نے کہا میں آپ کے جی او سی سے بات کرتا ہوں۔ میں نے میجر جنرل کریم سے بات کی جو جی او سی

تھے انہوں نے کہا مشرقی پاکستان کی وجہ سے جوان سخت دلبرداشتہ ہیں ان کے جذبات ابھرے ہوئے ہیں۔ میں نے ایئرمارشل رحیم کو فون کر کے بلایا ان سے مشورہ کیا پھر ہم جنرل حمید کے پاس گئے اور انہیں بتایا پھر ہم تینوں یحییٰ خان کے پاس گئے وہ پوچھتا کیا بات ہے میں نے کہا سر آپ بھی سپاہی ہیں میں بھی سپاہی ہوں ہم آرمی کی یکجہتی چاہتے ہیں پھر انہیں گوجرانوالہ کے بارے میں بتایا۔ انہوں نے کہا روئیداد خاں کو ٹیلی فون کریں کہ وہ ابھی اعلان کر دے کہ میں اقتدار چھوڑنے کے لئے تیار ہوں۔ میں نے روئیداد خاں کو ٹیلی فون کیا کہ پریذیڈنٹ اقتدار سویلین کو دینا چاہتے ہیں اس کے لئے اعلان کر دو۔ اس نے کہا آپ کہاں سے بول رہے ہیں میں نے بتایا۔ یحییٰ خان نے ٹیلی فون میرے ہاتھ سے لے لیا اور روئیداد خاں سے کہا جو گل کہتا ہے ٹھیک ہے۔ جنرل حمید نے ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس بریگیڈیئر اقبال کو گوجرانوالہ بھیجا اس نے مجھے فون کیا۔ Something fishy is going on اس لئے آپ گوجرانوالہ مت آئیں۔ میں نے کہا میں تو ویسے ہی نہیں آ رہا۔ بیس دسمبر کو میرے جی ٹو نے بتایا پریذیڈنٹ آپ کو بلا رہے ہیں پنجاب ہاؤس میں۔ میں حیران ہوا پریذیڈنٹ وہاں کیا کر رہے ہیں جونہی میں سٹنگ روم میں داخل ہوا بھٹو بیٹھے تھے فوراً کھڑا ہو گیا میرے گلے لگ گیا رونے لگا "آؤ ہم ماضی کو بھول جائیں اور مستقبل کی فکر کریں" کہنے لگا "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آرمی کا چارج بھی سنبھال لوں" اور بتایا کہ یحییٰ خان نے اسے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بنا دیا ہے۔ بتاؤ میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں میں نے اسے کہا مجھے مزید کسی عہدے کی ضرورت نہیں میں یہیں سے ریٹائرڈ ہونا چاہتا ہوں اس نے کہا میں آج ہی قوم سے خطاب کر رہا ہوں۔ میں نے کہا میں تنہائی میں بیٹھ کر غور کر لوں۔ میں نے کہا چائے کا کپ بھیج دو۔ اس نے بھجوا دیا میں سوچ رہا تھا کہ جے اے رحیم کہنے لگا سر آپ نے فیصلہ کر لیا؟ میں نے غصہ میں کہا گیٹ آؤٹ اور دروازہ بند کر لیا۔ نصف گھنٹہ بعد میں سٹنگ روم میں بھٹو کے پاس گیا اور کہا ٹھیک ہے میں تیار ہوں رات کو اپنے خطاب میں انہوں نے مجھے فوج کا کمانڈر انچیف اناؤنس کیا۔

س:- جلد ہی آپ کے اور بھٹو کے درمیان کشیدگی پیدا ہو گئی سنا ہے آپ اور ایئر مارشل رحیم ان کا تختہ الٹنا چاہتے تھے انہیں پتہ چل گیا انہوں نے باڈی گارڈز کے ذریعہ آپ کو اور رحیم کو حراست میں لے لیا اور سفیر بنا کر باہر بھیج دیا۔؟

ج:- کچھ نوجوان آفیسرز بھٹو سے سخت ناراض تھے میں نے ہر کسی کو بتا دیا تھا میں اس کے ساتھ نہیں چل سکتا استعفیٰ دینا چاہتا ہوں کچھ افسروں نے کہا ایسا نہ کریں۔ میں نے کہا اگر ہم الٹ دیں تو لوگ کہیں گے فوج پھر آگئی۔ 3 مارچ کو پریذیڈنٹ ہاؤس میں مجھے میٹنگ پر بلایا۔ 2 مارچ کو میرا ٹیلی فون کاٹ دیا گیا بہرحال میں ایوان صدر گیا۔ ایئر مارشل رحیم نیوی کا ایڈمرل ڈیفنس سیکرٹری جتوئی پیرزادہ جے اے رحیم، رفیع رضا، ممتاز بھٹو، جنرل اکبر سب وہاں تھے۔ بھٹو میرے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا کہا پولیس کی ہڑتال میں فوج اور ایئر فورس نے ہمارا ساتھ نہیں دیا اس طرح ہم اکٹھے نہیں چل سکتے۔ میں نے کہا میں تو نوکری کرنا ہی نہیں چاہتا تھا کسی کے پاس قلم اور کاغذ ہو تو ابھی مستعفی ہوتا ہوں۔ رفیع رضا دو فائلیں اٹھائے ہوئے تھے اس نے ایک مجھے دے دی ایک رحیم کو ان میں ہم دونوں کے استعفے ٹائپ کر کے تیار رکھے تھے۔ جتوئی نے مجھے پین دے دیا میں نے دستخط کر کے فائل بھٹو کی طرف پھینک دی رحیم نے بھی دستخط کر دیئے اسی دن وہ ہمیں لاہور لے گئے۔ ہم گورنر ہاؤس میں ٹھہرے۔ 4 مارچ کو بھٹو سے ہماری ملاقات ہوئی کہنے لگا میں آپ کو ملک سے باہر بھیجنا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے یہ آپ کے لئے بھی اچھا ہو گا میرے لئے بھی اچھا ہو گا۔ رحیم نے کہا وہ سپین جانا چاہتا ہے میں نے کہا میں آسٹریا جانا چاہتا ہوں۔ بھٹو وی آنا آیا تو اس نے ایتھنز سے مجھے میٹنگ کے لئے بلایا کہنے لگا کھر میرے لئے بہت مسائل پیدا کر رہا ہے پھر اسے بڑی گالی والی دی۔ میں نے کہا آپ میں تو بڑی گہری چھنتی تھی۔ بولا آپ ہی اس کے ذمہ دار ہیں آپ نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ آپ (کھر) پنجاب کے تاحیات گورنر ہوں گے۔ میں بولا یہ تو بڑی عجیب بات ہے کہ میں نے کہا تھا کھر تاحیات گورنر ہو گا حالانکہ میں تو اسے قطعاً پسند نہیں کرتا تھا۔ پھر میں نے بھٹو کو یاد دلایا کہ ابھی آپ اقتدار میں نہیں آئے تھے۔ دسمبر کا مہینہ تھا آپ میرے گھر آئے اور اپنے ایک ساتھی کو باہر برآمدے

میں بٹھا آئے۔ میں نے پوچھا کون ہیں آپ نے کہا کوئی آدمی ہے۔ میں نے کہا اسے اندر بلالیں اسے باہر نمونیہ ہو جائے گا۔ یہ کھر تھا میں نے کب کہا تھا اسے تاحیات گورنر بنا دیں گے کہنے لگا کھر جھوٹا بہت ہے میں بولا آپ دونوں میں سے مجھے پتہ نہیں چل سکا بڑا جھوٹا کون ہے۔

اب اس وقت کے پاک فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل اے رحیم خاں کے طویل انٹرویو سے بعض حصے دیکھیں۔

س:- بقول جنرل یحیٰی خان مغربی پاکستان میں سٹرائیک فورس اس لئے لانچ نہ ہو سکی کہ بھٹو کے کہنے پر آپ نے ایئر سپورٹ دینے سے انکار کر دیا تھا؟

ج:- اسے میں حقائق کو مسخ کرنا ہی کہوں گا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ 13 دسمبر 1971ء کو میں نے سٹرائیک فورس کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل ٹکا خاں سے فون پر دریافت کیا کہ وہ سٹرائیک فورس لانچ کیوں نہیں کر رہے۔ ٹکا خاں نے مجھے جواب دیا کہ جی ایچ کیو سے آرڈر آتا ہے ٹینک ٹرین میں لوڈ کر دو ٹینک لوڈ کر دیئے جاتے ہیں پھر آرڈر آتا ہے ٹینک ٹرین سے اتار لئے جائیں ابھی نہیں کرنا ہم ٹینک اتار لیتے ہیں یہی ہو رہا ہے مجھے آج تک اس بات کا پتہ نہیں چل سکا کہ وہ آرڈر کون دیتا تھا' جنرل ٹکا خاں ہی اس پر روشنی ڈال سکیں گے۔ سٹرائیک فورس اس قسم کے احکامات کی تعمیل میں رہی کہ اتنے میں سیز فائر ہو گئی لیکن پوائنٹ یہ ہے کہ ہم نے بارہ دن ضائع کر دیئے پھر ایئر فورس پر کیا دوش رہ جاتا ہے۔ وہ ایئر فورس جو آگرہ تک مار کر آتی ہے وہ لدھیانہ تک کیوں نہیں جا سکتی تھی۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس صورت حال کی کوئی جنرل ذمہ داری ہی نہیں لے رہا۔

س:- یہ تو برا حال تھا؟

ج:- میں کیا بتاؤں آپ کو۔

س:- جنرل گل حسن نے بھی ڈیزرٹ آپریشن ایئر سپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے کینسل کیا تھا؟

ج:- اس ڈیزرٹ آپریشن کی پہلے سے منصوبہ بندی ہی نہ کی گئی تھی اس کا پروگرام

اچانک بنا جب میں نے اس کے متعلق سنا تو حیران رہ گیا۔

س:۔ اس کے لئے آپ سے ایئر سپورٹ مانگی گئی تھی؟

ج:۔ مانگی اور میں نے اس کے باوجود ایئر سپورٹ دی کہ ہم اس محاذ سے بہت دور بیٹھے تھے وہ محاذ کراچی سے بہت دور تھا سرگودھا سے بہت دور تھا ڈیزرٹ آپریشن تو لانچ ہی نہیں ہونا چاہئے تھا۔

س:۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں ہتھیار نہ ڈالے جاتے تو مغربی پاکستان بھی جا رہا تھا۔؟

ج:۔ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔

س:۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دورہ چین کے دوران آپ نے یحیٰی خان کو ہٹا کر بھٹو کو لانے کی سازش کی تھی؟

ج:۔ یہ بالکل غلط ہے سازش یہاں بھی ہو سکتی تھی اس کے لئے چین جانے کی کیا ضرورت تھی چو این لائی نے کہا کہ میرے خیال میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ نہیں ہوگی جبکہ ہمارا خیال اس کے برعکس تھا۔

س:۔ جنرل یحیٰی خان نے یہ بھی کہا ہے کہ گل حسن اور رحیم نے مجھے فوجی نوعیت کی کوئی بات نہیں بتائی تھی۔؟

ج:۔ ہم دونوں نے یحیٰی خان کو بتا دیا تھا کہ چین سے مزید کسی امداد کی توقع نہ کریں جو کچھ بھٹو نے انہیں بتایا اس کا مجھے علم نہیں وہ یحیٰی خان سے اکیلے ملے تھے تاہم جنرل یحیٰی خان نے مجھے بتایا کہ بھٹو کہتے ہیں کہ چین ہماری مدد کرے گا میں نے جنرل یحیٰی خان سے کہا کہ چین نے ایسی کوئی یقین دہانی نہیں کرائی۔

س:۔ سقوط ڈھاکہ کے بعد بھٹو پاکستان آتے ہوئے روم ٹھہرے تھے اور آپ نے ان کے لئے طیارہ بھیجا تھا کہتے ہیں پہلے وہ کابل کے راستہ آرہے تھے یحیٰی خان نے کہا ان کو طورخم سے داخل ہوتے ہی اڑا دیا جائے۔ آپ نے دھمکی دی کہ ایسا ہوا تو میں ایوان صدر اڑا دوں گا۔؟

ج:۔ مجھے پتہ نہیں وہ کیسے آرہے تھے۔ میں نے یحیٰی خان سے پوچھا کہ اب کیا ارادہ

ہے انہوں نے کہا جتنی جلدی ممکن ہو بھٹو کو پاکستان لایا جائے۔ میں نے کہا آپ کا مطلب ہے انہیں ہوائی جہاز بھیجا جائے۔ جنرل یحییٰ خان نے کہا ہاں ان کے لئے ہوائی جہاز بھیجیں یہ میرے آرڈرز ہیں۔ میں نے ان کے احکام کی تعمیل کی اور بھٹو کے لئے پی آئی اے کا بوئنگ روم بھیج دیا۔

س:- پھر آپ کی مداخلت سے بھٹو اقتدار میں آ گئے؟

ج:- 19 دسمبر کو جہاز بھیجا، 20 کو انہوں نے حلف اٹھا لیا یحییٰ خان کو معلوم نہیں تھا وہ الیکٹ ہو کر آیا ہے۔ مشرقی پاکستان کے جانے کے بعد بھٹو کی پارٹی ہی اکثریتی تھی۔

س:- گوجرانوالہ اور کھاریاں میں فوجی جوان یحییٰ خان کا استعفیٰ مانگ رہے تھے؟

ج:- جنرل گل حسن نے مجھے فون کیا گوجرانوالہ اور کھاریاں ایریا کے کچھ افسر آئے ہیں۔ میں جی ایچ کیو پہنچا تو تین کرنل بیٹھے تھے انہوں نے بتایا کہ ہمارے جی او سی کا نوجوان افسروں نے گھیراؤ کر رکھا ہے وہ یحییٰ خان کا استعفیٰ چاہتے ہیں۔ جنرل گل حسن اور میں جنرل حمید کو لے کر یحییٰ خان کے پاس گئے میں نے ان سے کہا اگر آپ آج ہی استعفیٰ دے دیں تو بہتر ہو گا ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیں کہ میں فوج سے بھی مستعفی ہو رہا ہوں اور اقتدار بھٹو کو منتقل کر رہا ہوں جنرل گل حسن نے سیکرٹری اطلاعات کو فون کیا کہ یہ ریڈیو پر اناؤنس کرا دو۔ میں واپس آ گیا۔

س:- بھٹو سے اختلافات کیسے ہوئے۔ کہا جاتا ہے آپ اور جنرل گل حسن ان کا تختہ الٹنا چاہتے تھے۔؟

ج:- نہیں نہیں ہمارا بھٹو سے کوئی اختلاف نہیں ہوا ہمیں 3 مارچ کو بلایا بھٹو نے ہم سے استعفیٰ مانگا ہم نے دستخط کر دیئے پھر کھر ہمیں گاڑی میں بٹھا کر لاہور لے گیا دوسرے روز واپس لائے بھٹو نے اپنے مشیروں کے مشورہ پر ہمیں سفیر بنا دیا۔

س:- سفارت سے مستعفی کیوں ہوئے؟

ج:- جب بھٹو پاور میں نہیں تھے تو ہماری آپس میں اکثر ملاقات رہتی تھی۔ میں ان سے پوچھتا تھا آپ اقتدار میں آ گئے تو کیا پاکستان دوسرے جمہوری ملکوں کی طرح ہو جائے گا جہاں پر چوتھے یا پانچویں سال قیادت بدل جاتی ہے۔ بھٹو جواب دیا کرتے تھے

یقیناً" پاکستان میں حکومت کا یہی طرز ہو گا۔ پھر جب وہ مغربی پاکستان میں جیت گئے تو مجھے بڑی خوشی ہوئی لیکن بعد کے واقعات نے ثابت کردیا کہ بھٹو جمہوریت کے روپ میں ڈکٹیٹر ہیں جب مجھے یقین ہو گیا کہ انہوں نے انتخاب میں دھاندلی کی ہے تو میرے لئے ان کی حکومت میں مزید نوکری کرنا ممکن نہ رہا۔

س:- آپ نے اور گل حسن نے اکٹھے فیصلہ کیا؟

ج :- نہیں استعفیٰ دینے سے پہلے میں نے گل حسن سے بات نہیں کی جب میں مستعفی ہو چکا تو مجھے گل حسن کا فون آیا میں نے انہیں بتایا تو وہ کہنے لگے میں بھی یہی کر رہا ہوں۔ میں نے کہا یہ آپ کی مرضی ہے۔

س:- بھٹو سے آپ کی دوستی کا آغاز کب ہوا؟

ج :- یہ جب کامرس منسٹر تھے تو ایک دفعہ ملاقات ہوئی' اس کے بعد 1965ء کی جنگ کے دوران یہ آپریشن روم میں آئے اس کے بعد جب انتخابی مہم کے سلسلہ میں پشاور آتے تو مجھ سے ملتے تھے۔

س:- مجیب کو اقتدار دیا جاتا تو ملک بچنے کے کتنے چانسز تھے؟

ج :- مجھے معلوم نہیں صورت کیا ہوتی مگر وہ مشرقی پاکستان کی اکثریتی پارٹی کا لیڈر تھا لیکن بھٹو نے اس سے انکار کردیا۔ میرے خیال میں یہ بھٹو صاحب ہی تھے جنہوں نے جنرل یحییٰ خان کی سوچ کا رخ بدل کر انہیں اپنا ہم نوا بنالیا تھا۔

س:- یحییٰ خان اتنے ہی کمزور آدمی تھے؟

ج:- جی ہاں

س:- وہ اتنے بے بس کیوں تھے؟

ج :- بھٹو صاحب کا ان پر خاصا ہولڈ تھا۔ بھٹو صاحب جنرل یحییٰ خانکی نسبت خاصے ہوشیار اور چالاک تھے۔

جنرل گل حسن نے سفارت سے مستعفی ہونے کے ساتھ ہی فوج سے بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹ دینے کی اپیل بھی کی تھی۔ انہوں نے استعفیٰ کے سلسلہ میں رحیم خاں سے مشورہ کے بارے میں سوال کے جواب میں کہا تھا کہ جب میں استعفیٰ لکھ چکا

تو رحیم کا ٹیلی فون آیا یہ کہتے ہیں جب میں استعفٰی لکھ چکا تو گل حسن کا ٹیلی فون آیا۔

ایک سابق کمانڈر انچیف اور صدر مملکت دوسرے پاک افواج کے سابق سربراہ اور تیسرے پاک فضائیہ کے سابق سربراہ تینوں کے انٹرویوز کو ایک ساتھ پڑھنے سے پہلی بات یہ واضح ہو جاتی ہے کہ حالات پر یحیٰی خان کی نسبت بھٹو کا زیادہ کنٹرول تھا۔ سیکرٹری خارجہ بھٹو کے ساتھ تھے یحیٰی خان یا پاکستان کے ساتھ نہیں۔ جنرل گل حسن اور رحیم خان بھٹو کے پرانے ہم نوالہ تھے اور اس کی سیاست اور سازش میں ملوث قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ پاکستان کی زندگی اور موت کی جنگ کے وقت بھی فوج میں کوئی سنٹرل کمانڈ نہیں تھی با اختیار جنرل خود مختار تھے جس کے جی میں جو آتا تھا کرتا تھا نہ کوئی پوچھنے والا تھا نہ کسی کو ملک کی فکر تھی سب کو اپنے مفاد سے غرض تھی سب اپنی اپنی ذات کے لئے کام کر رہے تھے۔ وزیر اعظم چین چو این لائی سے ملاقات "بھارت پاکستان پر حملہ نہیں کرے گا" اس سے منسوب کرنے اور یحیٰی خان کو دورہ چین اور مذاکرات کے بارے میں یحیٰی خان کو رپورٹ دینے کے بارے میں بھی تینوں مختلف باتیں کرتے ہیں۔ اسے کیا سمجھا جائے "دروغ گو را حافظہ نہ باشد" یا سازش چھپانے کی ناکام کوششیں؟

9

پاکستان کی شکست. بھٹو کی فتح

پاکستان کے دونوں حصوں کی سیاسی علیحدگی سے عملی علیحدگی تک کے نو ماہ میں جو اہم واقعات پیش آئے وہ اس طرح ہیں۔ مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن' بھارت کی مسلح مداخلت کے بعد مشرقی پاکستان پر بھارت کا حملہ' بھارت اور پاکستان کی جنگ' پولینڈ کی قرار داد اور ڈھاکہ میں جنرل نیازی کا ہتھیار ڈالنا' اس کے چار روز بعد ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار اور مارشل لاء کی منتقلی انہی حادثات کے نتیجہ میں عمل میں آئی اس لئے ضروری ہے کہ ان سب حادثات کا ترتیب وار جائزہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ قومی ٹوٹ پھوٹ کے اس عمل میں قوم کے کس قائد نے کیا رول ادا کیا۔

آغا محمد یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو کی آشنائی اس روز سے تھی جب اسکندر مرزا اور ایوب خاں کے حکم پر یحییٰ خان نے کراچی کے چیف آف جنرل سٹاف کی حیثیت میں ذوالفقار علی بھٹو کو لاڑکانہ سے کراچی بلانے کا فرض ادا کیا تھا۔ کراچی میں بھٹو نے پاکستان کے پہلے مارشل لاء میں ایوب خاں کے وزیر کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ ایوب خاں اس کی صلاحیتوں سے واقف نہیں تھے انہیں یہ تحفہ اسکندر مرزا نے پیش کیا تھا۔ بقول یحییٰ خان ذوالفقار علی بھٹو کے والد شاہنواز بھٹو' اسکندر مرزا کے دوست تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو اسکندر مرزا کو اکثر خطوط لکھا کرتے تھے ان میں سے ایک خط یحییٰ خان نے دیکھا جس میں ذوالفقار علی بھٹو نے اسکندر مرزا کو لکھا تھا۔

"قائداعظم تو قائداعظم تھے لیکن تم کو تو میں قائداعظم سے بھی بڑا سمجھتا ہوں" پھر اسکندر مرزا اس کے سر پر ہاتھ کیوں نہ رکھتے لیکن جب ایوب خان نے اسکندر مرزا کو نکال

دیا تو ذوالفقار علی بھٹو نے ایوب خاں کو ڈیڈی بنا لیا یحییٰ خان سے بھی تعلقات ختم نہیں کیے۔ یحییٰ خان کہتے ہیں وہ میرے گھر آتا رہا ہم اکٹھے گالف کھیلتے رہے جس روز ایوب خاں نے وزارت سے نکالا بھٹو سب سے پہلے یحییٰ خان کے گھر روتا ہوا گیا کہ "بابے نے مجھے نکال دیا ہے" اس سے پہلے وہ یحییٰ خان کو ایوب کو نکالنے کا مشورہ دیتا رہا تھا اور اس کے ملٹری آرم اور اپنے سیاسی بازو بننے اور ملک کو ترقی کے بام عروج تک پہنچانے کی تجویز پیش کرتا رہا تھا جن دنوں ملک کو بحران سے نکالنے کے لئے ایوب خاں اور ملک بھر کے سیاستدانوں میں گول میز کانفرنس چل رہی تھی ذوالفقار علی بھٹو اس کانفرنس کا تو بائیکاٹ کر رہا تھا مگر یحییٰ خان کے اور بھی قریب ہو گیا تھا اور بقول یحییٰ خان رات ساڑھے سات بجے کے بعد گھر پر اس سے ملنے آتا تھا۔ انہی قدیم اور نجی قسم کے تعلقات اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر بقول ایئر مارشل اے رحیم خاں، بھٹو نے یحییٰ خان پر خاصا ہولڈ کر لیا تھا۔

مشرقی پاکستان میں 20 ہزار آدمی مار دینے کا مشورہ وہ انتخابات سے پہلے ہی دے چکا تھا انتخابات کے بعد اس نے خود کہا تھا کہ ملک میں تین ہی قوتیں ہیں پاکستان پیپلز پارٹی، عوامی لیگ اور فوج۔ پاکستان پیپلز پارٹی نام تھا ذوالفقار علی بھٹو کا، باقی سب گرو راہ تھے۔ عوامی لیگ نام تھا شیخ مجیب الرحمن کا اور فوج کی علامت جنرل آغا محمد یحییٰ خان قزلباش تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو اقتدار سے باہر نہیں رہ سکتا تھا مجیب اسے اقتدار میں شامل نہیں کر رہا تھا اقتدار کی منزل کے حصول کے لئے ایک ہی راہ تھی کہ وہ ایک قوت کے ساتھ مل کر جو اس کی ہمدرد تھی تیسری قوت کا خاتمہ کر دے یا کرا دے۔ اسی خاتمہ کے لئے پہلے اس نے اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر دیا اور آرمی ایکشن کے اس پروگرام پر عمل کی راہ ہموار کر دی جس کا تھیسس جے اے رحیم نے تیار کیا تھا اور جس کی منظوری پاکستان پیپلز پارٹی کی سنٹرل کمیٹی نے دی تھی۔ یحییٰ خان کے خود تسلیم کرنے کے بعد کہ آرمی ایکشن انہوں نے بھٹو کے مشورہ پر کیا تھا اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ یحییٰ خان نے یہ مشورہ کیوں مانا؟ انتہائے سادگی میں یا کسی مشترکہ مفاد کی وجہ سے؟ اس سلسلہ میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بھٹو کی اس چال میں تو دائیں بازو کی جماعتیں اور جماعت اسلامی تک آ گئے تھے جو آرمی ایکشن کے ذریعے اس تیسری قوت کے خاتمہ میں عملی تعاون کر رہے تھے۔ یحییٰ خان تو بھٹو کا ہم پیالہ تھا۔

قائد عوام کے مشورہ کے مطابق فوج کے وہی کچھ کرنے کے آغاز کے ساتھ ہی "جو فوج ایسے حالات میں کیا کرتی ہے" عوامی لیگ کے بنگلہ بندھو کو بھی گرفتار کرلیا گیا اس کے ساتھی اور ارکان اسمبلی بھارت بھاگ گئے اسے فوج مغربی پاکستان لے آئی اس پر فوجی عدالت میں مقدمہ ابھی مکمل نہیں ہوا تھا کہ قائد عوام نے یحییٰ خان کو مشورہ دیا کہ ایران جانے سے پہلے اسے ختم کرجائیں گویا اس وقت تک بھی اسے خدشہ تھا کہ کسی طرح کوئی سیاسی سمجھوتہ ہو گیا تو اس کا مقصد حل نہیں ہو گا۔ مغربی پاکستان میں اس کی حریف ایک ہی سیاسی قوت تھی نیپ جو سرحد اور بلوچستان میں نمائندگی کا دعویٰ کر سکتی تھی۔ قائد عوام نے یحییٰ خان کو ترغیب دے کر اس پر بھی پابندی لگوا دی مگر گلیاں ابھی مکمل طور پر سنجیاں نہیں ہوئی تھیں مرزا یار کے اقتدار کی گلیوں میں بلاخوف پھرنے کے لئے دوسری قوت کو بھی ختم کرنا لازم تھا۔ یہ قوت تھی فوج یہ قوت ایک طرف مشرقی پاکستان میں بغاوت پر قابو پانے میں ملوث تھی اور دوسری طرف وہ اقتدار پر قابض تھی اگر اس قوت کے اندر کوئی بحران پیدا ہوتا ہے تو وہاں بھٹو کے اپنے آدمی چاہئیں تھے جو اس بحران کی صورت میں اقتدار کا رخ بھٹو کی طرف موڑ دیں۔ پاک فوج کے چیف آف جنرل سٹاف گل حسن اور پاک فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل اے رحیم خاں کے انٹرویوز سے صاف ظاہر ہے کہ ان کے بھٹو سے پرانے اور بے تکلفانہ روابط تھے وہ بھٹو کو سب سے لائق سیاستدان سمجھتے تھے اس سے ہمدردی رکھتے تھے۔ وزارت خارجہ میں اس کے یحییٰ خان خاں کا وزیر خارجہ بننے سے پہلے ہی گہرے اثرات تھے۔

مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن کے بعد بھارت نے وہاں باقاعدہ تربیت یافتہ تخریب کار بھیجنا شروع کردیئے تھے۔ پاک فوج کے بنگالی افسر اور جوان بھاگ بھاگ کر بھارت جارہے تھے بھارت نے مکتی باہنی کی تربیت اور مکمل سرپرستی شروع کردی تھی۔ اس نازک صورتحال سے نکلنے کے لئے قومی منصوبہ بندی کی ضرورت تھی۔ یحییٰ خان نے قومی سطح پر کسی سے کوئی مشورہ نہیں کیا ان دنوں میں بھی صرف ذوالفقار علی بھٹو اس کے مشیر تھے جب نومبر 1971ء میں گل حسن، اے رحیم خاں، سلطان محمد خاں اور ذوالفقار علی بھٹو پر مشتمل وفد چین گیا۔ اس وقت تک بھارت کے ارادے بالکل ظاہر ہو چکے تھے۔ آغا محمد یحییٰ خان روس کے صدر کو خط لکھ کر اسے ملنے سے پہلے ہی پریس کو جاری کرکے روس کو ناراض کرچکے تھے۔ بھارت

اور روس کے درمیان تعاون اور دوستی کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ اندرا گاندھی دنیا بھر میں گھوم کر پاکستان کے خلاف فضا تیار کر چکی تھی چین کے رہنماؤں کے ساتھ بات چیت کیا ہوئی وہ ہم گزشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں۔

(1) چین نے ساٹھ طیارے اور کچھ ٹینک دینے کے علاوہ مزید کسی مدد کا وعدہ نہیں کیا۔

(2) چواین لائی نے یہ مسئلہ سیاسی طریقے سے حل کرنے کا مشورہ دیا

لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے واپس آ کر یحییٰ خان کو رپورٹ دی کہ چین کہتا ہے

(1) پاک بھارت جنگ نہیں ہو گی حالانکہ گل حسن کہتے ہیں کہ چو این لائی نے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی

(2) ذوالفقار علی بھٹو نے واپس آ کر یحییٰ خان کو رپورٹ دی کہ بھارت کے حملہ کی صورت میں چین نے مدد کا وعدہ کیا ہے حالانکہ وفد کے دیگر دونوں رکن ایئر مارشل اے رحیم خاں اور لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کہتے ہیں کہ چین نے ایسی کسی مدد کا وعدہ نہیں کیا تھا اور ذوالفقار علی بھٹو نے ان سے الگ چینی رہنماؤں سے کوئی ملاقات بھی نہیں کی تھی۔

چین سے واپسی پر پاکستان پیپلزپارٹی نے اپنے قائد عوام کا لاہور میں ایک زبردست جلوس نکالا تھا۔ ریلوے سٹیشن سے مسجد شہدا تک طویل اس جلوس کے ساتھ میں نے خود سفر کیا اور مولانا کوثر نیازی اور ذوالفقار علی بھٹو کو ایک ہی ٹرک پر ایک ہی کیلے سے افطاری کرتے دیکھا تھا۔ مسجد شہدا کے سامنے جلوس سے خطاب کرتے ہوئے قائد عوام نے ٹرک پر مستانہ انداز میں بازو لہراتے ہوئے اعلان کیا تھا کہ چین نے کہا ہے کہ اگر بھارت نے حملہ کیا تو پھر "دمادم مست قلندر ہو گا" ان کے اس اعلان پر پاکستان پیپلزپارٹی کے جیالے کارکنوں نے مسجد کے زیر سایہ دل کھول کر بھنگڑا ڈالا تھا۔ سب سیاسی اور اخباری حلقوں نے اس کا یہ مطلب لیا تھا کہ حملہ کی صورت میں چین پاکستان کی مدد کرے گا اسی لئے تو پارٹی کے چیئرمین سے کارکن مل کر اس مشن میں چیئرمین کی فاتحانہ کامیابی پر بھنگڑا ڈال رہے تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے یحییٰ خان کو غلط رپورٹ کیوں دی؟ اس نے کہا تھا کہ اول تو بھارت حملہ نہیں کرے گا اور اگر کرے گا تو چین مدد کرے گا۔ 1965ء میں

بھی اس نے ایوب خاں کے وزیر خارجہ ہوتے ہوئے اسے یہی کہا تھا کہ اول تو بھارت پاکستان پر بین الاقوامی سرحد سے حملہ نہیں کرے گا اور اگر کرے گا تو دوست مدد کریں گے۔ اس وقت بھی بھارت نے بین الاقوامی سرحد پر حملہ کیا اور کسی دوست نے پاکستان کی مدد نہ کی۔ 1971ء میں بھی بھارت نے حملہ کیا اور چین یا کسی اور دوست نے مدد نہ کی۔

1965ء میں کہتے ہیں کہ وہ فیلڈ مارشل ایوب خاں کو بھارت سے شکست دلوا کر اقتدار سے نکلوانا چاہتے تھا ایوب خاں اقتدار سے اسی جنگ کی وجہ سے گیا اور ذوالفقار علی بھٹو کی سیاست کی کامیابی کی بنیاد یہی لڑائی بنی۔ عوامی لیگ اور فوج بحیثیت قوت 1971ء کی جنگ کی وجہ سے ختم ہوئی اور اس کے نتیجہ میں ذوالفقار علی بھٹو اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ واحد قوت باقی رہ گیا تھا اور کوئی ان حالات میں حکومت کا حقدار نظر ہی نہیں آتا تھا۔

مشرقی پاکستان پر بھارت کے کھلے حملہ کے بعد صورتحال کیا بنتی ہے؟ ایوب خاں کے دور سے ہی جس کے برین سیل کا سربراہ یحییٰ خان تھا پاک بھارت جنگ کی صورت میں "مشرقی پاکستان کا دفاع مغربی پاکستان سے کیا جائے گا" کا منصوبہ چلا آتا تھا اس منصوبہ کے تحت مشرقی پاکستان میں اتنی ہی فوج اور فضائیہ رکھی جاتی تھی جو معقول حد تک اس محاذ کا دفاع کر سکے۔ بھارت پر حملہ مغربی پاکستان سے کیا جانا تھا لیکن بھارت کے مشرقی پاکستان پر حملہ کے باوجود مغربی پاکستان سے حملہ نہ کیا گیا۔ راجستھان کی سرحد سے جو ڈیزرٹ آپریشن شروع کیا گیا وہ چیف آف جنرل سٹاف گل حسن نے اپنی ذمہ داری پر نہ صرف رکوا دیا بلکہ تمام فوجیں بھارتی علاقہ سے واپس لے آنے کا حکم دیا۔ ان کا موقف ہے کہ اس آپریشن کی منصوبہ بندی ٹھیک نہیں کی گئی تھی اور فضائی کور نہ ہونے کی وجہ سے نقصان بہت ہو رہا تھا۔ ایئر مارشل رحیم خاں کہتے ہیں کہ اس منصوبہ کے ناقص ہونے کے باوجود وہ اسے کور دیتے رہے تھے اگرچہ وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آپریشن تو ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔ دونوں کا کہنا ہے کہ منصوبہ کی تیاری کے وقت ان سے مشورہ نہیں کیا گیا تھا۔ جنرل حمید نے کور کمانڈر سے مل کر یہ آپریشن لانچ کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنرل حمید نے ان سے مشورہ کیوں نہ کیا اور جنرل گل حسن نے آپریشن منسوخ کرنے اور فوجیں واپس لانے کا حکم دیتے وقت جنرل حمید سے کیوں نہ مشورہ کیا؟ وہ نہ صرف ان سے سینئر تھے بلکہ ان کے دفتر سے چند گز کے فاصلے پر

بیٹھتے تھے۔ ہاکی میچ میں کسی کھلاڑی کی جگہ بدلنے کے لئے بھی مینجر کوچ اور کپتان سے مشورہ لیتا ہے ہماری سرحدوں کے دفاع کے ذمہ داری نے ملکی دفاع کو ہاکی میچ کے برابر بھی اہمیت کیوں نہ دی؟

بھارتی فوجوں کی شکر گڑھ کے محاذ سے واپسی کے بعد اخبار نویسوں کی ایک ٹیم بھارت کے خالی کردہ پاکستانی علاقوں کا دورہ کرنے گئی۔ پاک سرحد پر ایک آخری چوکی پر موجود فوجی افسر نے ہمیں چائے پلائی اور علاقہ کی صورتحال پر روشنی ڈالنے لگا۔ جس قسم کی زمینی حالت ہم دیکھ کر گئے تھے اس کے مطابق میں نے ان سے سوال پوچھنا شروع کر دیئے کہ بھارتی فوجیں اتنا پاکستانی علاقہ کے اندر کیسے آگئیں؟ ہمارے کمانڈر نے فوجوں کو پیچھے کیوں بلا لیا۔ یہاں تو دفاع کے لئے درجن بھر ٹینک کافی تھے ٹیلوں پر ٹینک شکن توپیں لگا کر بیٹھ جاتے تو بھارتی فوج کسی طرح آگے نہ بڑھ سکتی۔ وہ افسر جو بعد میں جنرل کے عہدے تک پہنچا سوالات کا جواب نہ دے سکا اور غصہ میں آکر اوپر والوں کو ایک موٹی سی گالی دے کر کہا کہ یہ ان اوپر والوں سے پوچھیں مجھ سے کیا پوچھتے ہو۔ ہم واپس آ رہے تھے تو جنرل مجید ملک کا داماد جو اخبار نویسوں کے ساتھ ڈیوٹی پر تھا مجھے ایک طرف لے گیا اور کہا کہ اس افسر سے جو بات چیت ہوئی ہے اسے کہیں رپورٹ نہ کر دینا یہ مارا جائے گا۔

مغربی محاذ پر سب سے بڑا حملہ اس سٹرائیک فورس نے کرنا تھا جس کے کمانڈر ٹکا خاں تھے اور جو بقول جنرل یحییٰ خان اس لئے شروع نہ کیا گیا تھا کہ بھٹو کے دوست ایئر مارشل اے رحیم خاں نے اس کے لئے فضائی تحفظ اور مدد دینے سے انکار کر دیا تھا۔ بھٹو کے دوسرے دوست چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کہتے ہیں کہ لڑائی تو مشرقی پاکستان میں ہو رہی تھی جب وہاں ہی ختم ہو گئی تو اس حملہ کا کیا فائدہ تھا۔ ایئر مارشل رحیم کہتے ہیں کہ انہوں نے تو خود ٹکا خاں کو ٹیلی فون کر کے پوچھا تھا کہ وہ آپریشن لانچ کیوں نہیں کر رہے تو اس نے جواب دیا تھا کہ جی ایچ کیو سے حکم آتا ہے کہ ٹینک گاڑیوں پر لاد لو ہم گاڑیوں پر لاد لیتے ہیں پھر حکم آتا ہے ٹینک اتار لو ابھی نہیں کرنا ہم اتار لیتے ہیں۔ بقول اے رحیم خاں بارہ روز تک یہی کچھ ہوتا رہا اور مشرقی محاذ پر نیازی نے ہتھیار ڈال دیئے اس طرح بارہ روز ضائع کر دیئے گئے جی ایچ کیو سے یہ حکم کون دیتا تھا؟ ایئر مارشل اے رحیم خاں اس پر حیرانی ظاہر

کرتے ہوئے کہتے ہیں کوئی جنرل اس کی ذمہ داری ہی نہیں لے رہا ابھی تک کسی جنرل نے اس کی نہ ذمہ داری لی ہے نہ قوم کو اس بارے میں کچھ بتایا ہے اس آپریشن کے کمانڈر جنرل ٹکا خاں بھی معلوم نہیں اب تک کیوں خاموش ہیں۔ کیا اس وجہ سے کہ بھٹو نے انہیں کمانڈر انچیف اور پھر وزیر دفاع بنا دیا تھا اور اب وہ اس پارٹی کے رکن اور کارکن ہیں؟

ملک میں مارشل لاء ہے ملک کا صدر چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر اور فوجوں کا کمانڈر ہے صوبوں میں جنرل حکمران ہیں انہوں نے زندگی بھر جنگ لڑنے کی تربیت حاصل کی ہے پھر جنگ کا موقع آتا ہے تو کمانڈر انچیف کا حکم فضائیہ کا سربراہ نہیں مانتا' ایک جنرل کا آپریشن دوسرا جنرل منسوخ کر دیتا ہے' ملک کے دفاع کے لئے تیار کردہ سٹرائیک آپریشن پورے بارہ روز لانچ نہیں کیا جاتا' اس کا کمانڈر اپنی ساری شہرت اور مہارت ٹینک گاڑیوں میں لادنے پر صرف کرتا ہے' ملک کا ایک حصہ فوجی جارحیت کے ذریعہ الگ ہو جاتا ہے' مشرقی کمان کا کمانڈر ہتھیار ڈال دیتا ہے مغربی محاذ پر بھی بھارت اتنے علاقہ پر قبضہ کر لیتا ہے اور جنرل صاحبان کو یہ تک معلوم نہیں کہ جی ایچ کیو سے آرڈر کون دیتا تھا۔ وہ ان آرڈروں کی تعمیل بھی کرتے ہیں' کھڑے ملک ٹوٹتا اور بھارت کا قبضہ ہوتا دیکھتے رہتے ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں کہیں اور بھی ایسی مثالیں موجود ہیں؟ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ جی ایچ کیو میں لڑائی کی نہیں پسپائی اور شکست کی منصوبہ بندی ہوتی رہی تھی' وہاں پاکستانی فوج کے جنرل نہیں دشمن کے جنرل احکامات جاری کر رہے تھے اور پاکستانی جنرل ایک دوسرے سے لڑنے اور ان کے منصوبے ناکام بنانے کی عظیم ذمہ داری ادا کر رہے تھے۔

یہ تو اس محاذ کی صورتحال ہے جس سے مشرقی پاکستان کے دفاع کا 23 سال پہلے سے منصوبہ بنایا گیا تھا اور ہر کمانڈر انچیف جس کو منظور کرتا آ رہا تھا۔ جس محاذ پر درجنوں جنرل تھے پوری فضائیہ تھی فوج تھی قوم فوج کے ساتھ تھی اور قائد عوام تک اس کے شانہ بشانہ کھڑے تھے۔

اب ذرا مشرقی محاذ پر ایک نظر ڈالتے ہیں جہاں محدود فوج نہ صرف بھارتی حملہ کا مقابلہ کر رہی ہے بلکہ بغاوت اور باغیوں کا بھی مقابلہ کر رہی ہے اس محاذ پر ہتھیار ڈال دینے کے بارے میں جنرل نیازی کہتے ہیں کہ انہیں حکم دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ اگر انہوں نے ہتھیار نہ

ڈالے تو مغربی پاکستان بھی جا رہا ہے جنرل یحییٰ خان قزلباش کہتے ہیں کہ انہوں نے ہتھیار ڈالنے کا حکم نہیں دیا تھا سیز فائر کا پیغام بھیجا تھا۔ جنرل یحییٰ خان اور دیگر متعلقہ جنرلوں کا کہنا ہے کہ مغربی پاکستان کو کوئی خطرہ نہیں تھا وہ کہتے ہیں کہ جنرل نیازی گھبرا گیا تھا اس کے پاس اتنے وسائل تھے کہ وہ فوجوں کو مجتمع کر کے مزید دو تین ماہ لڑ سکتا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فوجیں منتشر کر کے اس نے طویل عرصہ لڑائی کی اس دوران جی ایچ کیو نے اسے فوجیں جمع کرنے کا حکم کیوں نہ دیا؟ کیا مشرقی پاکستان اور اس کے دفاع کی ذمہ داری صرف ایک نیازی کی ہی تھی باقی کمانڈر اس سے بے نیاز ہو سکتے تھے یا رہ سکتے تھے؟ ایسی صورت میں جب ملک کے اکثریتی حصہ میں ایک جرنیل ملک کی بقاء کی جنگ لڑ رہا ہے فوج کے متعلقہ حکام دن رات اپنے اپنے آپریشن روموں میں ایک ایک بات اور چال پر غور کیا کرتے ہیں لیکن پاکستان کے چیف آف جنرل سٹاف اس جرنیل سے Talking Terms پر ہی نہیں مجبوراً" بات کرتے ہیں آغا یحییٰ خان اس نازک مرحلہ پر بھی شام ہی کو رپورٹیں سنتے ہیں چیف آف جنرل سٹاف میدان جنگ میں مصروف کمانڈر کو پیغام" _____ بھیجتے ہیں کہ دوست تمہاری مدد کو آ رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغام مجھے اوپر سے ملا تھا۔ سب سے اوپر جنرل یحییٰ خان تھے جو کہتے ہیں میں نے ایسا کوئی پیغام نہیں دیا تھا اور ساتواں بحری بیڑہ صرف ڈرامہ تھا۔ گل حسن کہتے ہیں نیازی گھبرایا ہوا تھا اور میری بات نہیں سمجھ رہا تھا میں نے کہا کسی پشتو بولنے والے پٹھان کو ٹیلی فون دو اور پھر میں نے اس پشتو بولنے والے کے ذریعے نیازی کو یہ پیغام دیا تھا۔ اگر نیازی یہ سمجھ سکتا تھا کہ پشتو بولنے والے کو ٹیلی فون دو اور پھر پشتو بولنے والے کو تلاش کر کے ٹیلی فون دے بھی دیتا ہے تو "دوست مدد کو آ رہے ہیں" تو اس سے مختصر پیغام تھا اسے وہ کیوں نہ سمجھ سکتا تھا؟ اور اگر وہ اتنا ہی گھبرایا ہوا تھا تو جی ایچ کیو کے ذمہ دار جنرل کی حیثیت سے گل حسن نے فوری طور پر اس بارے میں سوچا کہ جو جنرل بات نہیں سمجھ سکتا وہ اتنے نازک مرحلہ پر جنگی صورتحال کیا سمجھے گا وہ یہ بات اعلیٰ فوجی حکام کے نوٹس میں کیوں نہ لایا۔ جنرل گل حسن سب کچھ کر بھی رہے تھے اور سب کچھ سے بے نیاز بھی دکھائی دیتے ہیں۔

جب مشرقی پاکستان کا کمانڈر دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی اجازت مانگ رہا ہے شکر گڑھ کے محاذ کا کمانڈر اپنی فوجیں پیچھے ہٹا رہا ہے تو مغربی پاکستان کا قائد عوام جواب ملک کا

وزیر خارجہ بھی ہے سفارتی سطح پر جنگ لڑنے کے لئے نیویارک بھیجا جاتا ہے اس کی سفارتی صلاحیتوں کا پوری دنیا میں شہرہ ہے۔ 1965ء کی پاک بھارت لڑائی کے دوران اس کی اقوام متحدہ کے اداروں میں تقریر کو پاکستان کے اندر بچے بچے تک پہنچایا گیا تھا ملک میں اس کی سیاست اور کامیابی کی بنیاد تاشقند کی پٹاری کے علاوہ یہ تقریر بھی تھی لیکن ایسے نازک مرحلے پر جب اس سیزفائر کا امکان ہے، جس کا جنرل یحییٰ خان طالب ہے جس کے لئے نیازی بے چین ہے تو روس کی حمایت سے پیش ہونے والی اس قرارداد کے پیش ہوتے وقت وہ اجلاس میں ہی نہیں جاتا۔ بقول خود بیمار ہو جاتا ہے اور بقول جنرل یحییٰ خان اتنی پی جاتا ہے کہ قرارداد تو کیا یحییٰ خان کی بات تک نہیں سمجھ رہا۔ ٹیلی فون آپریٹر کو بتانا پڑتا ہے کہ صدر صاحب بول رہے ہیں محاذ جنگ کے کمانڈر کو پشتو بولنے والا سپاہی سمجھاتا ہے کہ جی ایچ کیو کے حوالہ سے آپ کے کمانڈر انچیف اور ملک کے صدر کیا پیغام دے رہے ہیں اور پورے ایشیا کے فخر کو آپریٹر بتاتا ہے کہ دوسری طرف آپ کے محسن آغا محمد یحییٰ خان قزلباش ہیں دونوں ایک دوسرے کی بات پھر بھی نہیں سمجھ پاتے۔ زیر بحث قرارداد پر کوئی بات نہیں ہوتی پاکستان کا وزیر خارجہ پاکستان کے وجود اور آن کے تحفظ کی آخری امید قرارداد اپنے ملک کے صدر کو بھیجتا تک نہیں اور جب مشرقی پاکستان میں فوجیں ہتھیار ڈال دیتی ہیں تو دوسرے روز جاکر سفارتی تاریخ میں شاید پہلی بار قرارداد پھاڑنے کا تاریخی کارنامہ انجام دے کر پاکستان آنے کی بجائے روم روانہ ہو جاتا ہے کس لئے؟

اس افسوسناک اور عبرت انگیز صورتحال میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مشرقی پاکستان میں فوجی کمانڈر نے ہتھیار ڈالے تھے یا اس کو ہتھیار ڈالنے کی جملہ سہولتیں فراہم کی گئی تھیں۔ دنیا کی کسی باغیرت قوم کو اس صورتحال سے سامنا ہوتا تو جملہ جرنیل اپنے ہاتھوں اپنی زندگیوں کا خاتمہ کر لیتے اور دھرتی کے تقدس کی مزید پامالی کے لئے بوجھ بننا پسند نہ کرتے۔ ایسا ماہرو وزیر خارجہ بھی اپنے عوام کو چہرہ دکھانے واپس نہ آتا۔

مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈالے جا چکے ہیں مغربی پاکستان نہایت باعزت زندگی گزار رہا ہے اس کے عوام کا قائد پاکستان کی سالمیت کے تحفظ اور فوجوں کے ہتھیار ڈالنے کی ذلت سے بچ جانے کی آخری امید پولینڈ کی قرارداد پھاڑ کر روم میں آ مقیم ہوتا ہے تو پاکستان کے جی

ایچ کیو میں ایک اور آپریشن شروع ہوتا ہے۔ ملک توڑنے کے ذمہ دار یحییٰ خان سے قرار داد پھاڑنے اور آرمی آپریشن کرانے والے ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار دلانے کا آپریشن۔ اس آپریشن میں دو فرد سب سے زیادہ سرگرم میں لیفٹیننٹ جنرل گل حسن اور ایئر مارشل اے۔ رحیم خاں۔ جب پوری قوم سقوط ڈھاکہ کے صدمہ سے بے جان ہو رہی تھی اور پاکستان پیپلز پارٹی کی قیادت اور کارکن ملک اور اقتدار پر قبضہ کی فیصلہ کن جنگ لڑ رہے تھے تو ذلت اور رسوائی کے صدمہ کے زیر اثر گوجرانوالہ اور کھاریاں کی چھاؤنیوں کے کچھ نوجوان فوجی افسروں نے اپنے کور کمانڈر کو حراست میں لے لیا اور مطالبہ کیا کہ اس رسوائی کے سب سے بڑے ذمہ داری جنرل آغا محمد یحییٰ خان قزلباش اقتدار سے الگ ہو جائیں۔ یہ اطلاع اور مطالبہ لے کر کرنل آفریدی اور کرنل جاوید اقبال چیف آف جنرل سٹاف لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کے پاس گئے۔ طریق کار کے مطابق جنرل گل حسن کو اس بارے میں فوری طور پر جنرل حمید کو اطلاع دینا چاہئے تھی لیکن انہوں نے بری فوج کے افسروں کی بے چینی کے بارے میں فضائیہ کے سربراہ ایئر مارشل اے رحیم خاں کو اطلاع دی جو فوراً" جنرل گل حسن کے دفتر پہنچے اور باہمی مشورہ کے بعد دونوں جنرل حمید کے پاس گئے اب کرنل جاوید اقبال کو تو کرنل آفریدی مارل سپورٹ کے لئے ساتھ لائے تھے کہ وہ جنرل گل حسن کی اپنی رجمنٹ سے تھا ایئر مارشل اے رحیم خاں تو جنرل حمید کی رجمنٹ سے تعلق نہیں رکھتے تھے کہ جنرل گل حسن انہیں مارل سپورٹ کے لئے جنرل حمید کے پاس لے گئے ہوں ظاہر ہے ان کو بلانا اور ساتھ لے کر جانا کسی اور سپورٹ کے لئے تھا۔ جنرل حمید کو کھاریاں اور گوجرانوالہ کی صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد وہ انہیں لے کر جنرل یحییٰ خان کے پاس گئے جن کو آرمی کی یکجہتی کی اہمیت سے جنرل گل حسن نے آگاہ کیا اور اقتدار ذوالفقار علی بھٹو کے حوالے کرنے کا مشورہ دیا۔ سیکرٹری اطلاعات روئیداد خاں کو ٹیلی فون بھی جنرل گل حسن نے کیا یحییٰ خان نے صرف یہ کہا کہ جو کچھ گل کہتا ہے ٹھیک ہے اور پھر یحییٰ خان کے اقتدار سے الگ ہونے کا اخباری بیان جاری کیا گیا۔ جنرل یحییٰ خان ٹیلی ویژن پر قوم سے خطاب کرنے کا بڑا عادی تھا اس اہم تبدیلی کے وقت اس نے قوم سے خطاب کرنے اور اسے ان تبدیلیوں کی وجوہ سے آگاہ کرنے کی ضرورت تک محسوس نہ کی جبکہ دوسری جنگ عظیم میں جاپان کے دیوتا شہنشاہ تک زمین پر

اتر آئے تھے اور پہلی دفعہ شکست خوردہ قوم سے خطاب کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔ جنرل یحیٰی خان نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ اس لئے کہ وہ انسان تھا؟ یا اس لئے کہ اس سے یہ سب کچھ کرایا گیا تھا؟۔

واپس دفتر آکر جنرل گل حسن کرنل علیم آفریدی اور بریگیڈیئر ایف بی علی کو اس تبدیلی کے بارے میں بتاتے ہیں تو وہ مطمئن نہیں ہوتے جس پر وہ انہیں اپنے دفتر سے نکال دیتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ فوجی اس تبدیلی کے بارے میں سن کر مطمئن کیوں نہیں ہوتے؟ انہیں دسمبر کی اس ٹھنڈی رات جب مشرقی پاکستان میں بھارتی کمانڈر پاکستانی کمانڈر سے ہتھیار ڈالنے کا مطالبہ کر رہا تھا ذوالفقار علی بھٹو کے جنرل گل حسن کے گھر جانے اور مصطفیٰ کھر جیسے اپنے لیفٹیننٹ کو بھی باہر برآمدے میں چھوڑ جانے کے واقعہ کا تو علم نہیں تھا
جب جنرل یحیٰی خان ذوالفقار علی بھٹو کو اقتدار حوالے کرنے کا اعلان کر دیتے ہیں تو پھر ائیر مارشل اے رحیم خان ان سے پوچھتے ہیں کہ ذوالفقار علی بھٹو کو لانے کے لئے طیارے بھیجا جائے اور طیارہ بھیجتے ہیں۔ ——————— جب تک یحیٰی خان یہ اعلان نہیں کر دیتا دلبرداشتہ فوجیوں کو دفتر سے نکالا جاتا ہے نہ ذوالفقار علی بھٹو کو واپس لانے کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ مشرقی پاکستان اور عوامی لیگ کی قوت کے خاتمہ کے بعد سقوط ڈھاکہ اور یحیٰی خان کی اقتدار سے ذلت آمیز علیحدگی کے بعد وقتی طور پر ہی سہی دوسری قوت بھی ختم ہو گئی تھی تیسری قوت کی راہ میں اب کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ اقتدار کی گلیاں بالکل سونی ہو چکی تھیں مرزا یار پورے طیارے میں اکیلا خالی تخت و تاج پر قبضہ کرنے آ رہا تھا۔ شیخ مجیب نے اسے شریک اقتدار کرنے سے انکار کر دیا تھا وہ بلا شرکت غیرے اقتدار تک پہنچ گیا تھا اس کی راہ میں جو بھی آیا ذلیل و خوار ہوا۔ ایسے فخر ایشیا کی فراست اور سیاست سے کون انکار کرے گا؟

10

تاریخ سے بچنے کی کوشش

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو 20 دسمبر کو مغربی پاکستان کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر بن گئے۔ انتخابات میں ان کی پارٹی پانچ میں سے دو صوبوں میں جیتی تھی پارلیمانی جمہوریت کے اصولوں کے مطابق وہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں حزب اختلاف کے لیڈر بن سکتے تھے لیکن انہوں نے انتخابات کے بعد ہی کہہ دیا تھا کہ میں اپوزیشن بنچوں میں پر نہیں بیٹھوں گا۔ پاکستان ٹوٹ جانے سے وہ نہ صرف حزب اختلاف کے بنچوں پر بیٹھنے سے بچ گئے بلکہ پورے مغربی پاکستان کے مالک و مختار بن گئے۔ قانونی طور پر وہ اس کے حق دار نہیں تھے لیکن قوم اور فوج کے ساتھ قانون بھی شکست خوردہ ہو چکا تھا انہیں بقیہ پاکستان کے شکست خوردہ عوام اور فوج کا تعاون حاصل ہو چکا تھا۔ اس تعاون کے بعد کسی قانون کی ضرورت نہیں رہ جاتی شکست خوردہ قوم نے انہیں دل و جان سے حکمران تسلیم کر لیا۔

بچے کھچے پاکستان کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے قوم کے نام پہلے خطاب میں ہی انہوں نے لیفٹیننٹ جنرل گل حسن کو کمانڈر انچیف بنانے اور بہت سے دیگر جرنیلوں کو ریٹائر کرنے کا اعلان کیا اتنی بڑی شکست کے بعد بہت سے جنرل اس سے بھی سخت سزا کے جائز حقدار تھے۔ نئے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے اپنے پیش رو چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کو بھی باعزت طور پر ریٹائر کیا۔ پاکستان ٹوٹنے، نوے ہزار فوج کے قیدی بننے اور ہزاروں مربع میل علاقہ دشمن کے قبضہ میں جانے کے باوجود اس نے نہ تو کسی جنرل پر مقدمہ

چلایا نہ ہی کسی کو جیل بھیجا صرف ایک سابق جنرل حبیب اللہ کو جیل بند کیا اور ٹی وی پر دکھایا شاید اس لئے کہ وہ اس سازش میں شامل نہ تھا۔ یحییٰ خاں یا کسی اور پر مقدمہ چلایا جاتا تو اس کے بول پڑنے کا خدشہ تھا۔

ملک کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد بھی بھٹو نے قومی اسمبلی کا اجلاس نہیں بلایا عوام اور منتخب ارکان کے قائد ہوتے ہوئے ان پر پہلا فرض یہ عائد ہوتا تھا کہ وہ فوری طور پر بقیہ پاکستان کے بقیہ ارکان قومی اسمبلی کا ہی اجلاس بلاتے ان سے ملک پر حکومت کرنے کی تائید حاصل کرتے اور اسمبلی کی تائید اور منظوری سے ملک کی تعمیر نو کا پروگرام بناتے مگر انہوں نے اپنے نائبین کو ڈپٹی مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مقرر کر کے حکومت جاری رکھی جس قومی اسمبلی کا 3 مارچ 1971ء کا اجلاس انہوں نے یہ کہہ کر ملتوی کر دیا تھا کہ اجلاس ہو گیا تو ملک ٹوٹ جائے گا ملک ٹوٹ گیا مگر اس کا اجلاس پھر بھی نہیں بلایا' آخر ملک گیر مطالبہ پر اسمبلی کا اجلاس اپریل 1972ء میں بلایا گیا اقتدار میں آنے کے ساڑھے تین ماہ بعد۔ اس سے ان کے اسمبلی آئین اور جمہوریت پر ایمان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس مدت میں وہ فارغ نہیں رہے چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر ذوالفقار علی بھٹو نے اس عرصہ میں جو اہم کام کیے ان میں سے اپنے دونوں دوستوں پاک فوج کے کمانڈر انچیف جنرل گل حسن اور پاک فضائیہ کے سربراہ ائیر مارشل اے رحیم خاں سے زبردستی استعفے حاصل کر کے انہیں بیرون ملک روانہ کرنا بھی شامل تھا 3 مارچ 1972ء کو انہوں نے ایوان صدر میں انہیں ایک میٹنگ کے بہانے بلایا استعفے پہلے ہی ٹائپ کرا رکھے تھے ان پر دستخط کرائے اور ملک کے ان اعلیٰ ترین اور معزز ترین فوجی افسروں کو ایک ہی گاڑی میں بند کر کے مصطفیٰ کھر کی نگرانی میں لاہور بھیج دیا۔ ایک دن اور رات مصطفیٰ کھر نے ان سے زبردستی مہمان نوازی کا اعزاز حاصل کیا جب وہ اپنے دوست اور چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر ذوالفقار علی بھٹو کو بھی مہمان نوازی کا اعزاز بخشنے پر آمادہ ہو گئے تو انہیں باعزت طور پر راولپنڈی کے ایوان صدر میں پیش کیا گیا جہاں انہوں نے اپنے دوست کے ساتھ کھانا کھایا اور سفارت کے تقرر نامے حاصل کر کے ملک سے باہر روانہ ہو گئے اور اس وقت تک واپس نہیں آئے جب تک بھٹو کی حکومت فوجی انقلاب کے ذریعے ختم نہیں ہو گئی۔ جب کھر کی نگرانی میں فضائیہ اور بری فوج کے سربراہ لاہور روانہ کیے جا رہے تھے تو اسی

وقت جنرل ٹکا خان اور ائرمارشل ظفر چوہدری کو ٹیلیفون پر بری اور فضائی افواج کا چارج لینے کا حکم دیا جا رہا تھا۔

پاک افواج کے کمانڈر انچیف کے عہدہ پر ترقی پانے کے صرف ستّر دن بعد ہی جنرل گل حسن اور ان کے راتوں کے راز داں چیف ائیر مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کے درمیان اتنے کیا شدید اختلافات تھے کہ برسوں کے یارانے ایک منٹ میں چلے گئے جنرل گل حسن کہتے ہیں کہ پولیس کی ہڑتال کے دوران ذوالفقار علی بھٹو نے انہیں پولیس کے خلاف آرمی ایکشن کا حکم دیا تھا جس کی تعمیل سے انہوں نے معذوری ظاہر کردی تھی ائیرمارشل اے رحیم خاں بھی یہی کہتے ہیں کہ انہیں ہڑتالی پولیس والوں کے خلاف فضائی کارروائی کا حکم دیا گیا تھا مگر انہوں نے بھی اس کی تعمیل کرنے سے معذوری ظاہر کردی تھی یہ بعید نہیں کہ اس نے پولیس کو بھی ایک مخالف سمجھ لیا ہو اور اس کے خلاف بھی مشرقی پاکستان جیسے آرمی ایکشن کا حکم جاری کر دیا ہو۔ ہم جنرل گل حسن اور ائیرمارشل اے رحیم خاں جیسے معزز حضرات کی بات کی تردید کرنے کی جرأت نہیں کرسکتے صرف انقلابات کے حوالے سے یہ کہتے ہیں کہ کسی جگہ بھی انقلاب روس سے لے کر مصر میں ناصر کے انقلاب تک میں طاقت پر قابض اصل حکمران نے کبھی بھی اپنے شریک سازش ساتھیوں کو جن کی مدد سے وہ اقتدار میں آیا ہو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کیا جنرل ایوب خاں نے اسکندر مرزا کو اور جنرل ضیاء الحق نے جنرل چشتی کو بھی اسی انقلابی مجبوری اور ضرورت کے تحت اقتدار سے نکالا تھا ورنہ وہ ان کے کم محسن اور دوست تھے؟ انقلاب کے ساتھی بہت کچھ جانتے ہوتے ہیں ان سے خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی اندر کی بات نہ بتا دیں کسی شامل انقلاب گروہ کی سرپرستی نہ شروع کردیں جنرل گل حسن اور ائیرمارشل رحیم خاں بھی اپنے دوست ذوالفقار علی بھٹو اور مصطفیٰ کھر کے حسن سلوک کے باوجود چپکے سے اسناد تقرر پکڑ کر ملک سے باہر چلے گئے اور اس وقت تک خاموش نوکری کرتے رہے جب تک ملک میں ایسی تحریک پروان نہیں چڑھ گئی جس کے نتیجہ میں بھٹو کا جانا ٹھہر گیا تھا تب وہ مستعفی ہی نہیں ہوئے اپنے سابق دوست کے خلاف کھل کر بولے بھی اور اس کی حکومت کا تختہ الٹنے تک کی اپیل کردی ان دونوں کا اپنے دوست کے بارے میں شروع سے آخر تک رویہ ایک جیسا رہا۔ انہوں نے جو اخباری انٹرویو دیئے وہ بھی اس کے جانے اور ملک

میں ایک اور مارشل لاء آجانے کے بعد دیئے یہ بھی سوال کیا جا سکتا ہے کہ آخر وہ کس خوف کی بنا پر یہ سب کچھ برداشت کرتے رہے اور خاموش رہے۔ بھٹو نے انہیں خاموش کرنے کی کوشش کیوں کی اور بھی تو بہت سے جرنیل ریٹائر کئے گئے تھے ان کو سفارت پر کیوں نہ بھیجا گیا ان سوالات کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ دوستوں میں حساب دردل ہوتا ہے اسی لئے ہم یہ سوالات نہیں اٹھا رہے۔

اپنے تیسرے قدیمی دوست جنرل آغا محمد یحیٰ خاں قزلباش کے تو اس نے بولنے چالنے پر بھی پابندی لگا دی کسی اخبار نویس کو انٹرویو نہ دینے کی پابندی کوئی اخباری بیان جاری کرنے پر پابندی اور سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہ لینے کی پابندی یحیٰی خاں کا اگر کوئی اخبار نویس انٹرویو کرتا ایسے ہی سوال پوچھ سکتا تھا جو منیر نے اپنے انٹرویو کے دوران پوچھے کہ آرمی ایکشن کیوں کیا؟ لڑائی کیسے ہاری؟ ہتھیار کیوں ڈالے وغیرہ وغیرہ آخر ذوالفقار علی بھٹو قوم کو ان حقائق سے بے خبر کیوں رکھنا چاہتا تھا اخباری بیان اور سیاسی بیانات میں بھی یحیٰی خاں کا یہی موضوع سخن ہوتا سقوط ڈھاکہ کو اتنے سال ہو چکے ہیں لیکن جنرل نیازی کو اب تک کسی اور موضوع پر بات کرنے کی فرصت نہیں ملی اگر وہ سیاست میں نقب لگاتے ہیں تو وہاں بھی ان سے اسی بارے میں سوالات پوچھے جاتے ہیں ملک کے صدر اور کمانڈر انچیف ہونے کے حوالے سے یحیٰ خاں اس بارے میں سب سے زیادہ جانتے تھے سب سے زیادہ حقائق سے پردہ اٹھا سکتے تھے ملک کے مجرموں کی تلاش کے لئے ان سے یہ پوچھنا ضروری تھا بلکہ اخبار نویسوں اور حکمرانوں کا فرض تھا لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے نہ صرف ان سے یہ حقائق دریافت کرنے کے لئے خود کوئی کمیشن مقرر نہیں کیا بلکہ کسی اخبار نویس سے ان کے بات کرنے پر پابندیاں لگا دیں آخر کیوں؟ بھٹو کیوں چاہتے تھے کہ سقوط ڈھاکہ کے بارے میں نہ کوئی کسی جاننے والے سے پوچھے اور نہ کوئی کچھ جاننے والا کسی کو بتائے اگر ان کا دامن صاف تھا تو انہیں خوف کس چیز کا تھا؟

قائد عوام نے بنگلہ بندھو شیخ مجیب الرحمن کو خفیہ طور پر لندن روانہ کر دیا ان کے پرانے ساتھی میاں محمد حنیف رامے نے مجھے اس رازداری کی وجہ یہ بتائی کہ شاہ ایران آرہے تھے وہ شیخ مجیب سے مل کر انہیں پاکستان سے کسی قسم کا تعلق رکھنے پر آمادہ کرنا چاہتے تھے ذوالفقار

علی بھٹو نے ان کے آنے سے پہلے ہی شیخ مجیب کو لندن روانہ کردیا تاکہ وہ ایک دوسرے سے مل ہی نہ سکیں فوجی سربراہوں کو گھر بلا کر ان سے ڈرامائی انداز میں استعفے حاصل کرنے انہیں لڑائی مار کٹائی سے بھرپور فلموں کے انداز میں لاہور بھیجنے اور واپس لا کر بیرون ملک وسادر کرنے جیسے بھٹو کے آپریشن کلین اپ میں پنڈی سازش کے نظریاتی خالق سابق جنرل محمد اکبر خاں نے اہم رول ادا کیا جو ذوالفقار علی بھٹو کے سیکورٹی کے مشیر ہو چکے تھے فوج کے ذریعے جس انداز میں انہوں نے 1951ء میں وزارت پر فائز سول افراد کو زیر حراست لینے کا پروگرام بنایا تھا وہ سول حکومت کی مدد سے فوج کے سربراہوں پر ٹیسٹ کیا گیا۔

اقتدار پر قبضہ کرنے کے ساتھ ہی ذوالفقار علی بھٹو نے چیف جسٹس آف پاکستان حمود الرحمن کی سربراہی میں ایک کمیشن قائم کیا جس کے ذمہ ان حالات و واقعات کے بارے میں تحقیق کا کام لگایا گیا جن میں مشرقی کمان کے کمانڈر اور ان کے زیر کمان فوج نے ہتھیار ڈالے تھے اور مغربی پاکستان میں جنگ بندی عمل میں آئی تھی کمیشن کے ذمہ جو کام لگایا گیا وہ محض فوجی پہلو سے متعلق تھا حالانکہ مشرقی پاکستان میں بغاوت' ارکان اسمبلی کا بھارت فرار مکتی باہنی کے قیام جیسے بنیادی اسباب سیاسی تھے پاکستان پر دشمن نے اچانک حملہ نہیں کر دیا تھا اور فوج اپنی ذمہ داریوں کے پورا کرنے میں ناکام ہو کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور نہیں ہوئی تھی اس سارے عمل کے اسباب سیاسی تھے شیخ مجیب الرحمن اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان اقتدار کی لڑائی اور یحییٰ خاں کی اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کرنے میں ناکامی کی وجہ سے یہ جنگ شروع ہوئی تھی اس جنگ کے دوران بھی سیاستدان اور سیاست ملک کی زندگی کے لئے شدید خطرہ کے اس مسئلہ پر اثر انداز ہوتے رہے تھے مگر ذوالفقار علی بھٹو نے کمیشن کو اس پہلو پر تحقیق کرنے سے روک دیا اسے صرف فوج اور فوجی پہلو تک محدود کردیا اس طرح دنیا میں ایک اور نادر مثال قائم کر کے تاریخ میں اپنے لئے ایک اور اعزاز کا اضافہ کیا سیاسی ناکامی کے فوجی اسباب کی تحقیق کرنے والے اس کمیشن کے ذریعہ لوگوں کی توجہ اصل مسئلہ سے ہٹانے اور ملک توڑنے کے اصل مجرموں کی پردہ پوشی کا اہتمام کیا گیا اس کمیشن کی کارروائی کو پوشیدہ رکھا گیا ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور میں اس کی رپورٹ بھی شائع نہیں ہونے دی۔

اگر ملک ٹوٹنے پر کوئی ایسا فرد اقتدار میں آتا جس کا دامن صاف ہوتا جس کی ملک اور اس کی سالمیت سے کومٹ منٹ ہوتی تو وہ کمیشن کو اس شرمناک شکست اور ملک ٹوٹنے کے المیہ کے جملہ پہلوؤں کی تحقیق پر لگاتا اور پھر اس کی رپورٹ سے قوم کو بتایا جاتا کہ اس المیہ میں کس کا کیا کردار تھا اس کی سفارشات کی روشنی میں ملک ٹوٹنے اور شکست کے ذمہ دار افراد کو سخت ترین سزائیں دی جاتیں تاکہ آئندہ کسی کو ایسے جرم کے ارتکاب کی جرات نہ ہو قوم اور اس کے رہنما آئندہ ایسی غلطیوں کا اعادہ نہ کریں لیکن ذوالفقار علی بھٹو نے نہ صرف قوم سے اصل حقائق چھپانے کی کوشش کی بلکہ جو ادھوری رپورٹ کمیشن نے تیار کی تھی وہ بھی قوم سے خفیہ رکھی گئی بعض سیاسی حلقوں کی طرف سے مطالبہ کیا جاتا رہا کہ یہ رپورٹ شائع کی جائے اور قومی مجروں کو سزا دی جائے مگر اس نے اس پر توجہ نہیں دی کیونکہ اسے پیپلزپارٹی کے عوام اور جنرل ٹکا خاں کی کمان میں فوج کا تعاون حاصل تھا اسی تعاون کو قائم رکھنے کے لئے انہوں نے فوج کے کمانڈر انچیف کی حیثیت سے ریٹائرڈ ہو جانے کے بعد جنرل ٹکا خاں کو ملک کا وزیر دفاع مقرر کیا اور اسے اپنی پارٹی میں لے آیا قوم کو ملک توڑنے اور فوجی شکست کے ذمہ دار افراد کے ناموں کے علاوہ جنرل ٹکا خاں کے زیر کمان سٹرائیک فورس کے بارہ روز تک مارچ ٹائم کرانے کی وجوہ بھی معلوم نہ ہوئیں حمود الرحمن کمیشن نے جن جرنیلوں کا کوٹ مارشل کرنے کی سفارش کی تھی ذوالفقار علی بھٹو نے ان میں سے ایک کو سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا ایک اور کو اس لئے نوازا گیا کہ جب وہ جی ایچ کیو میں تھا تو بقول کمیشن ذوالفقار علی بھٹو کے مخبر کے طور پر کام کیا کرتا تھا کمیشن نے رپورٹ کی تیاری کے سلسلہ میں قائد عوام کا بیان بھی قلمبند کیا اور ان سے پوچھا کہ اپنی طویل انتخابی مہم کے دوران انہوں نے نہ تو کبھی شیخ مجیب الرحمن کا نام لیا اور نہ ہی ان کے چھ نکات کا کبھی ذکر کیا حالانکہ انتخابات کے بعد انہوں نے انہی چھ نکات کی بنیاد پر اتنا شور مچایا اور اسمبلی کا بائیکاٹ کیا اور کرایا تھا اس رویہ کی وجہ کیا تھی کمیشن نے ان سے یہ بھی پوچھا کہ کیا انتخابی مہم کے دوران انہیں علم نہیں تھا کہ شیخ مجیب الرحمن کے 6 نکات ملکی وحدت کے منافی ہیں قائد عوام نے تسلیم کیا کہ انتخابی مہم کے دوران واقعی انہوں نے 6 نکات پر سخت تنقید نہیں کی تھی اور نہ ہی شیخ مجیب الرحمن پر انہوں نے صرف دو جلسوں میں 6 نکات کا سرسری ذکر کیا تھا لیکن کیوں؟

انہوں نے اپنی طویل انتخابی مہم کے دوران چھ نکات جیسے اہم موضوع کا ذکر نہ کیا جس پر ایوب خاں کے دور میں وہ شیخ مجیب کو مناظرہ کا چیلنج دے چکے تھے اس کا جواب انہوں نے نہیں دیا کہ وہ اس وقت ملک میں اقتدار پر قابض تھے اور کمیشن انہیں کسی سوال کے جواب پر مجبور نہیں کر سکتا تھا ویسے بھی اس قسم کے سوالات پوچھنا اس کے دائرہ کار میں نہیں تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دور میں تین کمانڈر انچیف مقرر کئے گل حسن' ٹکا خاں اور محمد ضیاء الحق تینوں کا تقرر پیشہ ورانہ کارکردگی اور صلاحیت کے بجائے ذاتی وفاداری کی بنیاد پر کیا گیا جنرل گل حسن کو کمانڈر انچیف بناتے وقت کئی جنرل ریٹائر کئے گئے جنرل محمد ضیاء الحق کے تقرر پر آٹھ جنرل ریٹائر ہو گئے جس ادارے میں ترقی صلاحیت اور لیاقت کی بجائے سیاسی مصالح پر دی جائے وہاں سیاست فروغ پاتی ہے اور قابلیت کو زوال آجاتا ہے ذوالفقار علی بھٹو نے فوج کو سب سے زیادہ اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کیا ملک کا اور کوئی سیاستدان فوج اور اس کے اعلیٰ عہدیداروں سے کبھی اتنے گھریلو اور دوستانہ تعلقات قائم نہ کر سکا جیسے ذوالفقار علی بھٹو نے قائم رکھے اگر شیخ مجیب الرحمن کے فوج کے اعلیٰ اور بااختیار عہدیداروں سے اتنے خوشگوار تعلقات ہوتے جیسے ذوالفقار علی بھٹو کے تھے تو شاید فوج کبھی مشرقی پاکستان میں آرمی ایکشن نہ کرتی اگر فوج کا کوئی بااختیار افسر شیخ مجیب کو اقتدار دلانے میں اس سے آدھی بھی دلچسپی اور سرگرمی کا مظاہرہ کرتا جتنا بھٹو کو اقتدار دلانے کے لئے کیا گیا تو شاید اس خانہ جنگی اور لڑائی کی نوبت نہ آتی جس کے نتیجہ میں ملک ٹوٹ گیا کہا جا سکتا ہے کہ فوج میں مشرقی پاکستان کا حصہ بہت کم تھا اس لئے شیخ مجیب اس میں نقب لگانے میں کامیاب نہ ہو سکے لیکن فوج میں سندھ کا حصہ بنگال سے بھی بہت کم تھا فضائیہ میں ایک تہائی کے قریب افسر اور ماتحت بنگال سے تھے فوج میں جنرل تک کے عہدوں پر بنگالی موجود تھے علاقائی حوالوں سے بات کی جائے تو بھٹو کو یہ سہولت بھی حاصل نہیں تھی بااختیار اور فیصلہ کن مقامات پر فائز جنرل یحییٰ خاں کا تعلق صوبہ سرحد سے جنرل گل حسن کا بلوچستان سے جنرل عمر اور پیرزادہ کا تعلق اہل زبان سے تھا اور ائیر مارشل اے رحیم خاں کا تعلق پنجاب سے ذوالفقار علی بھٹو نے ہر قسم اور ہر علاقہ کے اعلیٰ فوجی افسروں سے تعلقات قائم کئے سب کو اپنے سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنے میں کامیاب رہے واقعی وہ سب سے زیادہ باصلاحیت اور

ہوشیار تھے ان کی ضرورت سے زیادہ صلاحیت اور ہوشیاری ملک قوم اور خود ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوئی بحیثیت قوم ہم اس مقام تک ابھی تک نہیں پہنچ پائے تھے جہاں ہم اتنی زیادہ لیاقت اور ہوشیاری کو ہینڈل کر سکتے پورے ایشیا کا فخر دو حصوں میں بٹی ایک غریب قوم کی جھولی میں آن پڑا جھولی بھی پھٹ گئی فخر بھی چھن گیا اسے قوم اور ایشیا کی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

11

حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ

میں نے جون 1983ء میں حمود الرحمن کمیشن کی سفارشات کے بارے میں ایک مختصر سی خبر دی تو اقتدار کے ایوانوں میں زلزلہ آگیا اس وقت ملک میں قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت نہیں تھی بھٹو کی طرف سے ملک کا کمانڈر انچیف مقرر کئے جانے والے جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت تھی ان کے وزیر اطلاعات راجہ ظفر الحق تک نے اس خبر کو ملکی مفاد کے منافی قرار دے ڈالا محمد خاں جونیجو کی مسلم لیگ کے سیکرٹری جنرل اور ان کے وزیر قانون بننے والے اقبال احمد خان تک جنرل نیازی کے بارے میں ان سفارشات کی اشاعت پر بہت ناراض تھے کسی پیپلزپارٹی والے نے اس حصہ رپورٹ کی اشاعت کا برا نہیں مانا غم و غصہ کا اظہار کرنے والوں میں سب وہ سیاستدان تھے جن کا ذاتی طور پر سقوط ڈھاکہ سے کوئی تعلق نہ تھا وہ محض جنرل ضیاء الحق کی محبت میں تڑپ رہے تھے مجھ پر اور نوائے وقت پر مقدمات دائر کرنے کی دھمکیاں دی گئیں جنرل محمد ضیاء الحق تک خاموش نہ رہ سکے مجھے رپورٹ کے متاثرین کے ردعمل اور دھمکیوں کا تو اندازہ تھا میں نے ان کی طرف سے مقدمات کی بھی تیاری کر رکھی تھی لیکن اس دوسرے گروہ کے غم و غصہ کا اندازہ نہیں تھا انہیں بھی شاید یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس غم کے جواب میں میری طرف سے انہیں کتنے غصہ میں جواب ملے گا اس جواب کے بعد انہوں نے اس بارے میں زبان کھولنے کی جرآت نہیں کی۔

خبر دینے سے پہلے میرے ایک دوست نے مجھے اس نیکی سے باز رہنے کا مشورہ دیا ان کا موقف وہی تھا کہ اس سے تم پر مقدمہ چلے گا اس سے پہلے ہی گرفتاری اور جیل جا سکتے ہو میں نے جواب دیا تھا کہ اگر اس ملک میں ملک توڑنے اور ہتھیار ڈالنے کے مجرموں کو سزا نہیں

دی جاتی تو کم از کم کسی ایسے آدمی کو ہی اس سلسلے میں سزا ہو جائے جس کا اس سارے ڈرامہ سے کوئی تعلق نہیں تھا آئندہ مورخ یہ تو نہ لکھے کہ ایک قوم کا ملک ٹوٹ گیا نوے ہزار فوج نے ہتھیار ڈال دیئے اس کی تاریخ اور جغرافیہ تبدیل ہو گئے لیکن اس عظیم جرم میں قوم کے کسی ایک بھی فرد کو ایک دن کے لئے بھی حوالات تک نہ بھیجا گیا چلو مجرم نہ سہی معصوم ہی سہی کوئی تو جیل جائے مستقبل کا مورخ ساری قوم کو تو ایک کٹہرے میں کھڑا نہ کرے کسی حوالہ سے تو یہ مسئلہ عدالت میں پیش ہو میں قوم کا مجرم نہ ہونے کے جرم میں سزا کاٹنے کے لئے تیار ہوں۔

مجھے اپنی نہیں نوائے وقت اور اس کے ایڈیٹر کی فکر تھی جس نے میری Credibility پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ خبر شائع کردی تھی فکر یہ تھی کہ میری وجہ سے وہ نہ کسی مصیبت میں پھنس جائیں۔ جس روز خبر شائع ہوئی میں دفتر گیا تو مجید نظامی صاحب نے پوچھا آپ کے پاس تو کوئی نہیں آیا؟ ابھی تک تو نہیں آیا میں نے بتایا مجھے صبح سے ٹیلیفون آ رہے ہیں کیا کہتے ہیں خبر کا Source پوچھ رہے ہیں آپ نے کیا جواب دیا میں نے کہا ہے کہ آپ Source پوچھ رہے ہیں وہ تو خبر دینے والے رپورٹر کا نام خبر میں درج ہے ورنہ میں تو آپ کو وہ بھی نہ بتاتا رپورٹر ایڈیٹر کے کلہ کے سہارے کام کرتا ہے جس رپورٹر کا کلہ ہی کمزور ہو وہ کیا کام کرے گا اور کیا خبر دے گا انہوں نے کہا اگر آپ کے پاس کوئی آئے تو اسے کہہ دینا کہ جا کر میرے ایڈیٹر سے بات کریں معلوم ہوا کہ نظامی صاحب کو مقدمہ کی باقاعدہ دھمکی بھی مل چکی ہے میں نے پوچھا تو کہنے لگے اگر ان کے برے دن آئے ہیں تو کریں مقدمہ اگلے روز صوبائی گورنر لیفٹننٹ جنرل لودھی نے وفاقی حکومت کی ہدایت پر خود نظامی صاحب سے رابطہ قائم کیا اور خبر کا پوچھا ان کے انکار پر کہا کہ وہ آفیشل سیکرٹس ایکٹ کے تحت مقدمہ دائر کر رہے ہیں مجید صاحب نے کہا یہ ایکٹ آپ کے لئے ہو گا میرے لئے نہیں آخر گورنر نے پوچھا آپ اس رپورٹ کا بقیہ حصہ تو شائع نہیں کر رہے جس کے جواب میں انہوں نے کہا ہم اتنے بے وقوف نہیں اسی دوران اخبارات میں لاہور کی ڈیٹ لائن سے ایک سرکاری ہینڈ آؤٹ شائع ہوا جس میں حکومت نے اسی مقدمہ کی نوید دی تھی ہم نے معلوم کیا تو لاہور میں کسی متعلقہ سرکاری ادارہ نے ایسا ہینڈ آؤٹ جاری نہیں کیا تھا اسلام آباد سے سرکاری

ایجنسی اے پی پی نے سرکاری ہینڈ آؤٹ کے انداز میں ایک آئٹم جاری کی تھی مگر اس پر ڈیٹ لائن لاہور کی دی گئی تھی۔

اتفاق سے جس روز خبر شائع ہوئی اس کے ساتھ ہی نوائے وقت میں سابق چیف جسٹس اور حمود الرحمٰن کمیشن کے رکن شیخ انوار الحق کا انٹرویو بھی شائع ہوا تھا جو ملک کے حالات اور قانونی امور کے بارے میں تھا نظامی صاحب مجھے کہنے لگے اس اتفاق سے شیخ صاحب پریشان ہوں گے ذرا انہیں مل آئیں میں ان کے ہاں گیا تو وہ واقعی پریشان تھے ان کی پریشانی بجا تھی حمود الرحمٰن کمیشن کے ارکان میں سے وہ واحد بقید حیات تھے باقی سب اپنے اعمال اور دوسروں کے راز لئے خدا کے حضور پیش ہو چکے تھے۔ شیخ صاحب نے کہا وہ مجھ پر شبہ کریں گے کہ میں نے بتایا ہے کیونکہ میں ہی ارکان میں سے باقی ہوں میں نے کہا آپ فکر نہ کریں میں حلفیہ بیان دینے کو تیار ہوں کہ آپ نے مجھے نہیں بتایا تھا اسلام آباد کے علاوہ کراچی سے مجھے دھمکیاں موصول ہوتی رہیں لیکن میں نے نظامی صاحب کو نہیں بتایا وہ اپنے محاذ پر مصروف تھے مگر ایک بات پر خوشی ہوئی کہ دوستوں کے علاوہ پرانے دشمنوں اور بہت سے انجانے لوگوں نے خود بخود ہر قسم کے تعاون کی پیشکش کی اس سے اندازہ ہوا کہ قوم اس معاملے میں کتنی سنجیدہ ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے جب کمیشن کے قیام کا اعلان کیا تو اس کے صدر چیف جسٹس حمود الرحمٰن نے ان سے کہا تھا کہ دیکھو میں بنگال سے تعلق رکھتا ہوں اگرچہ میں بنگلہ دیش کی بجائے پاکستان میں رہنا پسند کرتا ہوں اگر آپ نے کمیشن بٹھانا ہے تو وہ جو رپورٹ دے گا وہ آپ کو شائع کرنا ہوگی ورنہ کمیشن قائم ہی نہ کریں جواب میں بھٹو صاحب نے کہا کہ ہاں کیوں نہیں شائع کریں گے اسی لئے تو کمیشن قائم کیا جا رہا ہے اس ملاقات میں کمیشن کے دیگر ارکان بھی موجود تھے مغربی پاکستان میں موجود فوجی افسروں اور افراد کے بیانات کے بعد کمیشن نے ایک عبوری رپورٹ پیش کی تھی اور اس میں بعض سفارشات بھی کی گئی تھیں بھارت کی قید سے فوجیوں اور جنرل نیازی کی واپسی پر کمیشن نے جنرل نیازی کا بیان قلمبند کیا اس کے ساتھی جرنیلوں اور اس کی ذاتی کارکردگی اور کارناموں کے بارے میں پوچھا بھارت کی قید سے واپس آنے والے فوجی افسروں کے بیانات مکمل کرنے کے بعد تفصیلی رپورٹ اور سفارشات

ذوالفقار علی بھٹو کو پیش کر دیں اس کے چند روز بعد کمیشن کے تمام ارکان کو بھٹو کی طرف سے حکم موصول ہوا کہ کمیشن کی سماعت سے متعلقہ تمام ریکارڈ بیانات حتیٰ کہ وہ کاپیاں بھی جن پر کمیشن کے ارکان نوٹس لیتے رہے تھے حکومت کے حوالے کر دیئے جائیں ارکان نے باہمی مشورہ کیا اور اس ناروا مطالبہ پر غور کیا جسٹس طفیل علی عبدالرحمٰن نے کہا کہ دیکھو بھٹو ایسا آدمی ہے کل کو ہم پر آفیشل سیکرٹس ایکٹ کے تحت بھی کیس کرا سکتا ہے چنانچہ سب ارکان نے ہر قسم کا ریکارڈ حکومت کے حوالے کر دیا لیکن بھٹو کی اس پر بھی تسلی نہیں ہوئی کم از کم ایک متعلقہ آدمی نے بتایا کی ایف ایس ایف کے ذریعے اس کے گھر کی تلاشی لی گئی اور جس کسی کاغذ پر رپورٹ سے متعلق ہونے کا شبہ بھی ہوا تو وہ بھی ایف ایس ایف والے اٹھا لے گئے۔

جسٹس حمود الرحمن بھٹو سے رپورٹ شائع کرنے کا تقاضا کرتے رہے اور وہ ٹالتے رہے چوہدری یعقوب علی پاکستان کے چیف جسٹس بنے تو انہوں نے بھی بھٹو کو رپورٹ شائع کرنے کا مشورہ دیا جس کے جواب میں بھٹو نے کہا کہ اس میں کچھ ایسا مواد ہے جس کی اشاعت ملکی مفاد میں نہیں چوہدری صاحب نے تجویز پیش کی کہ سپریم کورٹ کے تین ججوں پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کر دی جائے جو رپورٹ کا تفصیلی جائزہ لے کر اس کے قومی مفاد کے منافی حصوں کو ناقابل اشاعت قرار دے کر باقی رپورٹ پریس کو جاری کر دے گی اس طرح آپ پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا بھٹو صاحب نے جواب دیا کہ اس سے لوگ کہیں گے کہ بھٹو نے اپنے بارے میں چیزیں رپورٹ سے نکال دی ہیں چوہدری صاحب نے کہا کہ رپورٹ پریس کو جاری کرتے وقت ہم ناقابل اشاعت حصہ کی ذمہ داری خود لیں گے کہ ہم اس کی اشاعت کو قومی مفاد کے منافی سمجھتے ہیں اور ہم اس کو روکنے کے ذمہ دار ہیں لیکن بھٹو صاحب نے ان کی یہ تجویز بھی قبول نہیں کی تھی۔

چوہدری یعقوب علی صاحب سے ایک دفعہ میں نے پوچھا کہ آپ نے وہ رپورٹ خود دیکھی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ انہوں نے رپورٹ نہیں پڑھی لیکن جس ناقابل اشاعت حصہ کے بارے میں ذوالفقار علی بھٹو نے چوہدری صاحب کو بتایا تھا وہ میرے لئے حیران کن بات تھی میں نے اس بارے میں حقائق جاننے کی کوشش کی اور پوری دیانتداری سے اپنی

تحقیق پر خود تنقیدی نظر ڈالتا رہا مزید پہلوؤں کی تلاش میں رہا شیخ انوار الحق سے بھی پوچھا میری تحقیق کے مطابق ذوالفقار علی بھٹو نے رپورٹ کے جس حصہ کا چوہدری صاحب سے ذکر کیا تھا اور جس بات کی اشاعت کو قومی مفاد کے منافی بتایا تھا رپورٹ میں نہ صرف وہ بات موجود نہیں بلکہ اس بارے میں کہیں اشارہ تک نہیں ملتا حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے نام پر بھارت کے انگریزی اخبار ٹائمز آف انڈیا نے اپنی یکم اکتوبر 1988ء کی اشاعت میں جو رپورٹ شائع کی ہے اس کے بارے میں یہ کہنے کی پوزیشن میں نہیں کہ یہ واقعی حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ ہے لیکن اگر یہ رپورٹ واقعی وہ ہے تو پھر بھارت اور اس کے اخبارات کو اس بات کا سب سے نمایاں ذکر کرنا چاہئے تھا جو ذوالفقار علی بھٹو نے چوہدری یعقوب علی کو بتائی تھی اور اس کی بنیاد پر پوری رپورٹ کو شائع کرنے سے انکار کر دیا تھا یہ بات ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے روایتی انداز میں خود گھڑی ہو گی تاکہ پاکستان کے چیف جسٹس کو اس کے پیشرو چیف جسٹس آف پاکستان کی رہنمائی میں تیار ہونے والی رپورٹ شائع کرنے کے وعدے سے انحراف کے بارے میں مطمئن کیا جا سکے۔

ٹائمز آف انڈیا کا دعوی تھا کہ اس نے جو رپورٹ شائع کی ہے حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ کی وہ نقل ہے جو بھٹو کی گرفتاری کے وقت ان کے بستر کے نیچے سے ملی تھی اخبار نے لکھا ہے کہ اس رپورٹ کی پانچ نقول تھیں اور ذوالفقار علی بھٹو نے جب یہ رپورٹ پڑھی تو انہیں گہرا صدمہ ہوا اور انہیں خدشہ ہوا کہ اگر پاکستانی عوام کو یہ علم ہو گیا کہ یہ جنرل کیا کرتے رہے ہیں تو بغاوت ہو جائے گی اس لئے انہوں نے کمیشن کی رپورٹ کی تمام نقول جلا کر راکھ کر دینے کا حکم دیا تھا اخبار کا دعوی ہے کہ یہ نقل جو ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری کے وقت ان کے بستر کے نیچے سے ملی تھی پاکستان سے سمگل کر کے واشنگٹن میں مقیم اس کے نمائندے کو مہیا کی گئی تھی۔

اخبار کے اس دعوی میں بہت سی ایسی غلطیاں ہیں جو اتنے بڑے اخبار کا اتنا بڑا رپورٹر نہیں کر سکتا اول تو یہی بات ہے کہ اس رپورٹ کی تمام نقول ذوالفقار علی بھٹو نے جلا کر راکھ کرنے کا حکم دیا تھا درست نہیں رپورٹ اب بھی موجود ہے جنرل غلام حسن خاں نے ایک دفعہ مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے جنرل محمد ضیاء الحق کو اس رپورٹ کی اشاعت کا مشورہ بھی دیا تھا

لیکن ضیاء الحق نے اتفاق نہیں کیا تھا اگر یہ رپورٹ موجود نہ ہوتی تو جون 1983ء میں نوائے وقت کے چاروں سٹیشنوں سے اس کے ایک صفحہ پر مشتمل خبر کی اشاعت پر حکومت کی طرف سے پنجاب کے گورنر اور ڈپٹی مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر لیفٹننٹ جنرل لودھی سب سے زیادہ اس بارے میں فکر مند نہ ہوتے کہ اس کا اگلا حصہ بھی نہ چھپ جائے اور وہ مجید نظامی سے یہ نہ پوچھتے کہ آپ اس کا باقی حصہ تو شائع نہیں کر رہے ہیں جس کے جواب میں نظامی صاحب نے کہا تھا کہ ہم اتنے بے وقوف نہیں اگر رپورٹ کی سب نقول جل گئی تھیں تو اس کے نو سال بعد جنرل لودھی اور مرکزی حکوت کو کیسے علم ہو سکتا تھا کہ جو صفحہ شائع ہو گیا ہے اس کے اگلے حصہ میں کیا لکھا ہے چار اور پانچ جولائی 1977ء کی درمیانی شب جب ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹا گیا تھا تو انہیں گرفتار فوری طور پر نہیں کیا گیا تھا بقول مولانا کوثر نیازی جنرل ضیاء الحق نے رات کو ذوالفقار علی بھٹو سے جو بات کی تھی اس میں ان سے پوچھا تھا کہ کل آپ مری جانا پسند کریں گے یا لاڑکانہ جس کے جواب میں بھٹو صاحب نے کہا تھا کہ مری جب جنرل ضیاء الحق نے ان سے پوچھا کہ بیگم صاحبہ اور بچے کہاں جانا پسند کریں گے تو بھٹو نے کہا تھا کہ بیگم صاحبہ بچوں کے ساتھ لاڑکانہ جانا چاہتی ہیں جنرل ضیاء الحق نے جواب دیا تھا ٹھیک ہے صبح ناشتہ کے بعد آپ کو مری پہنچا دیا جائے گا چنانچہ اگلے روز ناشتہ کے بعد بھٹو صاحب کو باعزت طریقہ سے مری پہنچا دیا گیا اور بیگم صاحبہ بچوں سمیت لاڑکانہ روانہ ہو گئیں نہ کسی نے ان کے گھر کی تلاشی لی نہ سامان کی پھر بھٹو کو بستر کے نیچے رپورٹ چھپانے کی ضرورت بھی نہ تھی ان کے پاس ایسی چیزیں رکھنے کی اور بھی جگہیں تھیں اور بڑی محفوظ جگہیں تھیں وہ تو جیل سے اپنی پوری کتاب If I am assassinated, کا پورا مسودہ بھارت بھجوانے میں کامیاب ہو گئے تھے انہیں یہ رپورٹ سرہانے کے نیچے چھپانے کی کیا ضرورت تھی پھر جب انہیں گرفتار کیا گیا تو بستر سے نہیں گھر سے کیا گیا تھا اس وقت بھی کسی نے ان کے گھر کی تلاشی نہیں لی تھی ہاں اگر اخبار کا رپورٹر یہ کہنا چاہتا ہے کہ بھٹو صاحب کے قبضہ میں رپورٹ کی جو نقل تھی وہ ان کی گرفتاری کے بعد ان کے گھر والوں کو ملی تھی تو یہ دوسری بات ہے بھٹو صاحب کے جملہ کاغذات اور دستاویزات ان کے اہل خانہ کے پاس محفوظ تھے اب بھی محفوظ ہیں اگر انہوں نے اپنی مرضی سے ان میں سے کوئی چیز ملک سے باہر

بھیجی ہے تو یہ دوسری بات ہے مگر ہمارے خیال میں ان کے اہل خانہ کو یہ رپورٹ باہر بھیجنا تھی اور چھپوانا تھی تو اس کے لئے سب سے مناسب وقت وہ تھا جب بھارت میں If I am assassinated شائع ہوئی تھی وہ وقت مناسب تھا جب ذوالفقار علی بھٹو پھانسی کی کوٹھڑی میں بند تھے اتنی دیر بعد جب بھٹو خاندان تشدد کی سیاست کی بجائے امن سیاست کا پرچار کو رہا تھا فوج کی حمایت اور تعریف میں مصروف تھا اسے فوجی جرنیلوں کے ان کاموں کے بارے میں خفیہ رپورٹ دشمن ملک کے کسی اخبار کے کسی نمائندہ تک پہنچانے کی ضرورت نہیں تھی اب اس سے سیاسی فائدہ کی بجائے نقصان ہوتا ملک میں کسی اور میں یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ وہ بھٹو خاندان کی مرضی کے بغیر ان کی کوئی چیز لے جائے یا شائع کرا دے مکمل رپورٹ نہیں تو کم از کم اس کی برآمد اور سمگلنگ کے بارے میں اخبار اور اس کے رپورٹر نے ایک اچھا خاصا ڈرامہ کرنے کی کوشش کی ہے ٹائمز آف انڈیا میں شائع شدہ رپورٹ کے بارے میں یہ بات اعتماد کے ساتھ کہی جا سکتی ہے اس میں حقائق اور مبالغہ سچ اور جھوٹ ملے جلے ہیں حقیقت اور سچ کیا ہے اور مبالغہ کیا ہے؟ اس بارے میں میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں لیکن یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہ اصل رپورٹ تھی تو اس میں بعض اہم حقائق موجود تھے کیوں نہ ہوتے اور کئی اضافی چیزیں کیسے شامل ہو گئیں

دسمبر 1985ء میں سارک کے اجلاس میں جانے سے پہلے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق نے ملک بھر سے کچھ اخبار نویسوں کو راولپنڈی بلایا تھا سارک کے معاملات کی بریفنگ اور ان کے خیالات جاننے کے لئے رات کھانے کے بعد بریگیڈیئر صدیق سالک مرحوم ہمارے ساتھ ہی ہوٹل آ گئے گپ شپ کے دوران انہوں نے اچانک پوچھا حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ تم نے ساری شائع کر دی تھی یا ابھی کچھ باقی ہے؟ کیوں کیا ضرورت پڑ گئی؟ جنرل رحیم جا رہا ہے باقی بھی شائع کر دو۔ انہوں نے کہا اور قہقہہ لگایا پھر پوچھا "رپورٹ تم نے حاصل کہاں سے کی تھی؟" تم ہی نے تو دی تھی اب بھول گئے ہو میں نے جواب دیا صدیق سالک مرحوم نے بتایا کہ خبر کی اشاعت کے بعد جنرل رحیم خان صدر مملکت کے پاس گئے اور کہا کہ میں مقدمہ دائر کرنا چاہتا ہوں صدر ضیاء الحق نے کہا ہاں آپ جیسا چاہیں کریں اس کے بعد وہ جنرل عارف کے پاس گئے اس نے بھی کہا کہ ہاں کریں مقدمے وکیل سے مقدمہ

تیار کروا کر وہ وزیر قانون شریف الدین پیرزادہ کے پاس لے گئے اس نے کہا مقدمہ تو آپ بے شک کر دیں مگر یہ دیکھ لیں آپ کے پاس دو عہدے ہیں یہ چھوڑنا پڑیں گے اس پر انہوں نے ارادہ ملتوی کر دیا اور کہا میں مناسب وقت کا انتظار کروں گا مقدمہ میرے اور نوائے وقت کے علاوہ صدیق سالک کے خلاف بھی تیار کیا گیا تھا جنرل عارف سے اسی سلسلہ میں اجازت حاصل کی تھی کیونکہ سالک صدر کا پریس سیکرٹری تھا صدیق سالک پر مقدمہ ان کی کتاب میں جنرل صاحب کے میدان جنگ کے کارناموں کے ذکر کی وجہ سے کیا جا رہا تھا۔ بقول صدیق سالک مرحوم اس وقت حکومت نے نوائے وقت پر پابندی لگانے کے بارے میں بھی سوچا تھا اور مرحوم نے ایسا کرنے کے خلاف مشورہ دیا تھا۔ میں نے کہا کہ ہم نے تو جنرل رحیم کا خبر میں کہیں نام نہیں دیا کہ ان کے خلاف بھی کچھ ہے سالک نے قہقہ لگایا۔۔۔۔۔۔۔"

حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ کے بارے میں جون 1983ء میں نوائے وقت میں اور یکم اکتوبر 1988ء کو ٹائمز آف انڈیا میں شائع ہونے والی رپورٹیں حاضر ہیں تاکہ انہیں پڑھ کر آپ خود موازنہ کر سکیں۔ نوائے وقت کی خبر یہ تھی۔

لاہور، 19 / جون (رفیق ڈوگر) مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی جنگ اور سقوط ڈھاکہ کے اسباب و عوامل کی تحقیقات کرنے والے حمود الرحمٰن کمیشن کی رپورٹ میں دو جرنیلوں اور متعدد بریگیڈیئروں کا کورٹ مارشل کرنے کی سفارش کی گئی ہے کمیشن نے اس وقت کے سربراہ حکومت اعلیٰ فوجی افسروں جی ایچ کیو کے ریکارڈ کی گواہیوں اور مشرقی پاکستان کی جنگ کے مختلف سیکٹروں کے انچارجوں کے بیانات کی روشنی میں مشرقی کمان کے سربراہ لیفٹننٹ جنرل عبد اللہ خان نیازی اور ان کے اس وقت کے ساتھی جنرل کا کورٹ مارشل کرنے کی سفارش کی تھی مگر اس وقت کی حکومت نے کسی فوجی افسر کا کورٹ مارشل نہیں کیا بلکہ نیازی کو فوج سے ریٹائر کر دیا گیا اور دوسرے جرنیل کو سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا کمیشن کی رپورٹ کے صفحہ 194 پر لیفٹننٹ جنرل نیازی کا کورٹ مارشل کرنے کی سفارش کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مشرقی کمان کے سربراہ کی حیثیت سے وہ بھارت کے حملے کے خطرے کا احساس کرنے میں ناکام رہا اور اس سلسلے میں اس نے جنرل ہیڈ کوارٹرز کی رائے سے اتفاق نہیں کیا حالانکہ بھارت اور روس نے باہمی دوستی کا معاہدہ کیا اور اس کے بعد بھارت کی وزیر اعظم نے

اسمبلی میں جو بیان دیا تھا اس سے حملے کا اندازہ ہوتا تھا کمیشن نے لکھا ہے کہ وہ بھارتی حملے کے خطرات کا اندازہ لگانے میں دانستہ ناکام رہے اکیس نومبر کو بھارت کے کھلے حملہ کے باوجود وہ اس منصوبہ پر ڈٹے رہے کہ مشرقی پاکستان کا کوئی ٹکڑا دشمن کے قبضہ میں نہیں جانے دیا جائے گا حالانکہ ان کے اس منصوبے کی خامیاں سب پر عیاں ہو چکی تھیں اور بنگلہ دیش کی جلا وطن حکومت کے قیام کے بعد اس کی ضرورت نہیں تھی اس طرح انہوں نے پیشہ ورانہ اہلیت کے فقدان کا مظاہرہ کیا کمیشن کی رپورٹ میں ان کے دفاعی منصوبے کی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے قلعہ بندیوں کا طریقہ اپنایا مگر ان قلعوں کے دفاع کی ضروریات کا کوئی خیال نہ کیا اس کے علاوہ انہوں نے بوقت مجبوری پسپائی جیسے اہم جزو کو اپنے لڑائی کے منصوبے اور آرڈر میں شامل نہیں کیا اس طرح انہوں نے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کیا کمیشن نے ان کے کورٹ مارشل کی سفارش کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ انہوں نے ڈھاکہ کے دفاع کا کوئی منصوبہ نہیں بنایا تھا اور فوجوں کو دریاؤں کے دوسری طرف دفاعی پوزیشن اختیار کرنے کے احکامات جاری کرنے میں ناکام رہے تھے اس کے علاوہ مشرقی پاکستان کی لڑائی کے بارے میں وہ نہ صرف جی ایچ کیو کو غلط اطلاعات فراہم کرتے رہے بلکہ جی ایچ کیو کی طرف سے جاری کردہ ہدایات پر بھی عمل نہیں کیا اور جلد بازی میں ہتھیار ڈال دیئے حالانکہ مزید سات روز تک ڈھاکہ کا دفاع کیا جا سکتا تھا کمیشن کی رپورٹ میں اسے قبل از وقت سقوط کہا گیا ہے کمیشن کی رپورٹ میں نیازی کے کورٹ مارشل کی سفارش کرتے ہوئے اس کی جو وجوہ دی گئی ہیں ان میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ڈھاکہ کے ہوائی اڈے پر بھارتی جرنیل کا نہ صرف استقبال کرنے گئے بلکہ اسے گارڈ آف آنر پیش کیا گیا اور پاکستانی فوجیوں کو گارڈ آف آنر پیش کرنے کے علاوہ کھلے میدان مین عام لوگوں کے سامنے توہین آمیز طریقے سے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا اور ڈھاکہ میں موجود بہت سے قیمتی ہتھیار اور جنگی ساز و سامان تک تباہ نہیں کرایا گیا جو سب بھارتی قبضہ میں چلا گیا اس پر جنسی تعلقات میں ملوث ہونے کے علاوہ پانوں کی سمگلنگ کا بھی الزام لگایا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کے کردار سے عام فوجیوں پر برے اثرات مرتب ہوئے اور بحیثیت کمانڈر کے وہ ان کے سامنے اعلیٰ پیشہ ورانہ اور اخلاقی نمونہ پیش نہ کر سکے اس کے علاوہ بھارت کی قید کے دوران بھی ان کا رویہ نامناسب رہا

اور پاکستان آنے کے بعد انہوں نے مشرقی پاکستان کی لڑائی میں شامل فوجی افسروں کو دھمکیاں دیں اور اس طرح ڈرا دھمکا کر اصل حقائق اور واقعات بیان کرنے سے روکا جنرل نیازی کے ساتھی جرنیل کے کمان چھوڑ کر بھاگ جانے اور بزدلی دکھانے پر کمیشن کی رپورٹ میں کورٹ مارشل کی سفارش کی گئی ہے وہ چاند پور سے دریا کے راستے بھاگتے ہوئے مکتی باہنی کی فائرنگ سے خود زخمی ہوئے تھے اور ان کے ساتھی شہید ہو گئے تھے سقوط ڈھاکہ کے بعد بھی وہ ہیلی کاپٹر پر برما کی طرف بھاگ گئے حالانکہ اس ہیلی کاپٹر پر فوجی ہسپتال کی نرسوں کو ڈھاکہ سے نکالنا تھا جو پیچھے رہ گئیں اور انہیں بھارت کے جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں توہین آمیز سلوک برداشت کرنا پڑا سابق حکومت نے ان کا کورٹ مارشل کرنے کی بجائے انہیں سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے یحییٰ خاں کے دور کے ابتدائی دنوں میں جب وہ بریگیڈیر تھے اور جی ایچ کیو میں جنرل پیرزادہ کے ماتحت ہوتے تھے اس وقت وہ پیپلز پارٹی کے سربراہ کو جی ایچ کیو کی خبروں سے اور سوچ سے باخبر رکھتے تھے یہ فرض ان کے علاوہ ایک اور بریگیڈیئر کریم بھی انجام دیا کرتے تھے کمیشن نے کالعدم پیپلز پارٹی کے سربراہ کا بیان بھی ریکارڈ کیا تھا اور ان سے پوچھا تھا کہ اپنی طویل انتخابی مہم کے دوران انہوں نے مجیب الرحمن کے ان چھ نکات کی مخالفت کیوں نہیں کی تھی جن کی وجہ سے انتخابات کے بعد انہوں نے اتنا شور کیا اور اسمبلی کے اجلاس کا بائیکاٹ کیا تھا اور انہیں ملکی وحدت کے منافی قرار دیا تھا کمیشن نے پوچھا تو جواب میں اس نے کہا تھا کہ ایک دو جلسوں میں انہوں نے چھ نکات کا ذکر کیا تھا لیکن یہ تسلیم کیا کہ اس نے انتخابی مہم کے دوران ان پر اتنی تنقید نہیں کی تھی کمیشن کی رپورٹ کی تیاری کے بعد اس وقت کی حکومت نے کمیشن کے ارکان سے حکماً ان کے نوٹس اور دیگر جملہ دستاویزات بھی منگوا لئے تھے مگر کمیشن کے چیئرمین اور اس وقت کے چیف جسٹس سپریم کورٹ کے کہنے کے باوجود کمیشن کی رپورٹ شائع نہیں کی گئی حالانکہ کمیشن کے قیام کے وقت اس کے چیئرمین حمود الرحمن نے یہ یقین دہانی حاصل کی تھی کہ رپورٹ جو بھی ہو گی شائع کی جائے گی۔

ٹائمز آف انڈیا نے یہ خبر دی تھی

نئی دہلی (نمائندہ جنگ) جسٹس حمود الرحمن کمیشن نے 1972ء میں سفارش کی تھی کہ

جنرل یحیٰ خاں' جنرل عبدالحمید خاں' لیفٹننٹ جنرل ایس جی ایم پیرزادہ' لیفٹننٹ جنرل گل حسن' میجر جنرل عمر' میجر جنرل مٹھا اور لیفٹننٹ جنرل نیازی سمیت متعدد اعلیٰ افسروں پر مارچ 1969ء میں ایوب خاں سے اقتدار ہتھیانے کی سازش کرنے مشرقی پاکستان میں ایسے حالات پیدا کرنے کے لئے جرم میں جس کے نتیجے میں وہاں خانہ جنگی اور سول نافرمانی ہوئی نیز جنگ میں مجرمانہ غفلت' پاکستانی فوجوں کے ہتھیار ڈالنے اور مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کے جرائم کے تحت سرعام مقدمہ چلایا جائے اس امر کا انکشاف ٹائمز آف انڈیا میں یکم اکتوبر کو چھپنے والی ایک رپورٹ میں کیا گیا ہے رپورٹ میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ سفارش اور دیگر اہم انکشافات جسٹس حمود الرحمن کمیشن کی سفارشات میں کئے گئے تھے جس کی ایک نقل مذکورہ اخبار کے واشنگٹن میں مقیم نمائندہ کو دستیاب ہوئی ہے اس کمیشن کے دیگر ارکان میں جسٹس انوار الحق اور جسٹس طفیل علی عبدالرحمن شامل تھے اخبار کے مطابق کمیشن نے اپنی ابتدائی رپورٹ جولائی 1972ء میں اور حتمی رپورٹ نومبر 1974ء میں پیش کی تھی کمیشن نے 273 گواہیوں کا جائزہ لیا ان گواہیوں میں جنگی قیدیوں کی گواہیاں بھی شامل تھیں رپورٹ کی کل 5 نقول تیار کی گئی تھیں جب سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اس رپورٹ کو پڑھا تو انہیں گہرا صدمہ ہوا اور انہیں خدشہ ہوا کہ اگر پاکستانی عوام کو یہ علم ہو گیا کہ یہ جنرل کیا کرتے رہے ہیں تو بغاوت ہو جائے گی انہوں نے کمیشن کی رپورٹ کی تمام نقول جلا کر راکھ کر دینے کا حکم دیا جب بھٹو کو مقدمہ کے سلسلہ میں گرفتار کیا گیا تو ان کے بستر کے نیچے سے رپورٹ کی ایک نقل ملی تھی۔

رپورٹ کے مطابق امریکہ' ایران اور چین نے پاکستان کو متنبہ کیا تھا کہ اگر بھارت کے ساتھ جنگ ہوئی تو وہ پاکستان کی مدد نہیں کر سکیں گے اس تنبیہہ کے باوجود پاکستان نے مسلسل چین سے اصرار کیا کہ وہ مداخلت کرے مغربی محاذ پر جنگ بھارت نے نہیں پاکستان نے شروع کی تھی اخبار نے دعویٰ کیا ہے کہ رپورٹ کی نقل پاکستان سے سمگل کر کے اس کے رپورٹر کو مہیا کی گئی کمیشن کی رپورٹ میں واضح کیا گیا ہے کہ امریکہ کے پالیسی سازوں اور پاکستان میں اس کے دوستوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ بھارت مشرقی پاکستان کی جنگ کو مغربی پاکستان تک توسیع دینا چاہتا ہے اور بھارت نے مغربی محاذ پہ جنگ شروع کی جبکہ یہ صحیح

نہیں در حقیقت پاکستان کے فوجی جرنیلوں نے غیر ضروری طور پر مغربی محاذ سے بھارت پر حملہ کرنے میں تاخیر کی کمیشن نے سفارش کی کہ جنرل یحییٰ اور دیگر اعلیٰ حکام پر ان الزامات کے تحت سرعام مقدمہ چلایا جائے کہ 25 مارچ 1969ء کو فیلڈ مارشل ایوب خاں سے غیر قانونی طور پر اقتدار غصب کرنے اور یحییٰ خاں کو اقتدار دینے کی مجرمانہ سازش میں فریق بنے کمیشن نے لکھا ہے کہ اپنے مشترکہ مقصد کی تکمیل کے لئے انہوں نے سیاسی جماعتوں کو دھمکیوں ترغیب اور رشوت دے کر اپنے منصوبوں کی حمایت کرنے کے لئے دباؤ ڈالا ان منصوبوں میں 70ء کے انتخابات میں خاص قسم کے نتائج بر آمد کرانا اور بعد ازاں بعض سیاسی جماعتوں اور ارکان اسمبلی کو اس بات پر آمادہ کرنا شامل تھا کہ وہ 3 مارچ 71ء کو ڈھاکہ میں ہونے والے اسمبلی کے اجلاس میں شرکت سے انکار کر دیں انہوں نے بعد ازاں ایک دوسرے کی رضا مندی کے ساتھ مشرقی پاکستان میں ایسی صورتحال پیدا کی جس کے نتیجے میں وہاں سول نافرمانی شروع ہو گئی عوامی لیگ کی طرف سے مسلح بغاوت ہوئی اور نتیجہ کے طور پر مشرقی پاکستان میں ہمارے دستوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور مشرقی پاکستان الگ ہو گیا۔

مذکورہ بالا افسران پر جنگ کے دوران مشرقی اور مغربی پاکستان میں اپنے فرائض سے مجرمانہ غفلت برتنے پر بھی مقدمہ چلایا جائے سرعام مقدمہ چلانے کے جواز میں کمیشن نے رپورٹ میں لکھا کہ ان کمانڈروں نے آئین کی خلاف ورزی کر کے مجرمانہ سازش سے اقتدار غصب کر کے پیشہ ورانہ عدم مہارت مجرمانہ غفلت اور جنگ سے دستبردار ہو کر جسمانی و اخلاقی بزدلی کا مظاہرہ کیا جبکہ وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور وسائل رکھتے تھے پاکستان کو رسوا کیا اور اسے شکست سے دوچار کیا کمیشن نے سفارش کی کہ تین جنرلوں پر راجستھان اور پنجاب کے محاذوں پر جان بوجھ کر فرائض سے غفلت برتنے اور اس کے نتیجے میں شرمناک شکست پر مقدمہ چلایا جائے سفارش میں کہا گیا ہے کہ لیفٹننٹ جنرل ارشاد احمد خاں سابق کور کمانڈر پر اپنی کور کے آپریشن کے دوران مجرمانہ اور جان بوجھ کر فرائض میں غفلت برتنے پر مقدمہ چلایا جائے جس کے نتیجے میں شکر گڑھ تحصیل کے 500 دیہات جنگ کے بغیر دشمن کے قبضہ میں چلے گئے اور اس طرح جنوب میں فوج کا حملہ شدید خطرات کا شکار ہو گیا یہ سفارش بھی کی گئی ہے کہ میجر جنرل عابد زاہد (سابقہ جی او سی ڈویژن 15) پر ضلع سیالکوٹ کے علاقے

چھوکلیاں میں 98 دیہات بھارت کے قبضہ میں چلے جانے اور میجر جنرل بی ایم مصطفیٰ سابق جی او سی ڈویژن 18 پر اس جرم میں مقدمہ چلایا جائے کہ رام گڑھ راجستھان پر حملہ کر کے اسے قبضہ میں کرنے کا ان کا منصوبہ فوجی طور پر غیر محفوظ تھا جو جلد بازی میں بنایا گیا اور اس پر عملدرآمد کے نتیجے میں گاڑیوں اور آلات کا صحرا میں شدید نقصان ہوا۔

کمیشن نے جنرل اے کے نیازی کی جنہوں نے بھارت کے آگے ہتھیار ڈالے شدید مذمت کی ہے اور سفارش کی کہ ان کا اور ان کے متعدد ڈویژنل کمانڈروں کا کورٹ مارشل کیا جائے جنرل نیازی کے بارے میں اپنے ریفرنس میں کمیشن نے لکھا ہے کہ جنرل نیازی پر سنگین ترین الزامات یہ لگائے گئے ہیں کہ جب وہ سیالکوٹ میں جی او سی تھے اور بعد ازاں جب وہ لاہور میں مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے تو انہوں نے مارشل لاء مقدمات کے دوران رقم جمع کی ان کے گلبرگ لاہور کی ایک خاتون کے ساتھ تعلقات تھے جو ایک قحبہ خانہ چلا رہی تھی اور کام کرانے اور اس کے عوض رشوت لینے کے ضمن میں جنرل یحییٰ کی "ٹاؤٹ" کے طور پر کام کر رہی تھی ان کے سیالکوٹ کی ایک عورت سے بھی تعلقات تھے جو کہ اس عورت جیسا کردار ادا کرتی تھی مشرقی پاکستان میں اپنے قیام کے دوران ان کی شہرت یہ رہی کہ وہ خراب کردار کی عورتوں سے تعلقات رکھتے ہیں اور راتوں کو ایسے مقامات پر جاتے ہیں اور ان کی کمان کے جونیئر افسر بھی وہاں جاتے ہیں نیز وہ مشرقی پاکستان سے مغربی پاکستان کو پان کی سمگلنگ کرتے ہیں یہ الزامات کمیشن کے سامنے گواہ نمبر6 عبد القیوم عارف گواہ نمبر13 منور حسین ایڈووکیٹ (سیالکوٹ) گواہ نمبر25 عبد الحفیظ کاردار، گواہ نمبر164 میجر سجاد الحق گواہ نمبر57 سکواڈرن لیڈر سی اے وحید اور گواہ نمبر147 لیفٹیننٹ کرنل حفیظ احمد نے عائد کئے رپورٹ میں لکھا ہے کہ ہماری تحقیقات کے موجودہ مرحلے میں ایک تباہ کن شہادت ریکارڈ پر آئی جو جنرل نیازی کے جنسی امور میں شہرت اور پان کی سمگلنگ میں ملوث ہونے کے بارے میں ہے۔

کارروائی کا حوالہ دیتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جنرل نیازی کی زیادہ تکلیف دہ فوجی ناکامی ان کے پست رویہ کی وہ داستان ہے جس کے تحت وہ ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے آمادہ ہوئے اور جس کے تحت وہ ائرپورٹ پر فاتح بھارتی جرنیل اروڑہ کا استقبال کرنے کے لئے موجود تھے۔ کمیشن نے سفارش کی کہ جنرل اے اے کے نیازی کے

ساتھ 6 مزید جرنیلوں اور بریگیڈیئر کا بھی کورٹ مارشل کیا جائے جن میں میجر جنرل محمد جمشید (سابق جی او سی 36 ڈویژن ڈھاکہ) میجر جنرل ایم رحیم خاں سابق جی او سی 30 ڈویژن بریگیڈیئر جی ایم باقر صدیقی سابق بی او سی ایسٹرن کمانڈ ڈھاکہ بریگیڈیئر محمد اسلم نیازی سابق کمانڈ 53 بریگیڈیئر بھی شامل ہیں۔ ایک مقام پر کمیشن نے کہا کہ میجر جنرل نذر حسین شاہ (گواہ نمبر 242) میجر جنرل ایم ایچ انصاری (گواہ نمبر 233) اور بریگیڈیئر باقر صدیقی (گواہ نمبر 218) کی گواہی نے انکشاف کیا ہے کہ سینئر افسروں اور ان کی یونٹوں کا ایک گروپ وسیع پیمانے پر لوٹ مار اور نیشنل بینک سراج گنج سے ایک کروڑ 35 لاکھ روپے کی چوری میں ملوث رہا کمیشن کے سامنے پیش ہو کر جنرل اے کے نیازی نے کہا کہ جب انہوں نے مشرقی کمان کا چارج سنبھالا تو انہیں بتایا گیا کہ پاکستانی فوج کی طرف سے وسیع پیمانے پر لوٹ مار' آتش زنی' زنا بالجبر اور بنگالیوں کا قتل عام جاری رہا ہے اور لوٹ مار میں ایئر کنڈیشنروں' ریفریجریٹروں اور کاروں جیسی اشیاء افسر مغربی پاکستان بھیج دیتے تھے۔

ٹائمز آف انڈیا کی خبر میں میری خبر کی نسبت زیادہ تفصیلات ہیں اور زیادہ تر باتیں درست ہیں جو ملک میں مارشل لاء کی موجودگی میں پاکستان میں سب شائع نہیں ہو سکتی تھیں۔

12

جی۔ ایچ۔ کیو کی سازش

پاکستان پر بھارت کے حملہ اور اس کے نتیجہ میں ڈھاکہ میں پاکستانی افواج کے ہتھیار ڈالنے اور بابائے قوم کا پاکستان ٹوٹنے کے بارے میں تمام فوجی حقائق حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ میں شامل نہیں۔ کمیشن کے ارکان کی ان حقائق تک رسائی نہیں تھی شاید انہیں اس کا احساس تک نہ تھا کہ کسی ملک میں ملکی دفاع کے ذمہ دار ملک کے دفاع اور سالمیت کے خود ہی خلاف بھی ہو سکتے ہیں اگر انہیں یہ شبہ بھی گزرتا تو وہ سوالات کے ذریعہ گواہوں سے یہ حقائق اگلوا سکتے تھے اس سے رپورٹ کی اشاعت تو مزید مشکل ہو جاتی لیکن وہ تکلیف دہ اور حیران کن حقائق ریکارڈ پر تو آجاتے۔

بین الاقوامی تعلقات کے ماہر اور روس کے اس خطہ میں عزائم سے آگاہ جانتے ہیں کہ روس بہت پہلے سے بھارت کے دوستی اور تعاون کا معاہدہ کرنے کا خواہش مند چلا آتا تھا۔ بھارت کے اس علاقہ میں ابھرتی ہوئی طاقت ہونے کی بنا پر وہ اس سے شروع سے تعاون کر رہا تھا تعاون اور دوستی کے معاہدہ سے پہلے بھی روس نے مسئلہ کشمیر پر بھارت کی کھل کر حمایت کی روس ہی کی وجہ سے بھارت قوموں کی برادری سے کشمیر میں رائے شماری کے بارے میں کئے گئے وعدہ سے منحرف ہوا بھارت کو پاکستان کے خلاف روس کی مدد 1965ء کی جنگ میں بھی حاصل تھی اس کے بعد بھی روس بھارت کو فوجی اور اقتصادی مدد دیتا رہا۔ وہ اسے امریکی کیمپ میں جانے سے روکنا چاہتا تھا مگر بھارت دونوں بڑی سپر طاقتوں سے مفادات کے حصول

اور سودے بازی کی خاطر اس روسی تعاون کے باوجود روس سے کوئی باقاعدہ معاہدہ نہیں کر رہا تھا قوموں کی برادری میں وہ اپنے غیر جانبدارانہ کردار کے مبہم تصور کو قائم رکھنا چاہتا تھا اور 1971ء تک کسی نہ کسی طرح اس پالیسی میں کامیاب چلا آتا تھا روس نے 1969ء میں بھارت کو دوستی اور تعاون کے معاہدے کی ایک بار پھر پیشکش کی تھی لیکن دینش سنگھ کی مخالفت کی وجہ سے بھارت نے اس پیشکش کو قبول نہیں کیا تھا۔

مارچ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں حالات خراب ہونے کے ساتھ ہی بھارت نے اس سے فائدہ اٹھانے کا پروگرام بنایا۔ پاکستان سے جنم جنم کی دشمنی اور شیخ مجیب الرحمن سے قدیم دوستی کے تحت اسے ایسے کرنا بھی چاہئے تھا مشرقی پاکستان سے ارکان اسمبلی سیاسی کارکنوں اور مہاجرین کی بھارت آمد کے ساتھ ہی اس نے مکتی باہنی کی تربیت کے ایک سو کیمپ قائم کر دیئے تھے بھارتی سراغ رساں ادارہ "را" اور فوج کی نگرانی میں ایک لاکھ افراد کو تربیت دے کر تخریب کاری کے لئے مشرقی پاکستان بھیجا گیا تھا لیکن مشرقی پاکستان میں پاکستانی افواج اور وہاں کے محب وطن پاکستانیوں کی وجہ سے بھارت کو مشرقی پاکستان میں زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہو رہی تھی وہاں پر حالات بہتر ہونے کے امکانات پیدا ہونے لگے تھے اور پاکستان کی طرف سے کچھ جوابی کارروائی بھی شروع ہو گئی تھی بھارت کا پاکستان پر کھلے حملہ کا منصوبہ نہیں تھا وہ بیرونی طاقتوں کے ذریعہ اور مکتی باہنی کو تربیت اور اسلحہ فراہم کر کے پاکستان کی حکومت کو مجیب الرحمن اور عوامی لیگ کے سامنے جھکنے پر مجبور کرنا چاہتا تھا مگر اپنی کوششوں کے باوجود بھارت ان مقاصد کے حصول میں ناکام ہو گیا مشرقی پاکستان سے آنے والوں کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی وجہ سے بہت زیادہ مہاجرین بھارت آ گئے۔

اندرا گاندھی کے لئے اس مسئلہ سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں رہ گیا تھا مہاجرین تھے بنگلہ دیش کی جلاوطن حکومت تھی مکتی باہنی کی تربیت کے پروگرام تھے اور پاکستان نے جوابی کارروائی کا آغاز کر دیا تھا بھارت پاکستان پر کھلا حملہ کرنے سے ڈرتا تھا کہ چین یا امریکہ اس کی مدد کو آ گئے تو کیا ہو گا۔ اندرا گاندھی کو اس بحران میں پھنسا دیکھ کر روس نے ایک بار پھر بھارت کو اس معاہدہ کی پیشکش کی اور یقین دلایا کہ وہ اس کی فوجی اقتصادی اور سفارتی مدد ہی نہیں کرے گا بلکہ ضرورت پڑی تو اس معاہدہ کے تحت خود بھی لڑائی میں فریق بن جائے گا اگر

چین یا امریکہ نے پاکستان کی مدد کی تو وہ کھلے عام ان کے خلاف جنگ میں شامل ہو جائے گا اندرا گاندھی کے لئے اس بحران سے نکلنے کا اور پاکستان سے بدلہ چکانے کا یہ بہترین موقع تھا اس نے تمام پہلوؤں پر غور کرتے ہوئے 9 اگست 1971ء کو روس کی پیشکش قبول کرلی اور روس کے ساتھ دوستی اور تعاون کے معاہدے پر باقاعدہ دستخط کر دیئے روس کا پرانا خواب اور منصوبہ پورا ہو گیا وہ بھارت کو قابو کرنے میں بھی کامیاب ہو گیا اور اس کی مدد اور جارحیت کے ذریعے امریکہ اور چین کو نیچا دکھانے کا اہتمام بھی کر دیا روس دنیا کو دکھانا چاہتا تھا کہ وہ صرف کاغذی شیر ہیں اصل قوت روس ہے جو بوقت ضرورت نہ صرف اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے بلکہ ان کی خاطر جنگ تک کرنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

بھارت اور روس کے درمیان دوستی اور تعاون کے معاہدہ کے ساتھ ہی پاکستان پر حملہ کا منصوبہ شروع ہو گیا۔ روس نے چین کی سرحد پر اپنی فوجوں میں اضافہ کر دیا اور بھارت کو جدید ترین فوجی ساز و سامان کی فراہمی شروع کر دی پورے دو ہفتے دہلی کا ہوائی اڈہ سول پروازوں کے لئے بند رہا روس کے سامان بردار طیارے بھارت کے لئے اسلحہ لاتے رہے روس کے ساتھ پاکستان پر کھلے حملہ میں کھلے تعاون کے اس معاہدے کے سات روز بعد سولہ اگست کو بھارتی کمانڈر انچیف مانک شانے مشرقی پاکستان پر حملہ کے آپریشنل آرڈر پر دستخط کئے اور یہ پلان ایسٹرن کمان کے بھارتی کمانڈر کو روانہ کر دیا گیا بھارت کو علم تھا کہ مشرقی پاکستان پر حملہ کا جواب مغربی پاکستان سے دیا جائے گا اس کے مقابلہ کے لئے جنرل مانک شانے دو روز بعد 18 اگست کو ویسٹرن کمان کے کمانڈر کے لئے آپریشنل آرڈر پر دستخط کئے۔

آپریشنل آرڈر میں جنگ کی پوری تفصیل درج ہوتی ہے کونسی یونٹ کہاں سے کارروائی کرے گی اس کے پاس کون کون سے ہتھیار ہوں گے اس میں اپنے بیس سے محاذ جنگ تک جانے کے اس کے راستہ اور اسے لے جانے والی گاڑیوں تک کی تفصیل درج ہوتی ہے بھارت نے روس کے ساتھ معاہدہ کے سات روز کے اندر اندر حملہ کی جملہ تفاصیل تیار کر کے کمانڈروں کو بھیج دیں بھارت کے مشرقی پاکستان پر حملہ کے لئے نومبر کے مہینے کا تیسرا ہفتہ مقرر کیا گیا تھا اور اکتوبر کے آخر میں بھارتی افواج کو مغربی محاذ کے لئے روانہ ہونا تھا بھارت کے آرمرڈ ڈویژن اور حملہ کرنے والی ریزرو فورس کو مغربی سرحدوں پر پوزیشن لینے کا حکم دیا

گیا تھا۔

روس بھارت معاہدہ اور مانک شا کے دونوں آپریشنل آرڈرز کی نقول بائیس اگست کو راولپنڈی میں جی ایچ کیو کے متعلقہ حکام کی میزوں پر موجود تھیں پنجاب کے سابق گورنر اور آئی ایس آئی کے سابق سربراہ ریٹائرڈ لیفٹننٹ جنرل غلام جیلانی خاں سے فوج اور سیاست کی اشاعت کے بعد اس موضوع پر بات ہوئی تو انہوں نے نہ صرف اس کی تصدیق کی بلکہ یہ تک بتایا کہ چھ ستمبر کو انہوں نے خود یہ نقول جنرل آغا محمد یحییٰ خاں قزلباش کو پیش کی تھیں بھارت کے کھلے حملہ کے ارادہ اور اس کی تفاصیل موصول ہونے پر جی ایچ کیو کے اعلیٰ منصوبہ سازوں نے اس پر غور و فکر کے بعد فیصلہ کیا کہ بھارت کا حملہ روکنے کے لئے ضروری ہے کہ پاکستان بھارت پر پہلے حملہ کرے اس کے لئے سولہ اکتوبر کی تاریخ مقرر کی گئی اس دفاعی حملے کا پورا خاکہ تیار کر لیا گیا اس منصوبہ کی تیاری کرنے والوں کو سو فیصد یقین تھا کہ بھارت کی فوجوں کے حرکت میں آنے تک پاکستان کی فوجیں بھارتی پنجاب اور ہریانہ سے آگے نکل چکی ہوں گی بھارت کے آرمرڈ ڈویژن اور ریزرو فورس کے جھانسی سے روانہ ہونے سے پہلے ہی پاکستانی افواج اس کے Nerve Center کے قریب پہنچ چکی ہوں گی لیکن پاکستانی حکام بالا نے نہ صرف اس پلان پر عمل نہیں کیا بلکہ بھارت کے حملہ کی تفاصیل پورے اسی روز پہلے موصول ہو جانے کے باوجود کوئی دفاعی منصوبہ بندی بھی نہیں کی نہ مشرقی پاکستان کے لئے نہ مغربی پاکستان کے لئے انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کا اس کے علاوہ اور کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ مشرقی پاکستان کو الگ کرنے اور پاکستان کی مسلح افواج کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے منصوبہ پر عمل کر رہے تھے دلیل کے طور پر اگر یہ مان لیا جائے کہ پاکستان نے بھارت پر 16 اکتوبر کو حملہ کرنے کا مشورہ اس لئے نہ مانا کہ اس طرح اس پر جنگ شروع ہونے کا الزام لگتا تو اس سوال کا کیا جواب ہے کہ بھارتی حملہ سے دفاع کے لئے بھی کوئی منصوبہ کیوں نہیں بنایا گیا ستمبر 1971ء میں جی ایچ کیو کا ایک اعلیٰ افسر مشرقی پاکستان بھیجا گیا اس نے وہاں کی صورتحال اور دفاعی منصوبہ پر مشرقی کمان کے کمانڈر سے تبادلہ خیال کیا اور اسے بتایا کہ ان کا تمام سرحدوں کی حفاظت کا منصوبہ ناقص ہے جنرل نیازی نے انہیں بتایا کہ یہ منصوبہ انہوں نے خود تیار نہیں کیا بلکہ جی ایچ کیو کی ہدایت پر تیار کیا گیا ہے اور وہی اس کا ذمہ

دار ہے اس جنرل نے مجھے بتایا کہ واپس آکر اس نے جنرل حمید سے اس منصوبہ پر بات کی تو جنرل حمید نے اسے بتایا کہ یہ درست نہیں کہ جس دفاعی حکمت عملی پر نیازی عمل کر رہے ہیں وہ جی ایچ کیو کی تیار کردہ ہے چلو ہم دونوں جنرلوں میں کسی پر غلط بیانی کا الزام نہیں لگاتے دونوں درست کہتے ہیں لیکن اس منصوبہ کے ناقص ہونے کا دونوں کی طرف سے اعتراف کر لینے کے بعد اسے تبدیل کیوں نہ کیا گیا اور بھارت کے حملہ کے منصوبہ کا علم ہو جانے کے بعد اس میں ضروری تبدیلیاں کیوں نہ کی گئیں اس بات میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ مشرقی پاکستان میں لڑنے والی افواج کے پاس اتنا اسلحہ اور سامان رسد موجود تھا جو کم از کم مزید دو ماہ کے لئے کافی تھا نوشہرہ کے اے ایس سی سنٹر کے میوزیم میں سقوط کے وقت مشرقی پاکستان میں موجود لاجسٹک کے مراکز کے چارٹ اور جی ایچ کیو میں موجود رپورٹ کے مطابق اس وقت ان مراکز میں جو سٹاک موجود تھے وہ دو سے پانچ ماہ تک کے لئے کافی تھے اگر فوجوں کو محاذ سے واپس بلا کر اہم شہروں اور مقامات پر قلعہ بندیاں قائم کر لی جاتیں تو کافی عرصہ تک جنگ جاری رکھی جا سکتی تھی ڈھاکہ کا دفاع بھی مزید ایک ڈیڑھ ماہ تک کیا جا سکتا تھا لیکن کسی نے بھی اس طرف کوئی دھیان نہ دیا۔

اس مدت میں پاکستان بین الاقوامی سطح پر بھی بھارت کے متوقع حملہ کے خلاف رائے عامہ ہموار نہ کر سکا صرف نومبر میں چین میں ایک وفد بھیجا جو مزید ساٹھ طیاروں کا وعدہ لے کر واپس لوٹ آیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چین نے روس کے جنگ کی صورت میں بھارت کا ساتھ دینے کے وعدہ کی بنا پر ہی پاکستان کی کوئی مدد نہیں کی تھی وہ اس وقت روس کے ساتھ کھلی جنگ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا تھا امریکہ نے بھی شاید روس کے عزائم جان کر پاکستان کی کوئی موثر امداد نہ کی روس کی طرف سے بھارت کی کھلی امداد کے باوجود امریکہ کا ساتواں بحری بیڑہ سمندروں میں سیر سپاٹا ہی کرتا رہا اسے بھی روس کے ارادے کا علم ہو گیا تھا پھر کوئی کسی دوسرے ملک کی خاطر بڑی جنگ کا خطرہ کیوں مول لے گا؟

بھارت اور روس کے ارادوں کے مکمل علم کے بعد اگر پاکستان کے فوجی ناخدا یہ سمجھتے تھے کہ وہ بھارت پر حملہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ مشرقی پاکستان کا دفاع کر سکتے ہیں تو انہوں نے اس مسئلے کا سیاسی حل نکالنے کے لئے ہی کوئی کوشش کی ہوتی سیاسی محاذ پر بھی کوئی

کام نہیں لیا گیا۔

جنگ اور جنگی صورتحال میں تین محاذ ہوتے ہیں لڑائی کا محاذ سفارتی محاذ اور سیاسی محاذ پاکستان کی صورتحال میں یہ تینوں محاذ یکساں اہم تھے پاکستان کے فوجی حکمرانوں نے تینوں محاذوں پر مجرمانہ لاپرواہی کا مظاہرہ کیا مگر کیوں؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کے لئے ایک اور حمود الرحمن کمیشن کا قیام ضروری ہے جو فوجی پہلو کے ساتھ ساتھ اس غدارانہ غفلت اور لاپرواہی کے اسباب بھی ڈھونڈے اور المیہ پاکستان کے سیاسی اسباب معلوم کر کے قوم کو بتائے کہ اس کا مجرم کون کون تھا بعض الزام دینے والوں کے اس الزام کی کہ یہ سب کچھ یحییٰ خاں اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان مشرقی پاکستان سے نجات حاصل کرنے کے پروگرام پر عملدرآمد کے لئے ہوا تھا تصدیق اور تردید بھی اسی دوسرے کمیشن کی تحقیق کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔ اس نجات آپریشن کے سلسلہ میں ہونے والی افہام و تفہیم کا بھی کچھ ثبوت فراہم ہو سکتا ہے۔ اگر یہ الزام درست ہے تو پھر اس قوم کی بدبختی پر آنسو بہانے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا جس کے سیاسی اور فوجی قائدین اس کی تاریخ اور جغرافیہ بدلنے اور اسے بدترین شکست سے دوچار کرانے پر متفق ہوئے۔

ملک کا اقتدار اور فوجوں کی سربراہی جنرل آغا محمد یحییٰ خاں قزلباش کے پاس تھی اس لئے اس سب ذلت و رسوائی اور ملک ٹوٹنے کا سب سے بڑا ذمہ دار وہی بنتا ہے اس کے مخالف اور موافق دونوں فوجی فریق اس بات پر متفق ہیں کہ بحیثیت پیشہ ور سپاہی کے وہ بہت لائق تھا اس کا شمار پاکستان کے چند قابل ترین جرنیلوں میں ہوتا تھا اس اتفاق کے بعد یہ شبہ مزید گہرا ہو جاتا ہے کہ ایسا کوئی نجات پلان ضرور ہو گا ورنہ بھارت کے منصوبوں کا پورے تین ماہ پہلے علم ہو جانے کے بعد کوئی بھی محب وطن اس غداری کا ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔

13

آمریت کے سائے

سینے پر عوامی نمائندگی کا تمغہ سر پر ماؤ کیپ پاؤں میں فوجی بوٹ اور شکستہ ملک کا اقتدار اعلیٰ قائد عوام حصول اقتدار کے ساتھ ہی اگلی منزل کی طرف چل دیئے استحکام و دوام اقتدار کی منزل کی طرف ٹکا خاں کے ذریعہ فوج کا تعاون حاصل ہو جانے کے بعد بھی انہیں اطمینان نہیں ہوا نیشنل عوامی پارٹی سے دو صوبوں کے اقتدار کے عوض مارشل لاء پر عدم اعتراض کی ضمانت حاصل کی یحییٰ خاں کی پابندی کی وجہ سے نیپ غوث بخش بزنجو کا تعاون کرو اور زندہ رہو کا مشورہ ماننے پر مجبور تھی دیگر سیاسی جماعتیں انتخابی صدمہ کے بعد سقوط ڈھاکہ کے صدمہ سے اس قدر نڈھال تھیں کہ انہیں نہ بھٹو کے ارادوں کا ٹھیک ٹھک اندازہ ہو سکا نہ اس کی کامیابیوں کا بھٹو نے بنگلہ دیش نامنظور کی بات کی اور بنگلہ دیش کو تسلیم کرنے والے ممالک سے سفارتی تعلقات قطع کئے تو دائیں بازو نے بنگلہ دیش نامنظور کی تحریک شروع کر دی اس سے پژمردہ نوجوان تو جاگ اٹھے لیکن ان جماعتوں کو اس سے کوئی سیاسی فائدہ حاصل نہیں ہوا ذوالفقار علی بھٹو اپنے منصوبے اور پروگرام کے مطابق آگے بڑھ رہا تھا جون 1972ء میں جنگی قیدیوں کی رہائی کے مذاکرات کے لئے جب وہ بھارت روانہ ہوا تو ہوائی اڈہ پر اسے رخصت کرنے والوں میں میاں طفیل محمد بھی موجود تھے اس نیک جذبہ کے تحت کہ بھٹو اندرا گاندھی سے مکمل اعتماد کے ساتھ مذاکرات کر سکیں باقی سیاسی جماعتوں کا رویہ بھی یہی تھا وہ اسے پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور پاکستان کے صدر کے ساتھ ساتھ بقیہ پاکستانی قوم کے نمائندہ بلکہ لیڈر کی حیثیت بھارت بھیج کر خوش ہوئے اندرا گاندھی بھارت اور بنگلہ دیش کی نمائندگی کر رہی تھی ان حالات میں سب جماعتوں نے بھٹو صاحب کے ہاتھ مضبوط

کرنا ضروری سمجھا مگر اسے یہ بھی بتا دینا ضروری تھا کہ اگر وہ کوئی ایسا معاہدہ کر آیا جو قومی مفادات کے منافی ہوا تو وہ اسے قبول نہیں کریں گے لیکن شائد ہی کسی سیاستدان یا سیاسی جماعت کی طرف سے انہیں خبردار کیا گیا ہو۔

2 جولائی 1972ء کو شملہ میں بھارت کی وزیر اعظم مسز اندارا گاندھی اور پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان ایک معاہدہ طے پا گیا۔ اس کے تحت بھارت نے جنگی قیدی رہا کرنا اور مغربی پاکستان کے اپنے زیر قبضہ علاقے خالی کرنا مان لیا بھارت کو آخر یہ ماننا ہی تھا اس کے بدلہ میں پاکستان کی طرف سے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے بھارتی علاقوں سے فوجیں واپس بلانے کے علاوہ جو سب سے بڑی شرط مانی وہ یہ تھی کہ پاکستان آئندہ اقوام متحدہ یا کسی بین الاقوامی ادارہ میں مسئلہ کشمیر نہیں اٹھائے گا بلکہ یہ مسئلہ دونوں ممالک پر امن بات چیت کے ذریعے حل کریں گے 31 دسمبر 1948ء سے 2 جولائی 1972ء تک جو مسئلہ اقوام متحدہ اور قوموں کی برادری پر امن طور پر حل کرانے میں ناکام رہی تھیں جس کی وجہ سے دونوں ممالک کے درمیان دو شدید جنگیں لڑی جا چکی تھیں وہ بھارت سے پر امن مذاکرات کے ذریعے حل کرا لیا جائے گا معلوم نہیں ذوالفقار علی بھٹو جیسے ہوشیار اور سمجھدار سیاستدان کو کیسے یقین آ گیا اسی معاہدہ کے بعد پاکستان نے کشمیر کی سرحد پر بعض فوجی نوعیت کی اہم چوکیاں بھارت کے حوالے کرنا بھی مان لیا اس کے بعد ہی سے سیز فائر لائن کو کنٹرول لائن کا نام دیا گیا اس معاہدہ پر دستخط ہونے کے ساتھ ہی غیر ملکی ذرائع ابلاغ اور بعض بھارتی اخبارات نے یہ بھی خبریں شائع کیں کہ اس معاہدہ کی بعض خفیہ شرائط بھی ہیں جن کی پابندی بھی پاکستان پر لازم ہو گی لیکن مسز اندارا گاندھی اور ذوالفقار علی بھو زندگی بھر ایسی کسی خفیہ شق سے انکار کرتے رہے۔

اپریل 1978ء میں دہلی کی اکبر روڈ پر اندارا گاندھی سے ملاقات کے دوران میں نے معاہدہ شملہ کی اس خفیہ شق کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ شملہ میں رہنما اصول طے ہوئے تھے تفصیلات بعد میں اعلیٰ حکام کی میٹنگوں میں طے کی گئی تھیں اور ان بنیادی اصولوں میں کوئی خفیہ شق نہیں تھی ذوالفقار علی بھٹو نے صدر اور بعد میں وزیر اعظم پاکستان کی سربراہی میں آزاد کشمیر اور حکومت پاکستان کے درمیان کشمیر کی ترقی اور دیگر امور کی

نگرانی اور دونوں حکومتوں کے درمیان رابطہ کے لئے ایک کونسل قائم کردی اور اس کے قیام کے ساتھ ہی آزاد کشمیر پر پانچویں صوبہ کی حیثیت سے اسلام آباد سے کنٹرول کیا جانے لگا ذوالفقار علی بھٹو نے آزاد کشمیر میں پیپلزپارٹی کی شاخ بھی قائم کردی حالانکہ اور کسی جماعت نے اس کے بعد بھی وہاں کوئی شاخ قائم نہیں کی آزاد کشمیر میں اس علاقہ کی اپنی الگ سیاسی جماعتیں تھیں ابھی تک قانون اور بین الاقوامی قوانین کے تحت کشمیر ایک الگ علاقہ ہے۔

31 جولائی 1977ء کی شام ہم ایم انور بار ایٹ لاء کے دفتر میں بیٹھے تھے پاکستان پیپلزپارٹی کے ترجمان روزنامہ مساوات کے سابق مینجنگ ڈائریکٹر اور مصطفیٰ کھر کے مشیر میاں اسلم وہاں آ گئے وہ دلائی کیمپ سے رہائی کے بعد اس کیس کے سلسلہ میں بیان حلفی تیار کرانے آئے تھے ایم انور اور فاروق بیدار یہ کیس تیار کر رہے تھے باتوں باتوں میں معاہدہ شملہ کا ذکر شروع ہو گیا میاں اسلم نے بتایا کہ جب وہ مساوات کے امور کے انچارج تھے تو انہیں اور مارننگ نیوز کراچی کے ایڈیٹر کو خاص طور پر بھارت بھیجا گیا تھا "ہمارے ذمہ دو کام تھے ایک یہ کہ ہم معلوم کریں کہ پاکستانی قیدیوں کی رہائی کے بارے میں بھارت کا کیا ارادہ ہے دوئم یہ کہ بھارت کا حکمران طبقہ بھٹو کو قابل اعتماد سمجھتا ہے یا نہیں بھٹو نے روانگی سے پہلے خود مجھے الگ سے بریف کیا تھا بھارت میں ہم وزیراعظم کے سوا باقی سب اہم لوگوں سے ملے سورن سنگھ سے دھر تک سب سے بات چیت ہوئی بھارت کے تمام وزراء اور افسران نے ایک ہی شکایت کی کہ بھٹو معاہدہ شملہ کی شرائط پوری نہیں کر رہا شملہ میں وہ وعدہ کر کے گیا تھا کہ وہ بنگلہ دیش کو تسلیم کرلے گا کنٹرول لائن کو آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کی مستقل سرحد قرار دینے پر وہ اتفاق کر کے گیا تھا کشمیر کا تنازعہ شملہ معاہدہ کی رو سے ختم ہو چکا تھا بھٹو وعدہ کر کے گیا تھا کہ وہ واپس جا کر کشمیر کی الگ حیثیت تبدیل کردے گا اور اسے پاکستان میں ضم کرنے کے اقدامات کئے جائیں گے لیکن اس بارے میں وہ اقدام نہیں کر رہا جنگی قیدیوں کے بارے میں ایک اعلیٰ بھارتی افسر نے تو صاف کہہ دیا کہ اپریل کے بعد ہم انہیں اپنے ہاں نہیں رکھ سکیں گے ایک تو ہم کروڑوں روپے ان پر خرچ کر رہے ہیں دوسرے ہمارے اپنے فوجی سرحدوں سے واپس آ رہے ہیں ان کو رہائش فراہم کرنا مشکل ہو رہا ہے جن کیمپوں میں پاکستان کے جنگی قیدیوں کو ٹھہرایا گیا ہے وہ ہمارے اس منصوبے کے تحت بنائے گئے تھے جس

میں فوجیوں کو خاندان ساتھ رکھنے کی سہولتیں فراہم کرنا شامل ہے" اس معاہدہ کے بعد آزاد کشمیر میں دھاندلی الیکشن کرواکر سردار قیوم کو اقتدار سے الگ کیا گیا تھا اور وہاں پر پیپلزپارٹی کی حکومت قائم کرائی گئی تھی اسی معاہدہ کے بعد سرکاری سطح پر 6 ستمبر1965ء کے بھارتی حملہ کے سلسلے میں ہر سال منایا جانے والا یوم دفاع بھی آہستہ آہستہ متروک کردیا گیا 6 ستمبر1976ء کولاہور کے نیشنل سنٹر میں اس سلسلہ میں ایک جلسہ ہونے والا تھا صدر آزاد کشمیر اس کی صدارت کرنے لاہور پہنچ چکے تھے لیکن اوپر سے حکم آیا کہ یہ جلسہ نہیں ہوگا ریذیڈنٹ ڈائریکٹر نے اوپر ٹیلی فون کیا تو جواب ملا یہ بھٹو صاحب کا حکم ہے ہمارا نہیں بھٹو صاحب کا حکم کون ٹال سکتا تھا؟ اسی شام مسلح افواج کے رسالہ ہلاک کے ایڈیٹر ہمارے دفتر آئے میں نے پوچھا آپ 6 ستمبر کو چھٹی پر؟ کہنے لگے ہم تو 6 ستمبر نہیں منا رہے صرف سول میں تھوڑا کچھ ہو رہا ہے فوج میں یہ ختم کردیا گیا ہے اس کے ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ آئندہ سے یوم دفاع کی بجائے یوم افواج منایا جائے گا اور وہ بھی ستمبر میں نہیں جنوری کے مہینہ میں منایا جایا کرے گا اگلے سال یہ ہفتہ فروری میں پہلی دفعہ منا کر نئی روایت شروع کردی گئی۔

گویا ہم نے معاہدہ شملہ کے تحت مقبوضہ کشمیر سے ہی نہیں اپنی قومی تاریخ سے دست برداری کی شرط بھی مان لی تھی ان رسوا کن شرائط کو قبول کرلینے کے باوجود واپس آکر انہوں نے اس معاہدہ کو اپنی عظیم تر کامیابی بنا کر پیش کیا 90 ہزار جنگی قیدی رہا کرانے اور ہزاروں میل علاقہ خالی کرانے کا اتنا بھرپور پروپیگنڈہ کیا کہ کسی سیاستدان یا سیاسی جماعت کا کشمیر کے اس مک مکا کی طرف دھیان ہی نہ گیا یا انہیں اس بارے میں بات کرنے کی جرات نہ ہوسکی عوام اور فوج کے تعاون کے بعد انہیں بھارت کا تعاون نہیں تو کم از کم اس کی دوستی حاصل ہو گئی اس طرف سے بھی اب کوئی خطرہ نہیں رہا تھا اب ان کی ساری توجہ اندرونی محاذ پر مبذول ہو گئی جہاں بنگلہ دیش نامنظور کی تحریک کی وجہ سے مخالف جماعتوں کے سیاسی کارکن خاص طور پر جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکن پھر سے لاہور کی سڑکوں پر نظر آنے لگے تھے ذوالفقار علی بھٹو کا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان کے صدمہ کے بعد قوم کافی عرصہ تک نڈھال رہے گی یہ تحریک ان کی توقعات سے زیادہ منظم اور متحرک دکھائی دیتی تھی پاکستان پیپلزپارٹی کے قیام کے تھوڑا عرصہ بعد ہی انہوں نے پیپلز گارڈ نامی ایک ملک گیر تنظیم قائم کی

تھی جس کی وفاداری پارٹی کی بجائے پارٹی کے چیئرمین سے تھی ذوالفقار علی بھٹو کا تاریخ کا مطالعہ بڑا وسیع بتایا جاتا ہے اور تاریخ سے ثابت ہے کہ دنیا میں جس کسی نے بھی آمریت قائم کی اس نے سب سے پہلے لٹھ بردار نوجوانوں کی ایک تنظیم بنائی تاکہ مخالفین کو قوت سے دبایا جاسکے۔ بھٹو کے اقتدار میں آنے کے بعد اس تنظیم کو چیئرمین کے علاوہ اقتدار کی بھی بھرپور سرپرستی حاصل ہو چکی تھی سول سروس بلا سوچے سمجھے قائد عوام اور ان کی پارٹی کے کارکنوں تک کے اشاروں پر چل رہی تھی پولیس کی ہڑتال کی ناکامی کے بعد پولیس میں بھی کوئی دم خم نہیں رہا تھا پھر مرکز میں پنڈی سازش فیم جنرل اکبر خاں اور صوبوں میں کھر اور ممتاز بھٹو جیسے جمہوریت پسند پیپلز گارڈز کی سرپرستی کر رہے تھے پیپلز گارڈز خوف اور دہشت کا نام تھا۔ ان کے مقابلہ میں اگر کوئی سیاسی جماعت کھڑی ہو سکتی تھی اور وہ کھڑی ہو گئی تھی وہ جماعت اسلامی تھی اس کے کارکنوں نے نہایت جواں مردی سے پیپلز گارڈز کا مقابلہ کیا اور ذوالفقار علی بھٹو کو احساس ہونے لگا کہ ابھی قوم میں مزاحمت کا جذبہ باقی ہے ان حالات میں انہوں نے بقول مصطفیٰ صادق 3 ستمبر 1972ء کو لاہور کے گورنر ہاؤس میں جماعت اسلامی کے امیر مولانا مودودی سے ملاقات کی اور ان سے وعدہ لیا کہ جماعت انہیں تحریک کے ذریعے اقتدار سے علیحدہ نہیں کرے گی بشرطیکہ پیپلز پارٹی کی حکومت انہیں جمہوری اصولوں کے مطابق کام کرنے سے نہ روکے مصطفیٰ صادق کا کہنا ہے کہ پیپلز گارڈز کی جماعت کے کارکنوں کے مقابلہ میں ناکامی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے ملک میں چین جیسے ثقافتی انقلاب کا فیصلہ کر لیا تھا اور جماعت اسلامی کو خلاف قانون قرار دے کر گلی گلی اس کے کارکنوں کچل دینے کا پروگرام بنایا تھا اس پروگرام کا جب انہیں علم ہوا تو ان کے دل میں جماعت اسلامی کی پرانی محبت بیدار ہو گئی وہ فوراً" مصطفیٰ کھر کے پاس گئے مولانا مودودی کو مولانا ظفر احمد انصاری کے ذریعہ بھٹو سے ملاقات کے لئے آمادہ کیا گیا اور ذوالفقار علی بھٹو کو کھر کے ذریعے مولانا سے ملاقات پر راضی کیا گیا اور پھر مولانا اپنی جماعت کے خلاف ثقافتی انقلاب کے خوف سے اور بھٹو اپنے اقتدار کے خلاف جماعت کی تحریک کے خوف سے جیو اور جینے دو پر متفق ہو گے تھے جماعت اسلامی کی طرف سے اس انکشاف کی تردید یا وضاحت نہیں کی گئی اس لئے اس کو درست ماننا پڑتا ہے مصطفیٰ صادق جماعت اسلامی اور اس کے متاثرین اور عہدیداروں کی

پیپلزپارٹی اور مصطفیٰ کھر سے خفیہ ملاقاتوں کا بھی کاروبار کیا کرتے تھے پنجاب کے گورنر مصطفیٰ کھر کے ساتھ جماعت اسلامی پنجاب کے امیر سید اسعد گیلانی اور سیکرٹری پیر اشرف کی خفیہ ملاقاتوں کا کارنامہ بھی انہوں نے ہی انجام دیا تھا جس کا راز فاش ہو جانے پر جماعت کی مرکزی مجلس شوریٰ نے اپنے ہنگامی اجلاس میں سید اسعد گیلانی اور پیر محمد اشرف کو نہ صرف ان کے عہدوں سے الگ کر دیا تھا بلکہ ان کی جماعت کی بنیادی رکنیت بھی ختم کر دی تھی کھر کے گورنری سے الگ ہونے کے کئی سال بعد تک اسعد گیلانی دوبارہ رکنیت حاصل کرنے کے لئے مشقت کرنا پڑی تھی قومی اسمبلی کے رکن ہونے کے باوجود وہ پنجاب کی امارات تک دوبارہ نہیں پہنچ سکتے تھے حالانکہ اس سے پہلے وہ مولانا کے بعد پورے پاکستان کی امارات کے لئے کم از کم خود اپنے کو سب سے اہل سمجھا کرتے تھے پیر محمد اشرف پھر کبھی جماعت کا اعتماد اور رکنیت حال نہ کر سکے بازار سیاست میں کچے سوت کی اٹی کے عوض بھی لوگوں نے انہیں خریدنا چاہا اس وقت شوریٰ کے سامنے سنا ہے ان دونوں نے بھی یہی بیان دیا تھا کہ ہم نے جماعت کے مفاد کی خاطر مصطفیٰ کھر سے ملاقات کی تھی معلوم نہیں مصطفیٰ صادق اس ملاقات کا ذکر کرنا کیوں بھول گئے جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے ہنگامی اجلاس اور سید اسعد گیلانی اور پیر اشرف کے اخراج کی خبر بھی میں نے ہی دی تھی جس کی وجہ سے گیلانی صاحب کئی سال مجھ سے ناراض رہے اس بیان کا مطلب یہ ہے کہ جماعت اسلامی جیسی جماعت جس کے بانی نے قادیانی تحریک کے دوران پھانسی کی سزا قبول کر لی تھی مگر جھکے نہیں تھے وہ بانی اور ان کے اہم ترین ساتھی بھی بقول صادق صاحب پیپلز گارڈز سے خوفزدہ تھے 20 دسمبر 1972 کو پیپلز گارڈز نے لاہور میں اپنی قوت اور ارادوں کا بھرپور مظاہرہ کیا اس روز تحریک استقلال نے نیلا گنبد سے اسمبلی ہال تک ایک جلوس نکالا جلوس کی قیادت پارٹی کے رہنما ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں کر رہے تھے جلوس نہایت منظم طریقے سے لائنوں میں چل رہا تھا جلوس ہائی کورٹ سے آگے نکلا تو پیپلز گارڈز نے اس کے خلاف کارروائی شروع کی انہوں نے لمبے لمبے ڈنڈوں کے سروں پر موٹے موٹے آلو ٹانک رکھے تھے اور آلو خاں آلو خاں کے نعرے لگا رہے تھے مسجد شہداء کا علاقہ پیپلز گارڈز کی کارروائی کا سب سے اہم مرکز تھا اس سے تھوڑی دور ٹمپل روڈ پر اولمپک ہاؤس میں پارٹی اور گارڈز کا کنٹرول آفس ہوتا تھا دوسری

طرف بیڈن روڈ جسے چراغ حسن حسرت "بے دین" روڈ لکھا کرتے تھے بھی پارٹی کے بعض اہم راہنماؤں کا علاقہ تھی مسجد شہداء کے سامنے بے دین روڈ کی طرف سے آنے والا ایک دستی ساخت کا بم جو پھٹا نہیں جلوس کے ایک طرف گرا اور میرے پاؤں سے آ ٹکرایا ایک تجربہ کار اور باخبر اخبار نویس نے سب اخبار نویسوں کو ہدایت کی کہ وہ جلوس سے ہٹ کر فاصلے پر چلیں اور کہا کہ آج کچھ ہونے والا ہے شاہراہ قائداعظم سے اسمبلی ہال کی طرف جانے والی سڑک پر جلوس کے مڑتے ہی ایک اور بم نما چیز گری دھماکے کے ساتھ ہی گہرا دھواں فضا میں بکھر گیا کچھ وقت تک اس حصہ سڑک پر چلنے والے اہل جلوس ہمیں دکھائی نہیں دے رہے تھے مسجد شہداء کے سامنے تجربہ کار اخبار نویس کی ہدایت کے بعد ہم جلوس سے ہٹ کر چلنے لگے تھے ائیر مارشل اصغر خان بھی اسی دھوئیں میں کہیں پوشیدہ تھے لیکن اس بم سے کوئی زخمی نہیں ہوا شائد وہ دھواں چھوڑنے والا پٹاخہ ہو تھوڑی دور آگے چل کر اسمبلی ہال کے سامنے جلوس منتشر ہو گیا اتحاد پارٹی کے سربراہ خواجہ رفیق بھی جلوس کے ساتھ تھے اسمبلی ہال کے سامنے وہ ہم سے باتیں کرتے رہے کہ دیکھیں یہ ہے ان حکمرانوں کی جمہوریت انہوں نے کچھ بینر اٹھا رکھے تھے ہم شاہراہ قائداعظم کی طرف چل دیئے اور وہ اسمبلی ہال کے پیچھے کی طرف منٹگمری روڈ کی طرف چلے گئے ابھی ہم الفلاح بلڈنگ کے قریب ہی پہنچے تھے کہ انگریزی اخبار SUN کا رپورٹر شوکت قریشی بھاگتا ہوا آیا گولی چل گئی گولی چل گئی ہم مڑ کر اسمبلی ہال کی طرف بھاگے اس سے پیچھے میدان میں جسے اب پارک کی شکل دے دی گئی ہے بہت سے لوگ بھاگ دوڑ رہے تھے اور گولیاں بھی چل رہی تھیں میں ان کی طرف بھاگ رہا تھا کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے اپنے روزنامہ مساوات کے چیف رپورٹر الطاف قریشی ۔نے اچانک مجھے بازو سے پکڑ کر پورے زور سے اپنی طرف کھینچ لیا "آگے نہ جانا" ہم سڑک کے کنارے ایک موٹے درخت کی آڑ میں کھڑے رہے تھوڑی دیر بعد ایک آدمی نے جس کے ہاتھ میں پستول تھا آواز دی پیپلز پارٹی والے اس طرف اور پھر وہ سب لوگ جن کے ہاتھوں میں ڈنڈوں کے سروں پر سے بیشتر آلو گر چکے تھے دوڑتے ہوئے میدان کے مغربی سمت کی نیچی گراؤنڈ کی طرف اتر گئے جہاں اب ایم پی ایز ہوسٹل بن گیا ہے ہمارے سامنے میدان کے دوسرے کنارے ایک آدمی زمین پر پڑا تھا ہم دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے زخمی کا منہ نیچے کی طرف تھا ہم

میں سے کسی نے اسے سیدھا کیا تو روزنامہ مشرق کا فوٹو گرافر یاسین پہچانتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگا زمین پر پڑا زخمی خواجہ رفیق تھا جو ابھی چند منٹ پہلے ہم سے باتیں کر رہا تھا۔

اس رات پریس کلب میں پاکستان پیپلزپارٹی کے روزنامہ کا ایک اور رپورٹر کافی دیر تک روتا رہا "او یار و تم نے کس کو مار دیا" میں تو پیپلزپارٹی کے کارکنوں اور کمانڈروں کو جانتا پہچانتا نہیں تھا اور وہ ایک ایک کا نام لے رہا تھا کہ کون آپریشن کمان کر رہا تھا کس کی گاڑی کہاں کھڑی تھی کون میدان کے گرد گاڑی میں مسلسل چکر لگا تا رہا تھا۔

دوسرے روز اہل لاہور نے خواجہ رفیق کا اتنا ہی جنازے کا بھرپور جلوس نکالا جتنی انتخابات میں انہوں نے پیپلزپارٹی کو بھرپور کامیابی دی تھی خواجہ رفیق کے جسد خاکی کو لحد میں اتارنے کے بعد مٹی ڈالی جا رہی تھی تو لاہور کے ایک اہم سیاسی خاندان کے فرد میاں منظر بشیر جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کے تاشقند کی پٹاری چرانے سے بھی پہلے معاہدہ تاشقند کے خلاف تحریک شروع کی تھی اور جیل گئے تھے قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اہل لاہور کو گواہ بنا کر اس سیاست سے اپنی ہمیشہ کے لئے علیٰحدگی کا اعلان کر رہے تھے میاں منظر بشیر کوئی بڑے سیاسی رہنما نہ سہی لیکن وہ شریفانہ سیاست کی علامت تھے اور بابائے قوم حضرت قائداعظم ان کے والد میاں بشیر احمد کے ہاں قیام کیا کرتے تھے ان کی سیاست سے علیٰحدگی ذوالفقار علی بھٹو کے دور کی عوامی سیاست سے شرافت کی علیٰحدگی کی علامت بھی کہی جا سکتی ہے اور پیپلز گارڈز کا خوف بھی۔

میاں محمد حنیف رامے پنجاب کے وزیر اعلیٰ ہوتے تھے کہ مزدوروں اور کارکنوں کے حقوق کی سب سے بڑی علمبردار پاکستان پیپلزپارٹی نے اپنے روزنامہ مساوات کے درجن بھر کارکنوں کو نکال دیا میاں رامے اس اخبار کے بانی ایڈیٹر رہ چکے تھے اس کی مالکہ ملک کے حاکم اور پارٹی کے چیئرمین کی بیگم صاحبہ تھیں پنجاب یونین آف جرنلسٹس نے ان کی بحالی کے لئے جدوجہد شروع کی مگر کسی نے کوئی بات نہ مانی یونین کے زیر اہتمام ایک جلوس نکالا گیا پولیس نے جلوس کے سب شرکاء کو اسمبلی کے سامنے سے گرفتار کر کے حوالات بھیج دیا دوسرے روز بعد از دوپہر سب اخبار نویسوں کو حوالات سے رہا کر دیا گیا فوری طور پر نہ جلوس بن سکتا تھا نہ ہنگامی میٹنگ کا وقت تھا جلوس کے روز ایگزیکٹو کے قابل گرفتاری ارکان میں سے میں

لاہور سے باہر تھا اس لئے میاں رامے کی میزبانی کا اعزاز حاصل نہ کر سکا تھا میں اسمبلی کے اجلاس کی کارروائی کور کر رہا تھا کہ پریس گیلری میں فیڈرل یونین آف جرنلٹس کے نثار عثمانی کا ٹیلی فون آیا کہ تحریک جاری رکھنے کے لئے ابھی گرفتاری دینے والوں کی ضرورت ہے میں کوئنز روڈ پر گیا اور جیل والا لباس تبدیل کر کے اسمبلی ہال کے سامنے کتبہ اٹھا کر آن کھڑا ہوا پولیس نے فوری طور ہم چار افرد کو دفعہ 144 کی خلاف ورزی کے جرم میں گرفتار کر لیا دوسرے روز چاروں افراد کو مقدمہ قائم کر کے جیل بھیج دیا جیل میں مختلف مراحل طے کرتے ہوئے ہم قصوری چکیوں تک پہنچے تو ایک روز کچھ پرانے مہمان ملاقات کو تشریف لائے ان میں وہ لوگ بھی تھے جنہیں خواجہ رفیق کے قتل کے سلسلہ میں گرفتار کر کے جیل بھیجا گیا تھا وہ اپنی بے گناہی کی باتیں ختم کر چکے تو ایک سے میں نے کہا کہ کم از کم تم سے تو اس روز میری آمنے سامنے ملاقات ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اس نے نظریں جھکا لیں وہ صاحب وہی تھے جو پستول لہراتے ہوئے ڈنڈا برداروں کی قیادت کر رہے تھے اس مقدمہ سے تو وہ سب جلد ہی باعزت طور پر رہا ہو گئے تھے لیکن پستول والے صاحب بعد مین اپنے علاقے میں کسی اور لڑائی میں قتل ہو گئے تھے۔

اخبار نویسوں کی گرفتاریوں کی یہ مہم ڈیڑھ ماہ چلتی رہی تھی ملک بھر سے اخبار نویس گرفتاریاں دینے لاہور آتے رہے اور بھٹو صاحب کے اخبار کے ملازمین کی بحالی کا مطالبہ کرنے کے جرم میں رامے صاحب کے حکم پر جیل جاتے رہے زمانے کی گردش بھی عجیب ہے رامے صاحب وزارت اور پیپلزپارٹی سے نکل کر تھانے اور جیل کے سفر پر روانہ ہو رہے تھے تو ایک دوپہر ان کی بیگم صاحبہ کا ٹیلی فون آیا کہ پولیس والے رامے صاحب کو گرفتار کر لے گئے ہیں اس زمانہ میں گرفتاری سے زیادہ یہ فکر ہوتی تھی کہ بھٹو صاحب آدمی ہی نہ گم کر دیں رامے صاحب کی اپنی وزارت اعلی کے دور میں اس کے پیش رو مصطفی کھر کے متعدد ساتھی جن میں دو صوبائی وزیر بھی تھے پولیس گرفتار کر کے لے گئی تھی اور ان کا کہیں نام و نشان نہیں مل رہا تھا حتی کہ پنجاب پولیس نے عدالت تک میں کہہ دیا تھا کہ نہ اس نے انہیں گرفتار کیا نہ وہ اس کے پاس ہیں بیگم صاحبہ کی فکر بجا تھی میں تھانہ سول لائنز پہنچا تو رامے کی گاڑی اندر آ رہی تھی پولیس والے انہیں بڑے احترام سے اندر لے گئے اور کہا کہ آپ اپنی

مرضی کا حوالات کا کمرہ پسند کرلیں میں بھی ساتھ ہو گیا ایک کمرے کی دیوار پر کچھ تحریریں دیکھ کر رامے صاحب غور سے پڑھنے لگے اور پھر حیرانی سے پوچھا "یہ کس نے لکھا ہے" رامے صاحب کے خلاف یہ نعرے اسی تحریک کے دوران گرفتار ہو کر اس کمرہ میں بند رہنے والے اخباری کارکنوں نے لکھے تھے جو ابھی تک کسی نے مٹائے نہیں تھے انہیں یہ نعرے لکھتے وقت گمان تک نہ ہو گا کہ ایک روز رامے صاحب خود اس کمرے میں آن بند ہوں گے میں نے کہا یہ ان لوگوں نے لکھے ہیں جنہیں آپ نے یہاں بند کیا تھا وہ کوئی جواب دیئے بغیر باہر نکل گئے۔

پیپلز گارڈز کے دور میں حزب اختلاف کی جماعتوں نے ناصر باغ میں ایک جلسہ کا اعلان کیا جلسہ کے روز ہم اس کی کارروائی کور کرنے پہنچے تو ناصر باغ اور اردگرد کی سڑکوں پر پیپلز گارڈز کے لٹھ برداروں کا قبضہ تھا وہ فخر ایشیا اور قائد عوام کو زندہ باد کرنے کے پرجوش نعرے لگاتے پھر رہے تھے جلسہ میں شرکت کرنے والے حزب اختلاف کے راہنماؤں میں سے صرف معروف قانون دان ایم انور کسی طرح وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے پیپلز گارڈز نے ان کا گھیراؤ کر رکھا تھا اور ان کے خلاف نعرے لگا رہے تھے وہ پیچھے ہٹتے ہٹتے جناح ہال کے سامنے شاہراہ قائداعظم کے کنارے آہنی جنگلہ تک پہنچ گئے ایک طویل القامت گارڈ آگے بڑھا اور انور صاحب کے منہ پر تھوک دیا انہوں نے جیب سے رومال نکال کر منہ صاف کیا اور خاموش کھڑے رہے اس سے پہلے کہ گارڈز ان پر دوسرا حملہ کرتے میں اور روزنامہ مساوات کے رپورٹر خالد چوہدری انور صاحب کے سامنے کھڑے ہو گئے گارڈز مساوات کے رپورٹر کو جانتے تھے جو معروف پارٹی کارکن بھی تھا وہ ان سب کو جانتا تھا اس کی مدد سے ہم انور صاحب کو ان کے نرغہ سے نکال کر ٹولنٹن مارکیٹ کے قریب کھڑی ان کی گاڑی تک لانے میں کامیاب ہو گئے ایک سہ پہر میں انور کے دفتر گیا تو وہ ایک رٹ کی ڈکٹیشن دے رہے تھے ایک صاحب سامنے بیٹھے چائے پی رہے تھے ان کے جانے کے بعد میں نے پوچھا میاں صاحب آپ اس آدمی کو جانتے ہیں انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں بھلا یہ کون ہے؟ وہی جس نے اس روز میرے منہ پر تھوکا تھا کیا لینے آیا تھا؟ چوہدری ارشاد اور افتخار تاری کے ہمراہ اس کے بیٹے کو بھی بھٹو کے حکم پر اغوا کر لیا گیا ہے میں اس کے بارے میں ہائیکورٹ میں رٹ

دائرہ کر رہا ہوں میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ انہوں نے کہا آج یہ مظلوم ہے اور اس کی مدد کرنا میرا پیشہ ورانہ اور اخلاقی فرض ہے وہ مظلوم شاہی محلے کا محمود عرف مودا کنجر تھا ولائی کیمپ کے مہمانوں کی رٹ درخواست بھی کوئی دل گردے والا وکیل ہی کیا کرتا تھا۔

پی این اے کی تحریک کے دوران ذوالفقار علی بھٹو کی حمایت میں لاہور میں فوج نے منی مارشل لاء لگا رکھا تھا لاہور ہائی کورٹ میں اس مارشل لاء کے خلاف ایک رٹ دائر کی گئی تھی حکومت کی طرف سے اٹارنی جنرل یحییٰ بختیار فل بنچ کے سامنے بھٹو کے اس اقدام کی حمایت میں دلائل دے رہے تھے ایک روز وقفہ کے دوران وہ ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے دفتر سے ملحق اپنے دفتر میں آ گئے وقفہ ختم ہو تو وہ عدالت میں جانے کے لئے دفتر سے نکلے ہی تھے کہ ایک نوجوان وکیل نے آگے بڑھ کر ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ناصر باغ کے جلسہ کے دن مودا کنجر نے ایم انور مرحوم سے کیا تھا اس روز بھی اتفاق سے مجھے ہی وکیل کو مزید آگے بڑھنے سے روکنا پڑا تھا۔

گورنر ہاؤس کے عقب میں مسلم لیگ ہاؤس کے لان میں حزب اختلاف کی جماعتوں کا ایک جلسہ تھا مسلم لیگ ہاؤس کے سامنے سڑک پر پولیس کی بھاری جمعیت متعین تھی اور ان کی موجودگی میں پیپلز گارڈز جلسے پر پتھراؤ کر رہے تھے دروازے کے سامنے پولیس کے درمیان انہوں نے ایک نوجوان کو زخمی کر دیا اس کے ساتھی اسے اٹھا کر لے جا رہے تھے تو اخبار نویسوں نے پولیس حکام سے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے وہ خاموش رہے پاس کھڑے ایک عمر رسیدہ پولیس افسر نے اپنے سر سے ٹوپی اتار کر اس سے اپنا ہی جوتا صاف کرتے ہوئے اپنے آپ کو غلیظ گالیاں دیتے ہوئے کہا "ہم...... ہو گئے ہیں میں نے انگریزی کی غلامی کے دور میں نوکری کی ہے لیکن جتنے بے غیرت ہم (پولیس والے) اب ہوئے ہیں اتنے اس دور میں بھی نہیں تھے"۔

پولیس نے کسی پیپلز گارڈز کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ وہاں کھڑی اہل جلسہ کی گاڑیوں کی تلاشی لینا شروع کر دی پیپلز پارٹی ہی کے ایک سابق رکن پنجاب اسمبلی راجہ منور احمد کی گاڑی کی تلاشی کے دوران بقول پولیس حکام انہیں اس سے اسلحہ سے بھی خطرناک کاغذات مل گئے تھے پولیس راجہ منور احمد کی گرفتاری کے لئے سرگرم ہو گئی جون کی ایک دوپہر

میں دفتر میں بیٹھا تھا کہ عارف نظامی نے ٹیلی فون کیا کہ فوراً" ایم کے خاکوانی کے گھر پہنچ جائیں وہاں حالات خراب ہیں پیپلز پارٹی کے سابق صوبائی وزیر ایم کے خاکوانی راجہ منور احمد حنیف رامے اور مصطفیٰ کھر مسلم لیگ میں شامل ہو چکے تھے میں خاکوانی کی کوٹھی پہنچا تو مقبول باجوہ ڈی ایس پی کی قیادت میں پولیس کی بھاری جمعیت نے کوٹھی کا محاصرہ کر رکھا تھا کوٹھی کے تمام دروازے اندر سے سختی سے بند تھے ڈرائنگ روم کے دروازے پر ایم خاکوانی اپنی شکار کی بندوق تانے کھڑے تھے تھوڑا سا دروازہ کھول کر انہوں نے مجھے اندر بلا لیا اور پھر وہیں مورچہ بند ہو گئے ڈرائنگ روم میں مخدوم زادہ حسن محمود ملک قاسم ایم انور بار ایٹ لاء پنجاب اسمبلی کے دو ارکان نذر منصور اور رؤف طاہر پہلے سے موجود تھے شاہین خاکوانی لاہور ہائی کورٹ کے اس وقت کے چیف جسٹس سردار اقبال کے گھر ٹیلی فون کر کے پوچھ رہی تھیں کہ "آپا بھائی جان گھر پر ہیں" پھر انہوں نے ایم انور مرحوم کو بتایا کہ سردار صاحب گھر پر ہی ہیں ایم انور ایم کے خاکوانی بار ایٹ لاء پر پولیس کے اس حملہ کے سلسلہ میں قانونی مدد لینے چلے گئے اور شاہین غلام مصطفیٰ کھر کو ٹیلی فون کرنے میں مصروف ہو گئی وہ انہیں فوراً" پہنچ جانے کا پیغام دے چکیں تو شدید گرمی میں انور صاحب بھی اپنے مشن سے واپس آ گئے اور بتایا کہ سردار اقبال صاحب کے گھر والوں نے کہا ہے کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہیں ان کے آنے کے ساتھ ہی محاصرہ کرنے والی پولیس نے باہر کا مین سوئچ بند کر کے محصورین کی بجلی بند کر دی اس کے بعد پانی کی باری آئی جب اس پر بھی خاکوانی اپنی شکار کی بندوق ڈالنے پر راضی نہ ہوا تو پولیس نے ڈرائنگ روم کا دروازہ توڑنا شروع کر دیا شاہین اس وقت تک کھر کو درجن ڈیڑھ درجن فون کر چکی تھی جب وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو پولیس پہلے ہی اندر پہنچ چکی تھی اور شاہین خاکوانی کو گرفتار کر کے تھانے لے جانے پر بضد تھی مصطفیٰ کھر نے آتے ہی مشورہ دیا کہ جیسے پولیس کہتی ہے ویسے ہی کرو سب نے یہ مشورہ قبول کر لیا پولیس کھر کے علاوہ باقی محصورین کو گاڑیوں میں بھر کر تھانے لے گئی مجھے اخبار نویسی کے جرم میں اس اعزاز کے قابل نہیں سمجھا میاں ایم انور وکیل تھے وہ بھی محروم رہے پھر وہ سب کھر کے مشورہ اور پولیس کے حکم کے مطابق گاڑیوں میں ڈال کر تھانہ لے جائے گئے مصطفیٰ کھر اپنی گاڑی میں کارواں کے پیچھے چل دیا یہ آپریشن راجہ منور احمد کی گرفتاری کے سلسلہ میں ہو رہا تھا اور

پولیس شاہین خاکوانی کو تھانے لے جانا چاہتی تھی ایم کے خاکوانی پنجاب کا وزیر رہ چکا تھا کسی زمانہ میں ملتان میں ذوالفقار علی بھٹو کا خاص دوست اور میزبان ہوتا تھا شاہین مغربی پاکستان کے ایک سابق سیکرٹری کی بیٹی تھی ان کے ساتھ یہ سلوک پیپلزپارٹی کی جمہوریت کے سینکڑوں کارناموں میں سے صرف ایک ہے۔

ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں پنجاب اسمبلی کے رکن راجہ افضل کے ہمراہ گجرات جا رہے تھے' گوجرانوالہ کے قریب ان کی گاڑی سے آگے کی جیپ کو جلا کر حکمران پارٹی کے کارکنوں نے اصغر خاں کا استقبال شروع کیا تو اصغر خاں واپس لاہور آ گئے اور طاہرہ مسعود کی کوٹھی پر اس واقعہ کے بارے میں اخبار نویسوں کو بتایا اس روز وہ کافی جلال میں تھے اسی جوش میں وہ بھٹو صاحب کا ذکر کرتے ہوئے Little stupid-head کا بھی ذکر کر گئے ان کا کہنا تھا کہ گولی تو اس سر کو بھی لگ سکتی ہے اس کو کسی کی پہچان نہیں ہوتی اسی رات مصطفیٰ کھر نے پنجاب اسمبلی کے سیشن کے خاتمہ پر ارکان اسمبلی کے اعزاز میں کھانے کی روائتی دعوت دے رکھی تھی کھانے سے فارغ ہوئے تو سرکاری خبر رساں ایجنسی کے ایک دائیں بازو کے سکہ بند رپورٹر نے جس نے ضیاء الحق کے دور میں اپنے ایمان اور کام کی پختگی کی وجہ سے بہت زیادہ ترقی کی آگے بڑھ کر کہا سر اصغر خاں نے تو آج بہت ہی بکواس کی ہے کیا کہا ہے کھر نے پوچھا تو اس نے وہ سب کچھ بتا دیا جو اصغر خاں نے غصہ کی حالت میں بھٹو کے بارے میں کہا تھا پھر کیا تھا کھر کے منہ میں جو کچھ آ رہا تھا وہ کہے جا تا تھا اور رپورٹر مذکورہ بڑی تیزی سے نوٹس لئے جا رہا تھا ہمیں بھی اس میں سے کچھ کچھ لکھنا پڑ رہا تھا دوسرے روز پورے ملک کے اخبارات میں اس ایجنسی کے حوالہ سے مصطفیٰ کھر کی اصغر کو آخری وارننگ شائع ہوئی اور اسے پڑھتے ہی شہر شہر میں پیپلزپارٹی کے کارکن اصغر خاں کے خلاف غم و غصہ کے اظہار کے لئے میدان میں نکل آئے حکمران پارٹی کے کارکنوں نے اصغر خاں کے خلاف جلوس ہی نہیں نکالے بلکہ لاہور میں تو اس کا پتلا بھی جلایا گیا۔

جلسہ گاہوں' سڑکوں اور بازاروں میں تو کیا پیپلزپارٹی کے کارکن اور گارڈز چار دیواری کے اندر بھی کسی کو بولنے کی اجازت دینے کو تیار نہیں تھے اس کے راہنماؤں کا بھی یہی موقف تھا کہ ملک میں قائد عوام کے علاوہ اور کسی کو بولنے کا حق نہیں بلکہ باقی سب "شکست

خوردہ" اور "عوام کے مسترد کردہ" ہیں۔ مخالفین کی زباں بندی کے لئے وہ انتظامیہ اور کارکنوں کی پوری قوت استعمال کر رہے تھے ایک رپورٹر کی حیثیت سے اس دور میں جو کچھ دیکھا اس سب کے بیان کی نہ گنجائش ہے اور نہ یہ موقعہ ہے یہ چند واقعات صرف اس لئے بیان کئے ہیں کہ دیکھا جا سکے کہ ذوالفقار علی بھٹو کہاں تک مخالف آواز کو برداشت کر رہے تھے اور اگر مولانا مودودی سے ان کا کوئی معاہدہ ہوا تھا تو اس کی کہاں تک پابندی کرتے رہے تھے۔

فوج کی مدد سے عوامی لیگ اور عوامی لیگ کی مدد سے فوج کی طاقت کے خاتمہ کے بعد پاکستان کی بقول ذوالفقار علی بھٹو تیسری طاقت پیپلز پارٹی ہی باقی رہ گئی تھی اس کے باوجود اس کے چیئرمین کسی معمولی سی مخالف طاقت کو بھی برداشت نہیں کر رہے تھے اس دور میں اسمبلی کے ارکان کے قتل ہوئے اپنی ہی پارٹی کے ارکان کے اہل خانہ کی تھانوں میں تذلیل کے ذریعے انہوں نے جماعتیں تو کیا افراد تک کو کچل کر رکھ دیا تھا پھر وہ صوبہ سرحد اور بلوچستان میں نیپ اور جمعیت کی حکومتوں کو کیسے برداشت کرتے خطرہ تھا کہ وہ وہاں پاؤں مضبوط نہ کر لیں اور ذوالفقار علی بھٹو کا ملک کی واحد طاقت بننے کا منصوبہ خطرے میں پڑ جائے ان حکومتوں اور پارٹیوں کی طرف سے ہر ممکن تعاون کی کوششوں کے باوجود بلوچستان کے لئے مبینہ طور پر لایا گیا اسلحہ پکڑ کر پنجاب میں بھی اس جرم میں پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی اسی پکڑ دھکڑ کے دوران اخبارات کے دفاتر میں ایک روز سرکاری طور پر مطلع کیا گیا کہ اگلے روز نواب اکبر بگتی لاہور کے موچی دروازہ میں ایک جلسہ عام سے خطاب کریں گے لاہور میں بلوچستان کے کسی سیاستدان کا ذاتی حیثیت میں یہ تاریخ پاکستان کا پہلا جلسہ تھا۔ راولپنڈی سے کوئٹہ واپس جاتے ہوئے بگتی صاحب نے موچی دروازہ میں انکشاف فرمایا کہ نیپ اور جمعیت کی حکومتوں کے اشارے پر بلوچستان کے پہاڑوں میں اسلحہ جمع کیا جا رہا ہے انہوں نے بڑے بھائی پنجاب کو اپنا فرض ادا کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے بتایا کہ وہ اس اسلحہ کے ذخیروں کے محل وقوع سے نہ صرف آگاہ ہیں بلکہ اسے پکڑ بھی سکتے ہیں بڑے بھائی کے اپنے فرض کی ادائیگی کے بارے میں کسی فیصلہ پر پہنچنے سے پہلے ہی ذوالفقار علی بھٹو نے اپنا فرض ادا کر دیا اور بلوچستان کی منتخب حکومت ختم کر کے فروری 1972ء میں وہاں نواب اکبر بگتی کا گورنر راج

نافذ کر دیا نیپ اور جمعیت کی حکومت ختم کرنے کے اس غیر قانونی اقدام کے خلاف احتجاج کے طور پر صوبہ سرحد میں نیپ اور جمعیت کی حکومت مستعفی ہو گئی بقیہ پاکستان میں چھوٹی سی نمائندہ قوت بھی حکمرانی کے اپنے قانونی حق سے غیر قانونی طریقہ سے محروم کر دی گئی نیپ اور جمعیت کے علاوہ ملک کی دیگر سیاسی جماعتوں نے بھی ذوالفقار علی بھٹو کے اس غیر آئینی اقدام کے خلاف شدید احتجاج کیا مگر جمہوریت کے علمبرداروں پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

1970ء کے انتخابات میں جن کے نتائج کے سہارے ذوالفقار علی بھٹو نے مغربی پاکستان کی نمائندگی کا اعلان کیا تھا پیپلز پارٹی نے صوبہ سرحد سے قومی اسمبلی کی اٹھارہ سیٹوں میں سے صرف ایک پر کامیابی حاصل کی تھی سرحد اسمبلی کی چالیس سیٹوں میں سے پیپلز پارٹی کو صرف تین سیٹیں مل سکی تھیں۔ بلوچستان میں صورتحال اس سے بھی بدتر تھی اس صوبہ سے قومی اسمبلی کے لئے پیپلز پارٹی نے ایک ہی سیٹ پر اپنا امیدوار کھڑا کیا تھا اور اس کی ضمانت ضبط ہو گئی تھی صوبائی اسمبلی کی ایک بھی سیٹ اسے نہ مل سکی تھی لیکن جو مقصد وہ انتخاب میں حاصل نہیں کر سکے تھے وہ فوج کی مدد سے مرکز میں حاصل کردہ اقتدار کے ذریعہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے جمعیت اور نیپ کی حکومتوں کے خاتمے کے بعد ان دونوں صوبوں میں بھی پیپلز پارٹی کی حکومتیں قائم کر دی گئیں پورے پاکستان میں پیپلز پارٹی کو حکومت کا حق نہیں تھا وہ اس نے بقیہ پاکستان میں حاصل کر لیا بلوچستان اور سرحد میں عوام نے اسے مسترد کر دیا تھا وہاں اپنے اختیارات استعمال کئے گئے ملک میں اس سے پیدا ہونے والی بے چینی کو دور کرنے کے لئے سوشلزم کے حامی ذوالفقار علی بھٹو نے فروری 1974ء میں لاہور میں اسلامی سربراہی کانفرنس بلا کر بنگلہ دیش اور شیخ مجیب دونوں کو تسلیم کر لیا متحدہ پاکستان میں جو دو شخص ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے پاکستان ٹوٹنے کے بعد لاہور کے شالیمار باغ میں نہایت جذباتی انداز میں ایک دوسرے سے یکجان ہو رہے تھے ساری قوم اس تبدیلی کو ٹیلی ویژن پر دیکھ رہی تھی اور خوش ہو رہی تھی ذوالفقار علی بھٹو نے اس کانفرنس اور کامیابی کو اپنی شاندار کامیابیوں میں سے ایک اور بنا کر پیش کیا اور اندرون اور بیرون ملک زبردست پراپیگنڈہ کے ذریعے دیگر سیاسی جماعتوں کو احساس کمتری میں مبتلا کر دیا۔

فروری 1975ء میں صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ حیات محمد خاں شیرپاؤ ایک بم کے دھماکہ

میں ہلاک ہو گئے تو وزیراعظم پاکستان کو نیپ کو کرش کرنے کا ایک بہت اچھا موقع ہاتھ آ گیا پہلے اس پر پابندی لگائی اور اس کے بعد اس سردار خیر بخش مری سمیت جنہیں وہ بڑی خوشامد کرکے چین کے دورہ پر ساتھ لے گئے تھے نیپ کے سب لیڈروں کو جیل میں ڈال کر ان کے خلاف الزامات کی سماعت کے لئے خصوصی ٹربیونل قائم کر دیا۔

شیخ مجیب کو اقتدار سے محروم رکھنے کی کوششوں سے عوامی لیگ کے ارکان اور حامی بھاگ کر بھارت گئے تھے نیپ کو اقتدار سے محروم کیا تھا تو اس کے ناراض کارکن پہاڑوں پر چڑھ گئے یحییٰ خاں نے عوامی لیگ والوں کو بھارت کا ایجنٹ قرار دے کر فوج کو ان کے خلاف کارروائی کا حکم دیا تھا اس کے جانشین ذوالفقار علی بھٹو نے نیپ کو غیر ملکی ایجنٹ کہہ کر فوج کو اس کے خلاف کارروائی کا حکم دیا استحکام و دوام اقتدار کے اس آپریشن میں اپنے ہی فوجی اور سویلین مارے گئے قائد عوام نے اپنی فوج کے ہاتھوں اپنے ہی عوام مروا کر ایک بار پھر دوہرا مقصد حاصل کیا فوج کے ہاتھوں نیپ کی قوت ختم کرائی اور اپنے لوگوں کے خلاف آپریشن کا حکم دے کر قومی فوج کے Image کو تباہ کیا اسے پنجاب کی قاتل فوج کا لقب دلوایا حالانکہ یہ آپریشن کسی فوجی کے حکم پر ہوا نہ فوج کو اس کا کوئی فائدہ ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کے حکم پر آپریشن ہوا اسی نے اس سے سیاسی فوائد حاصل کئے یحییٰ خاں نے مجیب الرحمن کے خلاف اسی قسم کے الزامات کی سماعت کے لئے خصوصی ٹربیونل قائم کیا تھا اس کے دوست اور جانشیں ذوالفقار علی بھٹو نے نیپ کے راہنماؤں کے خلاف اسی قسم کے الزامات کی سماعت کے لئے خصوصی ٹربیونل قائم کیا۔

ذالفقار علی بھٹو کے جمہوری دور میں اخبارات اور اخبار نویسوں کے خلاف جتنے مقدمات قائم ہوئے جس طرح انہیں جیلوں میں بند کیا گیا اور اخبارت کے ڈیکلریشن کینسل کئے گئے تھے پاکستان کی پوری تاریخ میں نہیں کئے گئے ہوں گے اپنے دور ایوبی کے دوست اور ساتھی الطاف گوہر کو پہاڑ نہیں روتے لکھنے پر پہلے جیل بند کیا گیا پھر ادارت سے علیحدہ کروایا اور جب وہ جیل میں مولانا مودودی کی تفہم القران کا انگریزی دیباچہ مکمل کر چکے تو انہیں رہا کر کے قوم کو پکی پکائی روٹی کا عادی بنانے کے انقلابی منصوبہ پر لگا دیا دلیل اور تحریر کا جواب جیل اور روپیہ سے دیا گیا وہ اپنے ذاتی اخبار سے بھی خوش نہیں تھا جو اس کے ہر غیر آئینی اور غیر

اخلاقی اقدام اور اعلان کے قصیدے لکھ لکھ کر سرکاری فائلوں میں پناہ گزین ہو چکا تھا جب جسارت پر پابندی لگائی گئی تو مساوات نے نہ صرف اس کی حمایت کی بلکہ اداریہ لکھا کہ حکومت کے نظریات اور پروگراموں کی مخالفت کرنے والے اخباروں کو بند کرنا ضروری ہے ان غیر صحافتی خدمات کے باوجود اس اخبار کا ایڈیٹر ہر دو سرے ماہ بدل دیا جاتا تھا بھٹو کے دور میں پنجاب کے حکمران اور مساوات کے ایڈیٹر جس تیزی سے بدلتے تھے ایوب خاں کے دور میں ذوالفقار علی بھٹو کے بیانات اس تیزی سے نہیں بدلتے ہوں گے جس ایڈیٹر کو فارغ کیا جاتا تھا اسے او ایس ڈی بنا کر پہلے سے او ایس ڈیز صاحبان کے پاس ایک اور کرسی لگا کر بٹھا دیا جاتا تھا مساوات کے دفتر کے ایک چھوٹے سے کمرے میں چھوٹی چھوٹی میزوں پر ایسے کئی بڑے بڑے اخبار نویس بیٹھے غیر صحافیان مذاکرات میں مصروف رہتے تھے ایک دن میں نے ان ایڈیٹر صاحبان کو مشورہ دیا کہ وہ کمرے کی تختی بدل دیں اور OSDs کی جگہ Used Editors کی تختی لگا دیں مگر وہ بے چارے تو انقلابی قیدی تھے۔

14

کھر خرابہ

ذوالفقار علی بھٹو اپنی پارٹی کے اندر بھی کسی ایسے شخص کو برداشت نہ کر سکے جس پر انہیں ذرا سا بھی شبہ ہوا کہ اس کے دل میں خواہش اور منہ میں زبان ہے ان میں معمولی سی مخالفت اور مخالفانہ قوت کو زندہ دیکھنے کی بھی جرات نہ تھی اس کا سبب ان کے بچپن کی محرومیاں تھیں یا ایوب خاں کا طرز سلوک یہ ایک الگ بحث ہے حقیقت یہ ہے کہ وہ بہت بڑے اذیت پسند تھے Sadist اور Vindictive تھے اگر Flexibility کے وقت پاؤں کو ہاتھ لگانا اور غرض نکل جانے پر پگڑی اتار پھینکنا ہوتی ہے تو ان میں یہ خصوصیت سب سیاستدانوں اور ماضی کے حکمرانوں سے زیادہ تھی اپنے پارٹی سازی کے منصوبہ کے ساتھی اور پارٹی منشور کے خالق سیکرٹری جنرل مسٹر جے اے رحیم کے ساتھ انہوں نے جو حسن سلوک کیا کسی جمہوری حکومت اور معاشرہ میں اس کی مثال نایاب ہے معراج محمد خاں اور مصطفیٰ کھر کو انہوں نے خود اپنے کراؤن پرنس قرار دیا تھا پھر ان دونوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ سیاسی خود غرضی کی اعلیٰ مثال ہے مصطفیٰ کھر نے چونکہ آگے چل کر بھٹو کے زوال میں ارادی یا غیر ارادی طور پر بہت اہم رول ادا کیا اس لئے ہم ان کے ساتھ بھٹو کے رویہ کا ذکر کریں گے۔

ملک غلام مصطفیٰ کھر نے پنجاب اور اس کے عوام کے ساتھ جو بھی سلوک کیا ذوالفقار علی بھٹو کی اس نے بہت زیادہ خدمت کی اسی خدمت اور تعلق کی وجہ سے حصول اقتدار کے

بعد بھٹو نے انہیں ملک کے سب سے بڑے صوبہ کا ڈپٹی مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر مقرر کیا اور پھر پنجاب اسمبلی کا رکن نہ ہوتے ہوئے بھی انہیں پنجاب کا وزیر اعلیٰ بنایا گیا کھر نے اقتدار اور اختیار کو ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار کے استحکام کے لئے اس ظالمانہ طریقے سے استعمال کیا کہ لوگ نواب آف کالا باغ کو بھول گئے گھروں اور شہروں میں تو کیا جیلوں میں بھی بھٹو کے مخالف کھر کے ظلم سے محفوظ نہیں تھے حاجی ملک محمد قاسم کی کمر آج بھی اس کی گواہی دیتی ہے۔

جنرل محمد ضیاء الحق کے مارشل لاء کے خلاف تحریک منظم کرنے کی کوشش کے دوران وکلاء کافی سرگرم رہے ایک روز مسٹر اعتزاز احسن نے مجھے ٹیلی فون کیا کہ بلوچستان کے کچھ وکیل ان کی تحریک میں شمولیت کا اعلان کرنے والے ہیں آپ ذرا ملک سعید حسن ایڈووکیٹ کے دفتر آ جائیں میں وہاں پہنچا تو ملک سعید حسن اور بلوچستان کے وکلاء کے علاوہ وہاں پر ملک قاسم، ملک شاہ محمد محسن، مس طلعت یعقوب اور یحییٰ بختیار بھی موجود تھے بلوچستان کے وکلاء نے ابھی اپنی شمولیت کی وجوہ کا بیان شروع نہیں کیا تھا ملک محمد قاسم ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے قومی اتحاد کی ضرورت کی وضاحت کر رہے تھے وہ جب بھی اس موضوع پر لیکچر دیں میں انہیں کہا کرتا ہوں کہ آپ اپنی مسلم لیگ کو تو متحد نہ رکھ سکے میں کیسے مان لوں کہ آپ قوم کو متحدہ کر لیں گے میں ان کے لیکچر کے دوران کسی بات پر مسکرایا تو ملک صاحب سمجھے کہ میں پھر وہی بات کرنے والا ہوں انہوں نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا "تم ہنس رہے ہو جب ہماری پرانی حکومت تھی" وہ ابھی اتنی ہی بات کر پائے تھے کہ یحییٰ بختیار بول پڑے "میں نے تو اس وقت بھی بھٹو صاحب سے سخت احتجاج کیا تھا جب جیل میں آپ کے ساتھ زیادتی کی خبر سنی تو میں نے ایک بہت سخت نوٹ لکھا کہ میں وکلاء کے ساتھ ایسا سلوک برداشت نہیں کر سکتا بھٹو صاحب نے میرا نوٹ دیکھ کر کہا چھوڑیں بختیار صاحب سیاست میں ایسا ہوتا ہی رہتا ہے میں نے کہا نہیں میرے لئے یہ ناقابل برداشت ہے۔ بھٹو صاحب کہنے لگے کہ اچھا چلو لاہور چلتے ہیں اور کھر سے بات کرتے ہیں ہم گورنر ہاؤس پہنچے تو آپ وہاں کھر کے پاس بیٹھے تھے میں کیا کرتا میرا نوٹ تو لکھا پڑا رہ گیا" گویا مصطفیٰ کھر جیل بند مہمانوں کی کمر کی ہڈی بھی تڑوا سکتے تھے اور بوقت ضرورت اپنے چیئرمین کے حکم پر انہیں گورنر ہاؤس میں بھی پیش کر

دیتے تھے لیکن انہی مصطفیٰ کھر کو بعد میں ملک قاسم کی مسلم لیگ میں پناہ تلاش کرنی پڑی۔

ایسا کیوں ہوا؟ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ اس کی وجہ مصطفیٰ کھر کا ہڑتالی پولیس کے خلاف کامیاب آپریشن ہوئی ذوالفقار علی بھٹو نے جب دیکھا کہ یہ تو بحران پر قابو پانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے تو اس نے اسے اقتدار سے الگ کرنے کا منصوبہ بنالیا تاکہ پارٹی اور انتظامیہ میں کسی کے دل میں یہ شبہ نہ پیدا ہو کہ ذوالفقار علی بھٹو کے علاوہ بھی کوئی باصلاحیت فرد موجود ہے لیکن غلام مصطفیٰ کھر کے بعد پنجاب کے وزیر اعلیٰ بنائے جانے والے میاں محمد حنیف رامے نے مجھے اس کی ایک اور وجہ بتائی انہوں نے بتایا کہ جس وقت بھٹو کے وزیر قانون میاں محمود علی قصوری اسمبلی میں پیش کرنے کے لئے مسودہ آئین تیار کر رہے تھے بھٹو صاحب چونکہ ملک کے صدر اور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے اور وہ ایوب خاں جیسے صدارتی اختیارات حاصل کرنے کی خاطر ملک کے لئے صدارتی نظام حکومت کے تحت صدر کے لئے جملہ اختیارات پر زور دے رہے تھے تو ملک غلام مصطفیٰ کھر کو اس کا علم ہو گیا وہ بھٹو صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ سر آپ تو ملک کے صدر ہوں گے وزیر اعظم آپ مجھے بنا دیں میں آپ کا خادم بھی ہوں اور ملک کے سب سے بڑے صوبہ کا نمائندہ بھی. بھٹو صاحب کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی کہ یہ تو سارے ملک کا لیڈر بننے کے خواب دیکھ رہا ہے اپنے علاوہ وہ کسی اور کو ملک گیر لیڈر دیکھنا گوارا نہیں کر سکتے تھے میاں محمود علی قصوری صدارتی آئین سے متفق نہیں تھے وہ پارلیمانی جمہوری نظام کے حق میں تھے جس میں وزیر اعظم سربراہ حکومت ہوتا ہے. بھٹو صاحب کے کہنے پر وہ صدارتی طرز کا مسودہ قانون بنانے پر مجبور بھی تھے انہوں نے مسودہ قانون تیار تو کر دیا لیکن اس کو اسمبلی میں پیش کرنے سے پہلے ہی وزارت قانون سے مستعفی ہونے کا بھی اعلان کر دیا میاں صاحب کے اس اعلان پر بھٹو صاحب کے لیفٹننٹ مصطفیٰ کھر بھی ناراض ہوئے اور انتظامی مشینری میاں صاحب نے کے خلاف حرکت میں آ گئی۔ میاں محمود علی قصوری کے مستعفی ہونے کے فیصلہ کے بعد بھٹو صاحب نے عبد الحفیظ پیرزادہ کو وزیر قانون بنا دیا اور ہدایت کی کہ مسودہ قانون میں صدر کے لئے جو اختیارات رکھے ہیں وہ وزیر اعظم کے لئے لکھ دیں۔ رات بھر میں مسودہ میں یہ تبدیلی کر کے بھٹو صاحب نے صدر کی بجائے وزیر اعظم بننے کا فیصلہ کر لیا اور میاں محمود علی قصوری سے وہ

Issue بھی چھین لیا جس کو وہ پبلک میں لا سکتے تھے یہ مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن ان کے دل میں مصطفیٰ کھر کی یہ بات بیٹھی رہی اسی دوران ملک کے دریاؤں میں زبردست سیلاب آیا بھٹو صاحب پنجاب کے دورہ کے دوران جھنگ پہنچے تو کھلی کچہری میں ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کچھ کہنا چاہا بھٹو صاحب نے اس کا جواب دیا وہ پھر بات کرنے لگا تو بھٹو نے ایس پی کو اشارہ کیا کہ اسے آگے سے ہٹا دیا جائے ایس پی نے اس آدمی کو زبردستی بٹھا دیا مصطفیٰ کھر نے یا تو بھٹو صاحب کا اشارہ نہیں سمجھا یا انہیں بھٹو صاحب سے اپنے تعلقات کا گھمنڈ تھا انہوں نے ایس پی سے کہا کہ تم نے اس آدمی کو بات کیوں نہیں کرنے دی اس پر بھٹو صاحب نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

Have you already taken over fast ?

اور پھر غصہ سے کہا Wait ! مصطفیٰ کھر کی اس جرأت سے ذوالفقار علی بھٹو کے ذہن میں وہی وزیراعظم والی بات تازہ ہو گئی ہو گی اور وہ ایسے آدمی نہیں تھے جو کسی کو اس کرسی کا خواب بھی دیکھنے کی اجازت دیں جس پر وہ خود بیٹھے تھے اگر وجہ مصطفیٰ کھر کا ہڑتالی پولیس کے خلاف کامیاب آپریشن ہوتی تو مصطفیٰ کھر ہڑتالی پولیس کے خلاف فوجی کارروائی سے انکار کرنے کے جرم میں پاک فوج کے کمانڈر انچیف اور پاک فضائیہ کے سربراہ کو عملاً" اغوا کر کے لاہور لانے اور گورنر ہاؤس میں بند رکھنے کا کمانڈر آپریشن کرنے سے پہلے ہی آنیاں والی تھاں پہنچا دیئے گئے ہوتے ذوالفقار علی بھٹو انہیں خواب دیکھنے کی مزید مہلت نہ دیتے وہ تو فوری کارروائی کے قائل تھے مصطفیٰ کھر نے گورنر ہاؤس میں قیام کے دوران جس خاتون سے شادی کی وہ وفاقی وزیر قانون عبد الحفیظ پیرزادہ کی بیگم کی خون کی رشتہ دار تھی مصطفیٰ کھر کی شادی کے تھوڑا عرصہ بعد اس سے علیحدگی کی وجہ سے عبد الحفیظ پیرزادہ بھی مصطفیٰ کھر سے ناراض تھا اس ناراضگی کو بھی وہ مصطفیٰ کھر کے خوابوں کے کھاتہ میں ڈال کر بھٹو کو پیش کرتا رہا اور پھر وہ مرحلہ آگیا جب رامے کی وزارت کے دوران ہی مصطفیٰ کھر کو پنجاب کے کالا باغ سے گورنر ہاؤس کا چوہدری فضل الٰہی بنا دیا گیا کھر کے لئے یہ سلوک ناقابل فہم بھی تھا اور ناقابل برداشت بھی اس کے بھٹو اور پارٹی سے بغاوت کے رویہ کو دیکھتے ہوئے کھر کے ساتھ دو سابق صوبائی وزراء اور ایک صوبائی مشیر کو ان کے گھر سے رات کو اغوا کر لیا گیا اور ایک سال سے زائد عرصہ تک کسی کو پتہ ہی نہیں چل سکا کہ وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔

دلائی کیمپ کے ان مظلوموں میں مصطفیٰ کھر کی صوبائی وزارت میں شہرت اور ناموری حاصل کرنے والے میاں افتخار احمد تاری بھی شامل تھے جو 23 مارچ 1973ء کو راولپنڈی میں حزب اختلاف کے جلسہ عام میں فائرنگ کے سلسلہ میں بھی نامزد تھے اس جلسہ پر فائرنگ سے بہت سے بے گناہ شہری ہلاک ہو گئے تھے اور خان ولی خاں ہلاک شدگان اور زخمیوں کے ٹرک لے کر صوبہ سرحد واپس گئے تھے نیپ کے ایک راہنما اسی طرز جمہوریت سے بددل ہو کر افغانستان جا مقیم ہوئے تھے اس کامیاب آپریشن کے اگلے روز قائد عوام نے حزب اختلاف کو غدار وطن دشمن اور علیحدگی پسندگی کے اعزازات عطا کئے تھے اور کہا گیا تھا کہ یہ پٹھان دن دہاڑے راولپنڈی پر حملہ کرنے آئے تھے اس پنڈی آپریشن کے چند روز بعد میرے ضلع فیصل آباد سے ایک صاحب لاہور آئے انہوں نے اپنی کارکردگی پر خود روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ وہ فیصل آباد کی جیل میں بند کچھ پیشہ ور ڈاکوؤں اور مجرموں کا ایک پورا ٹرک بھر کر راولپنڈی لے گئے تھے تاکہ ان کی مدد سے راولپنڈی کو صوبہ سرحد کے پٹھانوں کے حملہ سے بچایا جا سکے۔

مصطفیٰ کھر کے بعد پنجاب کے وزیراعلیٰ بننے والے میاں حنیف رامے اپنی تمام تر نرم گفتاری اور نئی پرانی خدمات کے باوجود ذوالفقار علی بھٹو کو پسند نہ آئے ان پر اگرچہ بھٹو صاحب کو ملک کا وزیراعظم بننے کے خواب دیکھنے کا شبہ نہیں تھا وہ تو خود ہر جگہ اعلان کرتے تھے کہ وہ جو کچھ بھی ہیں بھٹو صاحب کے دم کرم سے ہیں لیکن مصطفیٰ کھر کے اثر و رسوخ کو زائل کرنے کی خاطر وہ پنجاب کے متبادل شیر ہونے پر بضد تھے بھٹو صاحب کی ناراضگی کی ایک وجہ رامے یہ بتاتے ہیں کہ میں پنجاب کے حقوق کی بات کرتا تھا اور بھٹو صاحب کا کہنا تھا کہ ان کی موجودگی میں کسی اور کو کسی کے حقوق کی بات کرنے کی اجازت نہیں وہ اپنے علاوہ اپنی طاقت کے سرچشمہ پنجاب میں کسی اور کو نہ شیر دیکھ سکتے تھے نہ کامیاب وزیر اعلی رامے صاحب کو ہٹا کو بھٹو صاحب نواب صادق قرشی کو لے آئے جو شیر تو کیا قالین کا شیر بھی نہ تھا بھٹو کی حکومت میں فوج میں پنجاب کا نمائندہ جنرل ٹکا خاں اور وزارت اعلی پر نواب صادق قریشی ہی چل سکتے تھے مصطفیٰ کھر اور محمد حنیف رامے جو اقتدار میں ایک دوسرے کے سخت ترین دشمن تھے اقتدار اور پارٹی سے نکلتے ہی مسلم لیگ میں اکٹھے ہو گئے سینہ چاکان چمن کے

سینہ چاکوں سے مل جانے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے حکم سے اپنے سابق وزراء کے ایک اور گروپ کے خلاف کارروائیاں شروع ہو گئیں حوالات شاہی قلعہ سے ہوتے ہوئے وہ جیل تک جا پہنچے پیپلزپارٹی کے دور کے پنجاب کے وزیراعلی اس کے ترجمان اخبار کے بانی ایڈیٹر اور اس کے چیئرمین کو قائد عوام کا لقب دینے والے حنیف رامے پیپلزپارٹی کی حکومت کے خاتمہ کے بعد جیل سے باہر آسکے۔

مصطفیٰ کھر ذوالفقار علی بھٹو کے سب سے زیادہ نہیں تو بہت سے رازوں کے امین ہیں شاید بھٹو بھی اس کے کچھ راز جانتے تھے اور دونوں ایک دوسرے کو ان رازوں کے ذریعے خوفزدہ کرتے رہتے تھے اس منصوبہ میں بھی ذوالفقار علی بھٹو ہی کامیاب رہے جب ان کی توقعات کے برخلاف مصطفیٰ کھر اقتدار اور اختیار سے محرومی کے بعد پیپلزپارٹی سے الگ ہوئے اور پنجاب کے حقوق کے تحفظ کے نام پر لاہور سے صوبائی اسمبلی کے ضمنی انتخاب میں امیدوار بنے تو ذوالفقار علی بھٹو نے ان کے خلاف سخت آپریشن کا منصوبہ بنایا اس انتخاب کے دوران وہ بھٹو کی فطرت کے ایک اور پہلو سے آگاہ ہوئے اس سے پہلے وہ اعلانیہ طور پر بھٹو کے راز ظاہر کرنے کی دھمکی بھی دے چکے تھے پھر یہ بھی بیان جاری کیا کہ میں نے وہ جملہ راز ایک ایسی شخصیت کے پاس پہنچا دیئے ہیں جو مجھے کچھ ہو بھی گیا تو لوگوں تک پہنچا دیں گے مجھے معلوم ہوا کہ اس بارے میں مصطفیٰ کھر نے جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی سے بھی ملاقات کی تھی ایک دفعہ میں نے مولانا مودودی مرحوم سے پوچھا کہ کھر صاحب آپ کو کچھ راز بھی حوالے کر گئے تھے تو مولانا مرحوم نے جواب دیا کہ ہاں میں نے پوچھا کہ کس لئے؟ کہنے لگے کھر کہتا تھا کہ آپ جب مناسب سمجھیں انہیں بھٹو کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں مگر میں نے کہا تھا کہ میرے پاس یہ آپ کی امانت محفوظ رہے گی انہیں استعمال آپ ہی جب چاہیں کریں میں ایسا نہیں کر سکتا مولانا مرحوم نے میرے استفسار پر کہ یہ رازہائے اندرون خانہ کیا تھے جواب دیا تھا کہ اس سے آگے میں آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔

لاہور سے صوبائی اسمبلی کے حلقہ 6 کے اس ضمنی انتخاب کے دوران ملک غلام مصطفیٰ کھر کی کامیابی کے امکانات بہت روشن تھے پیپلزپارٹی کے ناراض عناصر بھی ان کے ساتھ تھے لیکن پہلے ہی انتخابی جلسہ میں حکومت نے انہیں اتنا خوفزدہ کر دیا کہ وہ شاندار کامیابی اور جلسہ

گاہ سے بھاگتے وقت کہیں گم کر آئے اس آپریشن میں متعدد افراد ہلاک ہوئے بہت سے زخمی ہوئے مصطفٰی کھر سٹیج سے ملحق دیوار پھلانگ کر ایسے بھاگے کہ گھر جا کر دم لیا ان کے ساتھی رات گئے تک اخبارات کے دفتروں میں مرنے والوں کی فہرست لئے پھرتے رہے لیکن مصطفٰی کھر نے خود اس فہرست کی اشاعت میں نہ صرف کوئی دلچسپی نہ لی بلکہ ان ساتھیوں کو بھی روکتے رہے پولنگ کے روز ہم حلقہ کا دورہ کر رہے تھے تو مغل پورہ لاہور کا اقبال وہاں پیپلز پارٹی کے امیدوار شیر محمد بھٹی کے لئے ووٹ ڈلوا رہا تھا وہ جیل میں ہمارا میزبان ہوتا تھا اپنے لنگر خانہ سے باداموں کی سردائی سے لے کر مرغ حلیم تک سے ہماری خدمت کرتا رہا تھا اس نے جیل میں یہ آزادی جیل کے ضوابط کی خلاف ورزی کے جرم میں پورے ایک سو کوڑے مکمل کر لینے کے بعد حاصل کی تھی وہ جیل میں بڑے عیش کی بندش کاٹ رہا تھا اس کے خلاف اومنی بس کے ایک کنڈیکٹر کو قتل کرنے کے الزام میں مقدمہ چل رہا تھا وہ بڑے تپاک سے ملا میں نے پوچھا رہا کب ہوئے؟ کہنے لگا رات ہی پولنگ ڈیوٹی کے لئے آیا ہوں اور کتنے مجرم اور ملزم پولنگ ڈیوٹی پر تھے میں کچھ کہہ نہیں سکتا انتخاب کا نتیجہ وہی ہوا جو ایسے انتخابات میں ہوا کرتا ہے اس کے مصطفٰی کھر کی سیاست اور مستقبل پر بہت دور رس اثرات مرتب ہوئے جسے شیر پنجاب ہونے کا دعوٰی تھا جان کے خوف سے مسلم لیگ میں جا پناہ گزیں ہوا ذوالفقار علی بھٹو کی فطرت اور ارادوں کا یہ ایک اور مظہر تھا۔

چوہدری ظہور الٰہی مرحوم کی کوششوں اور ترغیب سے کھر مسلم لیگ میں نائب صدر تو بن گیا لیکن مسلم لیگ اور حزب اختلاف کی کسی قسم کی سیاست میں حصہ نہیں لیا 1977ء کے انتخابات کے دوران پاکستان قومی اتحاد نے اسے ٹکٹ دیا مگر وہ کاغذات نامزدگی داخل کرانے کی بجائے ملک سے باہر چلا گیا اور انتخابات کے بعد واپس آکر اچانک پیپلز پارٹی کے چیئرمین اور وزیر اعظم پاکستان کے روبرو پیش ہو گیا جس نے اسے سیکورٹی کا مشیر بنا دیا۔

شیر پنجاب جو ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف سینہ ٹھونک کر میدان میں اترا تھا اس طرح بکری اور شیر کیوں ہو گیا ان کے ایک نہایت قریبی دوست کا کہنا ہے کہ بیرون ملک جانے سے ایک روز پہلے کھر صاحب نے بتایا تھا کہ وہ اپنے مغویہ ساتھیوں کی اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے سیاست اور ملک سے فرار ہو رہا ہے۔ بھٹو صاحب نے انہیں کہا ہے کہ وہ انتخاب میں

حصہ نہ لیں اور ملک سے باہر چلے جائیں واپسی پر نہ صرف ان کے ساتھیوں کو رہا کر دیا جائے گا بلکہ انہیں کوئی عہدہ بھی دے دیا جائے گا وہ باقاعدہ سمجھوتہ کے تحت ملک سے باہر گئے تھے بعد میں اس کی تصدیق ان کے ساتھی چوہدری حنیف نے بھی کی جو بھٹو اور مصطفیٰ کھر کے درمیان اس معاہدہ میں کھر کی طرف سے عملدر آمد کا نگران مقرر کیا گیا تھا یہ معاہدہ بھی مصطفیٰ صادق نے ہی کروایا تھا انتخابات کے بعد واپس آکر مصطفیٰ کھر اس وقت تک پیپلزپارٹی اور حکومت میں شامل نہیں ہوئے جب تک ملک میں انتخابی دھاندلیوں کے خلاف تحریک شدت اختیار نہیں کر گئی بلکہ وہ اپنے قریبی ساتھیوں سے روزانہ تحریک کے بارے میں تبادلہ خیال بھی کرتے رہے تھے ایک روز اخبارات میں خبر آئی کہ حیدر آباد سندھ میں کچھ ہیجڑوں نے بھی حکومت کی دھاندلیوں کے خلاف جلوس نکالا ہے اس شام کھر صاحب کے ساتھی چوہدری حنیف دفتر نوائے وقت آئے تو میں نے انہیں وہ خبر دکھائی وہ ہنس پڑے "میں نے آج صاحب کو یہ خبر دکھائی تھی کہ اب تو یہ بھی ہم سے آگے جا رہے ہیں" تحریک کے دنوں میں ذوالفقار علی بھٹو اپنے پرانے ساتھیوں سے رابطہ قائم کر رہے تھے اور ان سے واپسی اور امداد کی درخواستیں کر رہے تھے بقول محمد حنیف رامے ان کے پاس بھی جیل میں بھٹو صاحب کا آدمی آیا تھا اور اس صورت حال سے نکلنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا تھا ماضی کی تلخیوں اور غلطیوں کو بھول کر واپسی اور ذوالفقار سے ملاقات کے لئے کہا تھا لیکن انہوں نے خود جانے کی بجائے راجہ منور احمد کو بھیج دیا تھا ذوالفقار علی بھٹو سے ملاقات کے لئے راجہ منور احمد کو خفیہ طور پر کوٹ لکھپت جیل سے پنڈی جیل منتقل کیا گیا اور وہاں سے وزیر اعظم سے ملاقات کے لئے لے جایا گیا تھا۔

ملک غلام مصطفیٰ کھر سے بھی لازماً اس قسم کے رابطے ہوئے ہوں گے ان کے ایک ساتھی نے بتایا کہ تحریک کی شدت کے دنوں میں ایک روز مصطفیٰ کھر نے چوہدری حنیف اکرم چیمہ چوہدری طالب اور ایک دو اور ساتھیوں کو اپنے گھر بلایا لیکن خلاف معمول کوئی بات یا مشورہ کئے بغیر صرف چائے پلا کر واپس بھیج دیا ہم بہت حیران ہوئے کہ صرف چائے کے کپ کے لئے اتنی دور سے بلایا تھا رخصت کرتے وقت صرف اتنا کہا کہ کل پانچ بجے ضرور آنا چوہدری طالب تو فیصل آباد چلے گئے اور دیگر ساتھی کل پانچ بجے شام پھر در کھر پر جا حاضر

ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں امریکی قونصل خانہ کی گاڑیاں کھڑی ہیں اور کھر صاحب ان سے مذاکرات میں مصروف ہیں "امریکیوں کے چلے جانے کے بعد کھر صاحب ہمیں ایک الگ کمرہ میں لے گئے اور بتایا کہ امریکہ والے کہتے ہیں کہ تم واپس پیپلز پارٹی میں چلے جاؤ بھٹو تمہیں مشیر بنا لے گا طاہر شاہ نے اس کی مخالفت کی لیکن کھر نے کہا اب ایسا کرنا ضروری ہو گیا ہے اس کے ساتھ ہی کھر صاحب نے ہم سب کو پھر سے پیپلز پارٹی میں شمولیت کا باقاعدہ اعلان کرنے کا حکم جاری کر دیا اور ہم نے اس حکم کی پابندی کی وہ خود اسلام آباد جا کر مشیر بن گیا"۔

کھر صاحب ہی کے ایک ساتھی نے مجھے بتایا تھا کہ جب بھٹو صاحب نے کھر کو اقتدار سے علیحدہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو امریکی سفارتخانہ کے ایک اعلیٰ افسر مصطفیٰ کھر کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ بھٹو صاحب آپ کو علیحدہ کر رہے ہیں اگر آپ کہیں تو ان سے بات کریں لیکن مصطفیٰ کھر نے اس وقت انکار کر دیا تھا کھر صاحب کی طرف سے پہلے انکار اور پھر اقرار آخر کیوں؟ وہ خود جب اس پر غور کرتے ہیں اور مصطفیٰ کھر کے خون آشام بیانات اور دھمکیوں کا جائزہ لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ بھٹو کو بچانے کے لئے تھا یا اقتدار سے نکالنے کے لئے یہ حقیقت ہے کہ ضیاء الحق نے مارشل لاء لگانے کے بعد کھر سے کہا تھا کہ تمہیں میں ٹھیک کردوں گا جنرل چشتی نے کہا ہے کہ انہیں یہ رپورٹیں مل رہی تھیں کہ غلام مصطفیٰ کھر اور ممتاز بھٹو اسلحہ جمع کر رہے ہیں اور وہ حزب اختلاف کے جلوسوں اور حامیوں پر فائرنگ کر کے اور بہت سے لوگوں کو مار کر تحریک ختم کرنا چاہتے ہیں ضیاء الحق نے اسی خانہ جنگی کے خوف سے مارشل لاء لگایا تھا انہی دنوں وزارت داخلہ کی ایک خصوصی میٹنگ میں بھی کھر کی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

15

بھٹو کے خلاف پہلی فوجی سازش

ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف جو پہلی فوجی سازش ہوئی وہ "اٹک سازش" کے نام سے جانی جاتی ہے کیونکہ اس ناکام سازش کا منصوبہ بنانے والے فوجی افسروں کے خلاف اٹک کے قلعہ میں سماعت مکمل ہوئی تھی سماعت کرنے والی فوجی عدالت کے سربراہ جنرل محمد ضیاء الحق تھے اس سازش میں کون کون شامل تھا اور کسے کتنی سزا ہوئی یہ اس کتاب کا موضوع نہیں جنرل ضیاء الحق کے معیار انصاف اور کردار کے بارے میں بھی یہاں کچھ نہیں بتایا جا رہا ہے یہ تفاصیل میری زیر تکمیل کتاب میں شامل ہوں گی اس کتاب کا موضوع ان سازشوں کے اسباب اور ان کا منصوبہ بنانے والے فوجی افسروں کی سوچ اور ارادے ہیں اس لئے یہاں ہم وہی حصہ شامل کر رہے ہیں یہ تفاصیل اس سازش کا منصوبہ بنانے والوں کے ساتھ سزا پانے والے فوجی افسر میجر (ریٹائرڈ) سعید اختر ملک نے بتائی ہیں میجر ملک مشہور جرنیل اختر ملک کے صاحبزادے ہیں ان کے بیان سے بھٹو کے بارے میں فوج کی سوچ اور فوجی افسروں کے اصلاح احوال کے عزم کا اندازہ ہوتا ہے۔

میں نے میجر (ریٹائرڈ) سعید اختر ملک سے پوچھا کہ کیا اٹک سازش کا کوئی منصوبہ تھا بھی؟ اس نے جواب دیا "آئیڈیا تھا اور بالکل تھا میرے خیال میں اس سلسلہ میں سزائیں ٹھیک دی گئی تھیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ زیادتی ہوئی تھی مگر اپنا اپنا خیال ہوتا ہے ہم واقعی مجرم تھے۔" "شروع کیسے ہوا یہ منصوبہ؟" انہوں نے جواب دیا "جب مشرقی پاکستان

کا المیہ پیش آیا تو اس کے بعد یحییٰ خاں اقتدار نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اس وقت گوجرانوالہ میں فوج میں کچھ ہلچل ہوئی بریگیڈیئر ایف بی علی، علیم آفریدی، آغا جاوید اقبال، مہدی شاہ اور ایک دو اور افسروں نے مل کر وہاں پر تین جرنیلوں کو حراست میں لے لیا تھا جن میں آرڈی شمیم، بچو کریم اور بشیر رانگڑ شامل تھے ان افسروں کا لیڈر ایف بی علی تھا اس نے علیم آفریدی سے کہا کہ وہ پنڈی جائے اور جنرل گل حسن سے کہے کہ وہ یحییٰ خاں کو جا کر الٹی میٹم دے دے کہ وہ اقتدار سے الگ ہو جائے اگر اس نے اقتدار نہ چھوڑا تو ہم فوجی دستے لے کر آ جائیں گے اور طاقت کے ذریعے یحییٰ خاں کو اقتدار سے الگ کر دیں گے علیم آفریدی نے گل حسن کو یہ پیغام پہنچا دیا اس کے بعد گل حسن نے ایئر چیف رحیم کو بلایا اور دونوں نے مشورہ کیا کہ یحییٰ خاں کو ہٹا کر کسے سربراہ حکومت بنایا جائے سنا یہ ہے کہ رحیم چاہتا تھا کہ ایئر مارشل اصغر خاں کو اقتدار دینا چاہئے لیکن گل حسن نے کہا نہیں اقتدار بھٹو کے حوالے کیا جائے اس کے بعد انہوں نے یحییٰ خاں کو الٹی میٹم دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اقتدار چھوڑنے پر مجبور ہوا تھا اس کے بعد گل حسن اور رحیم نے جنرل فضل رازق کو بھیجا تھا کہ وہ بھٹو کو لائے اس طرح بھٹو اقتدار میں آ گیا اس نے اقتدار میں آتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ بریگیڈیئر ایف بی علی وغیرہ کے خلاف انکوائری کروا کر انہیں فوج سے نکال دیا اب وہ تو فوج سے باہر تھے ایک روز علیم آفریدی پشاور روڈ پر واک کر رہا تھا وہاں ویسے ہی ایئر فورس کے دو افسروں سے اس کی ملاقات ہو گئی جن میں سے ایک تو غوث تھا دوسرے کا اب مجھے نام یاد نہیں آگے جا کر غوث نے دوسرے سے پوچھا کہ یہ آدمی کون تھا؟ اس نے اسے بتایا کہ یہ علیم آفریدی ہے اور ان افسروں میں سے جنہوں نے یحییٰ خاں کو نکلوایا تھا اس وقت تک فوج میں بے چینی شروع ہو چکی تھی اس کی ایک وجہ تو وہی مشرقی پاکستان کا المیہ تھا اور دوسری وجہ بھٹو کی پالیسیاں تھیں اصل میں ہم سب بھٹو کے حامی تھے جو لوگ بھی اٹک سازش میں پکڑے گئے نادر پرویز کو چھوڑ کر وہ سب سے پہلے بھٹو کے زبردست حامی ہوا کرتے تھے مگر جب بھٹو اقتدار میں آیا تو انہوں نے دیکھا کہ بھٹو وہ تو نہیں جو وہ سمجھتے رہے تھے پھر وہ لاہور سے لڑکیاں اغوا ہو گئیں جس کا کھر پر الزام آیا اس وقت میں کشمیر کے محاذ پر تھا میں نے یہ خبر سنتے ہی اپنے کمانڈنگ افسر کرنل امان اللہ

خاں نیازی سے شرط لگالی ایک ایک ماہ کی تنخواہ کی اور کہا کہ بھٹو فوری طور پر کھر کو تنگ دے گا" وہ ایسی چیز برداشت نہیں کرے گا مگر کچھ بھی نہ ہوا تو میں نے اپنی ساری تنخواہ اپنے افسر کو پیش کر دی اور کہا کہ میں شرط ہار گیا ہوں تو اس نے کہا اپنی تنخواہ لے جاؤ تم جوان افسر ہو تم نہیں سمجھتے یہ دنیا کسی اور طریقے سے چلتی ہے یہاں کوئی کسی کو کچھ نہیں کہے گا تو اس افسر نے غوث سے کہا کہ میری علیم آفریدی سے ملاقات کراؤ وہ اسے علیم آفریدی کے پاس لے گیا وہ جذباتی افسر تھا اس نے علیم آفریدی سے کہا سر ملک میں یہ کچھ ہو رہا ہے آپ نے پہلے بھی ایسا کیا تھا ہم ایئرفورس میں گروپ بناتے ہیں آپ فوج میں بنائیں تاکہ بھٹو کو اقتدار سے الگ کیا جائے انہی دنوں فاروق آدم اپنے طور پر کام کر رہا تھا وہ بھی علیم آفریدی سے ملا وہاں سے یہ بات شروع ہوئی تھی علیم آفریدی نے اسے بریگیڈیئر ایف بی علی کے پاس بھیجا اس کے بعد اس کا بھائی افتخار آدم آزاد کشمیر میں پونا بنگٹ میں میرے پاس آیا اور بتایا کہ ہم یہ منصوبہ بنا رہے ہیں میں تو پہلے ہی تیار تھا پہلے میں اتنا بھٹو کا حامی ہوا کرتا تھا کہ جب پہلی دفعہ انٹیلی جنس میں آیا تو بھٹو کا حامی ہونے کی وجہ سے جنرل اکبر نے جو ہمارے عزیز تھے دو تین دفعہ مجھے بلا کر میرے کان بھی کھینچے تھے کہ "تم کیا ہر وقت بھٹو بھٹو کرتے رہتے ہو تمہارے باپ کی نوکری خراب ہو گی خاموش رہا کرو" مگر میں نہ مانا مگر بھٹو کو دیکھ کر باقی لوگوں کی طرح میں بھی اس سے بددل ہو گیا کہ اس نے پاکستان کے لئے کچھ نہیں کرنا اس لئے جب افتخار آدم آیا تو میں نے کہا یار میں تو پہلے ہی تیار تھا پھر جس کسی نوجوان افسر سے ہم بات کرتے تھے وہی کہتا تھا ہاں بالکل ٹھیک ہے مگر جب ہم کسی سینئر افسر سے بات کرتے تھے تو وہ یکدم پیچھے ہٹ جاتا تھا جب مشرقی پاکستان میں فوج نے ہتھیار ڈالے اور لڑائی بند ہوئی تو اس وقت تو جونیئر سینئر سب فوجی افسروں کے جذبات ایک جیسے ہی تھے اس لئے ہم سمجھتے تھے کہ اب بھی ویسے ہی ہوں گے مگر اب وہ بات نہیں تھی۔

"لیکن آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ آپ بھٹو کا تختہ الٹ دیں گے آپ کے پاس اتنی قوت تھی؟" میں نے وضاحت چاہی سعید اختر نے کہا "یہ بات آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی فاروق آدم کا خیال تھا کہ ہم کامیاب ہو جائیں گے وہ کہتا تھا کہ ہماری ناکامی بھی ہماری

کامیابی ہو گی اگر ہم پکڑے گئے اور ہمیں سزائیں بھی ہو جائیں تو بھی وہ ہماری کامیابی ہو گی کیونکہ جب ہم عدالت کے سامنے بولیں گے وہ کچھ کہیں گے جو ہم سوچتے ہیں تو اس سے بھی حالات کچھ نہ کچھ بہتر ہوں گے اس کے بعد خواہ ہمیں فوج سے نکال بھی دیا جائے اور سزائیں بھی دی جائیں تو بھی کوئی پرواہ نہیں ایک دفعہ میں نے اس سے کہا تھا کہ ہم کامیاب نہیں ہو سکتے میں لاہور اس کے پاس گیا اور صورتحال کا تجزیہ کر کے کہا تو اس نے جواب دیا کہ اگر تم ڈرتے ہو تو تم ہم سے الگ ہو جاؤ تو میں نے کہا کہ ڈرنے والی بات نہیں میں کمٹڈ ہوں اور آپ کے ساتھ رہوں گا اسی طرح اور لوگوں نے بھی اس سے کہا تھا کہ کامیاب نہیں ہو سکتے تو فاروق آدم نے جواب دیا کہ کامیابی اصل چیز ہے ہی نہیں اصل وہ چیز ہے جو ہم سوچ رہے ہیں مگر بعد میں جو کچھ ہم سوچ رہے تھے اس سے بالکل برعکس ہوا"

"کیسے برعکس ہوا؟" میں نے پوچھا

"مثلاً ہم کہتے تھے کہ پکڑے بھی گئے تو ملک اور فوج کے لئے بہتر ہو گا مگر اس پکڑے جانے سے فوج کی اتنی زیادہ مٹی پلید ہوئی کہ فوج میں باہمی اعتماد کی جو پرانی روایت چلی آتی تھی ہماری وجہ سے وہ ختم ہو گئی افسروں نے ایک دوسرے سے دل کی بات کرنا چھوڑ دی بھٹو نے اس چیز کو ایکسپلائٹ کیا اور اسی چیز کے بل بوتے پر بھٹو نے فوج کی کمر توڑ دی جو کچھ ہم نے کہا اس کا ایک لفظ کہیں شائع نہیں ہونے دیا جس سے کسی کو علم ہی نہ ہوا کہ اصل بات کیا تھی ہم یہ چاہتے تھے کہ اتنے آدمی اکٹھے ہو جائیں کہ جب پروموشن کانفرنس ہوتی ہے جس میں سارے جرنیل اکٹھے ہوتے ہیں وہاں ان سب کو پکڑ لیا جائے ایک کمپنی ریڈیو اور ٹیلیویژن پر قبضہ کر لے اور اگر کوئی جرنیل ہمارا ساتھ دینے کو تیار نہیں ہوتا تو وہ جو پکڑے ہوں گے ان میں سے ایک کو کھڑا کر دیں گے ہم ایک سال تک یہ کھلے عام کہتے رہے مگر پکڑے نہیں گئے کیونکہ ہم ہی نہیں فوج میں سارے ہی ہماری طرح ہی سوچ رہے تھے اور ایسی ہی باتیں کرتے تھے جس کی وجہ سے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا کہ واقعی تختہ الٹنے میں سنجیدہ کون ہے اور سنجیدہ کون نہیں"

"طارق ستی بھی شامل تھا اس منصوبے میں؟" میں نے پوچھا

"دراصل ہوا یہ تھا کہ جب ہم نے طارق سے بات کی تو وہ ہمارے ساتھ شامل ہو گیا تھا آصف شفیع نے اس سے بات کی تھی جب وہ شامل ہو گیا تو آصف شفیع نے کہا کہ نصیر سے بھی بات کریں جو آرمرڈ سے آیا تھا ایس ایس جی کاڈی جی بی پی طارق ستی نصیر کے پاس گیا اور اس سے بات کی تو نصیر نے کہا کہ تم بڑی سیریس بات کر رہے ہو مجھے اس کی رپورٹ کرنا پڑے گی طارق ستی ہوشیار تھا اس نے کہا میں تو تمہیں ٹسٹ کرنے آیا تھا کیونکہ آصف شفیع کہہ رہا تھا کہ تم ان کے ساتھ ہو میں تو یہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا وہ درست کہتا تھا کیونکہ میں تو پہلے ہی یہ ساری رپورٹ اوپر دے چکا ہوں اس کے بعد اس نے سیدھے جا کر جنرل ٹکا خاں کو ٹیلیفون کیا کہ سر میں ایک قومی اہمیت کا معاملہ آپ کے نوٹس میں لانا چاہتا ہوں اور پھر اس نے ٹکا خاں کو سارے منصوبہ سے آگاہ کر دیا تھا۔

جنرل عبداللہ ملک ان دونوں ڈائریکٹر ملٹری انٹیلی جنس تھے انہوں نے یہ منصوبہ پکڑے جانے کے بارے میں ہمارے سوال پر کہا "طارق ستی نے جب جنرل ٹکا خاں کو سب کچھ بتا دیا تو انہوں نے مجھے بلا لیا اور پوچھا یہ قصہ کیا ہے جو میں سن رہا ہوں بعض لوگ تو نمبر بنانے کے لئے بات بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں میں نے انہیں بتایا کہ یہ ساری فوج میں بات چلتی رہتی ہے طے یہ ہوا کہ طارق ستی منصوبہ بنانے والوں کے اجلاسوں میں شرکت کرتا رہے اور واپس آکر جو کچھ بات ہو بتا دیا کرے چنانچہ وہ جاتا رہا اور واپس آکر ٹکا خاں کو سب کچھ بتا دیتا تھا ان کا ایک اجلاس نادر سینما میں بھی ہوا تھا اس کے بعد میں نے ٹکا خاں سے کہا کہ یہ نوجوان جذباتی افسر ہیں انہیں بلا کر ان کے کان وان کھینچ دیتے ہیں بات ختم ہو جائے گی اسے آگے نہ بڑھایا جائے وہ کہنے لگا یہ بڑی سیریس بات ہے اور جا کر سب کچھ بھٹو کو بتا دیا بھٹو کے ساتھ میٹنگ میں مجھے بھی بلا لیا گیا وہ اس کو بہانہ بنانا چاہتا تھا فوج کے خلاف اس کے الفاظ ٹھیک مجھے یاد ہیں اس نے کہا تھا۔ "Cast the net wide" مطلب اس کا یہ تھا کہ جس کسی کے پاس سے بھی اس منصوبے میں شامل لوگ گزر گئے تھے اسے بھی پکڑ لیا جائے اس کے عزیز و اقارب میں سے جو کوئی فوج میں ہے ان سب کو پکڑ لیا جائے میں نے کہا کہ جی اس کا اچھا تاثر نہیں ہو گا تو بھٹو نے جواب دیا "نہیں پھر انہیں چھوڑ دیں گے" وہ فوج کو خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔

"کسے کسے پکڑا جائے یہ فہرست کس نے بنائی؟" میں نے پوچھا

"لسٹ وہی تھی جو لوگ اجلاسوں میں شامل ہوتے تھے اس بارے میں پہلے سے معلومات تھیں"

اس وقت یہ بھی سنا گیا تھا کہ یہ سارا منصوبہ اصغر خاں کو اقتدار میں لانے کے لئے تیار کیا گیا تھا میں نے میجر سعید اختر ملک سے اس بارے میں پوچھا تو اس نے کہا "یہ تھا کہ علیم آفریدی اصغر خاں کا رشتہ دار تھا اس کا تھا مگر جس بات پر سب کا اتفاق ہوا تھا وہ یہ تھی کہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کو ملک کا سربراہ بنا دیا جائے اور ان مجرموں کے خلاف مقدمات چلائے جائیں جن کا مشرقی پاکستان کی شکست میں ہاتھ تھا خواہ وہ فوجی ہوں یا سیاستدان ہوں اور اس کے بعد منصفانہ انتخابات کرا دیئے جائیں کیونکہ ہم ان انتخابات کو نہیں مانتے جو 1971ء کی جنگ سے پہلے ہوئے تھے وہ ایک اور پاکستان تھا ان انتخابات کی بنیاد پر بھٹو اقتدار کا حقدار نہیں یہ ایک اہم مسئلہ تھا ہمارے نزدیک اور یہ کہ بھٹو پر یہ شبہ ہے کہ مشرقی پاکستان میں شکست میں اس کا اہم رول تھا ہمارا خیال تھا کہ مشرقی پاکستان میں شکست کے وقت فوج کے وہ سب افسر جو میجر جنرل کے عہدہ پر یا اس سے اوپر تھے اس شکست کے مجرم ہیں جب تک کوئی یہ ثبوت فراہم نہ کردے کہ اس نے اس وقت اختلافی آواز بلند کی تھی یا ان پالیسیوں کی مخالفت کی تھی مگر اس کی آواز اور مشورہ کو مسترد کر دیا گیا تھا۔

Because by default it is too senior a rank if they would not get up and say these things. Then they are guilty by association and similarly these politicians are guilty and if these people are not now tried then Pakistan does not have a future because that means that these people will reinforce themselves and over a period of time this country will cease to exist.

کیونکہ یہ بہت بڑا عہدہ ہے اگر اس مرحلے میں اتنے اہم عہدہ پر فائز کسی افسر نے کھڑے ہو کر ان پالیسیوں کی مخالفت نہیں کی تھی تو اس کا وہ رویہ بھی مجرموں کے ساتھ

تعاون ہے اور اس تعاون کی وجہ سے وہ بھی برابر کا مجرم ہے یہی اصول سیاستدانوں پر لاگو ہوتا ہے اور ایسے سیاستدان بھی اسی طرح قومی مجرم ہیں اور اگر اس مرحلہ پر ان مجرموں پر مقدمات نہ چلائے گئے تو پھر پاکستان کا کوئی مستقبل نہیں ہو گا کیونکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ مجرم طاقتور ہوتے جائیں گے اور ملک ختم ہو جائے گا۔

"سینئر افسروں میں سے اس منصوبہ میں کون شامل تھا؟"

"بریگیڈیئر عتیق اور بریگیڈیئر واجد" انہوں نے بتایا

"ایک عتیق وہ بھی تو تھا" جنرل ملک نے لقمہ دیا

"نہیں سر یہ ہمارے ساتھ نہیں تھے شروع میں ان کا ساؤتھ میں اپنا الگ گروپ یہی منصوبہ بنا رہا تھا یہ بعد میں ہمارے ساتھ لنک اپ ہوئے تھے یہ سب آرٹلری سے تعلق رکھتے تھے برگیڈیئر ہمدانی، عالم، عتیق ایک دو اور بھی تھے مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان دونوں گروپوں کا آپس میں رابطہ کیسے ہوا تھا"

"ایئرفورس سے کتنے لوگ آپ کے ساتھ شامل تھے؟" میں نے پوچھا

"ایئرفورس سے اصل کمٹڈ تو دو ہی بندے تھے غوث اور ہاشمی ان میں غوث آخر تک کمٹڈ رہا ہاشمی آخر میں ٹٹ گیا تھا وہ کسی اور کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا چاہتا تھا غوث کو میٹنگوں میں بھیجتا مگر خود الگ رہتا تھا۔

16

بھٹو کا المیہ

اقتدار میں آنے کے پانچ سال بیس دن بعد ذوالفقار علی بھٹو نے چوہدری فضل الٰہی کے صدارتی حکم کے ذریعے قومی اور صوبائی اسمبلیاں برخاست کر دیں اسمبلیوں کے خاتمہ کے فیصلے کا اعلان انہوں نے سات جنوری 1977ء کو قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کیا تھا اسی روز انہوں نے ملک میں نئے انتخابات کی تاریخوں کا بھی اعلان کیا قومی اسمبلی کے انتخاب کے لئے سات مارچ 1977ء اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے دس مارچ 1977ء کی تاریخ مقرر کی گئی وزیراعظم پاکستان نے اسمبلی کے جس اجلاس میں اتنا اہم اعلان کیا اس میں حزب اختلاف کے ارکان موجود نہیں تھے آئین کی تکمیل کے بعد سے انہوں نے متفقہ آئین میں اپنی پارٹی اکثریت کے زور پر جس انداز میں ترامیم کرائی تھیں اس کی بناء پر دیگر جماعتوں کے ارکان اسمبلی کے ساتھ اور دیگر جماعتوں کے ارکان کی کافی بڑی تعداد کو پیپلز پارٹی میں شامل کر لیا تھا انہوں نے یہ ریکروٹ منٹ کس طریقہ سے کی اس کے لئے صرف ایک مثال کافی ہوگی۔

پاکستان مسلم لیگ (کونسل) کے صدر میاں ممتاز دولتانہ کو تو انہوں نے سفیر بنا کر ملک سے باہر بھیج دیا تھا ان کے بہنوئی میاں سعید قریشی کے بڑے بھائی میاں ذاکر قریشی مسلم لیگ کے ٹکٹ پر قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے ایک شام انہیں ذوالفقار علی بھٹو کے سیکرٹری کا ٹیلی فون آیا کہ صبح گیارہ بجے وہ ان کے پاس راولپنڈی پہنچ جائیں اور اپنے ساتھ اس علاقہ سے قومی اسمبلی کے دوسرے رکن کرم بخش اعوان کو بھی لیتے آئیں انہوں نے اپنی کسی مصروفیت کا ذکر کیا اور کہا کہ سرگودھا سے اتنے مختصر نوٹس پر میں حاضر نہیں ہو سکوں

گا سیکرٹری صاحب نے کہا کہ آپ کو ہر صورت میں گیارہ بجے پہنچنا ہے شاہی حکم تھا وہ بھاگتے دوڑتے راولپنڈی پہنچے عام سلام کے بعد بیٹھے ہی تھے کہ ان کے ہاتھوں میں پہلے سے ٹائپ شدہ کاغذ تھما دیا گیا اور کہا اس پر دستخط کر دیں انہوں نے کہا کہ پڑھ تو لینے دیں کہ ان پر کیا تحریر ہے سیکرٹری صاحب نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے آپ دستخط کر دیں کاغذ پر لکھا تھا کہ میں مسلم لیگ چھوڑ کر پیپلز پارٹی میں شامل ہونے کا اعلان کرتا ہوں میاں ذاکر قریشی نے کہا ہم مسلم لیگ کے ٹکٹ پر منتخب ہوئے ہیں ہمیں مشورہ تو کر لینے دو سیکرٹری نے کہا جب تک آپ دستخط نہیں کریں گے آپ دفتر سے باہر نہیں جا سکتے مرتے کیا نہ کرتے دفتر میں داخل ہوئے تو مسلم لیگی تھے باہر آئے تو پاکستان پیپلز پارٹی کے رکن اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے جو ڈر گیا سے ڈر سے جو بک گیا اسے لالچ سے جو مان گیا اسے وزارت داخلہ سے ساتھ ملا لیا اگر کسی مسودہ قانون پر حزب اختلاف والے بالکل ہی اڑ گئے تو انہیں ایف ایس ایف نے اسمبلی کے اندر سے اٹھا کر باہر سڑک پر پھینک دیا چوتھے ترمیمی بل پر اعتراض پر تو 14 نومبر 1975ء کو حزب اختلاف کے جملہ اراکین ایوان سے اٹھا کر ایف ایس ایف نے باہر سڑک پر پھینک دیئے تھے اس خوف سے کہ وہ پھر سے اندر آ جائیں اسمبلی کا بیرونی دروازہ مقفل کر کے صرف بتیس منٹ میں یہ بل اسمبلی نے منظور کر لیا۔

جس جمہوریت پرست حکومت کا اسمبلی کے اندر ارکان کے ساتھ یہ حسن سلوک تھا اس کا اسمبلی سے باہر کیا رویہ ہو گا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ملک کی اعلیٰ عدالتوں کے بارے میں آئین میں پانچویں ترمیم پر قانون کے پیشے سے منسلک افراد نے سخت احتجاج کیا لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے صدر ان دنوں سابق وزیر ایس ایم ظفر تھے انہوں نے اس ترمیم کے بارے میں اظہار خیال کے لئے ایک اجلاس بلایا ابھی وہ صدارتی کرسی پر تشریف فرما ہی ہوئے تھے کہ پیپلز پارٹی کے قانون کی حکمرانی کے علمبردار وکیل آئے اور ان کے سامنے کی میز اٹھا کر اس کو ایک طرف کیا اور اس پر کھڑے ہو کر اپنے پارٹی انداز میں اظہار رائے کی آزادی کا عملی مظاہرہ شروع کر دیا ظفر صاحب دیکھتے رہ گئے اور چند منٹ سے زیادہ وہاں نہ ٹھہر سکے ضیاء الحق کی طرف سے آئین کی عدالتوں کے بارے میں آرڈی نینسوں کی ژالہ باری کے دنوں میں ایک روز میں ہائی کورٹ گیا تو پیپلز پارٹی کے مار خور

کارکن وکیل عارف اقبال بھٹی نے بڑی معصومانہ شکل بناتے ہوئے کہا کہ کچھ کرو دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے میں نے کہا کہ اس روز میں نے آپ سے یہی بات کہی تھی کہ کچھ سوچو دیکھو یہ کیا ہو رہا ہے مگر آپ نے اپنی بار کے منتخب صدر کو بند کمرے میں اپنی ترمیم کے بارے میں بات کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

یہ سب کچھ ماہرین قانون حاضری لگوانے کے لئے کیا کرتے تھے 1977ء کی پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کے دوران ایک شام ہم دفتر میں بیٹھے تھے تو ہمارے ایک نہایت ہی معزز اور محترم اخبار نویس نثار عثمانی کا ٹیلی فون آیا کہ آج ہائی کورٹ میں کیا ہوا میں نے انہیں بتایا تو حکم ہوا فلاں صاحب کا نام بھی ان وکلاء میں شامل کر لیں جو وہاں بھٹو زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے میں نے کہا وہ تو وہاں موجود ہی نہیں تھے میں خود وہاں تھا ہنس کر کہنے لگے وہ تو میں جانتا ہوں مگر اس کی حاضری لگ جائے گی دوست آدمی ہے اب کہہ رہا ہے ہمارے اخبار نویس بھائی بزرگ کا دعویٰ تھا کہ وہ کبھی کسی کے سامنے جھکے نہیں ان کی عزت اور احترام کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا جس دوست کی انہوں نے حاضری لگوائی وہ قانون جمہوریت اور انسانیت کا بہت ہی بڑا علمبردار ہوتا تھا اسی قسم کی حاضریوں کی بدولت جلد ہی ان کی مراد پوری ہو گئی تھی اور انہیں ہائی کورٹ جج بنا دیا گیا ایسے مرادیں مانگنے والے ہر جگہ بھرے پڑے تھے۔

قومی اسمبلی کے جس اجلاس میں وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اسمبلیاں توڑنے اور انتخابات کرانے کا اعلان کیا اس میں انہوں نے چیف الیکشن کمشنر کے عہدہ کی مدت میں مزید تین سال کے اضافہ کی قرار داد منظور کرائی حالانکہ 1973ء کے آئین کے تحت قومی اسمبلی قرار داد کے ذریعے چیف الیکشن کمشنر کے عہدہ کی مدت میں صرف ایک دفعہ ایک سال کی توسیع کر سکتی تھی اور یہ توسیع وہ سال گذشتہ کر چکی تھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ غیر آئینی طریقے سے حزب اختلاف کی عدم موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے تین سال کے لئے چیف الیکشن کمشنر کے عہدہ میں توسیع کیوں کی گئی تھی؟ کیا ملک میں کوئی اور فرد اس صلاحیت کا حامل موجود نہیں تھا۔

وزیر اعظم پاکستان نے جب اسمبلیاں توڑنے کا اعلان کیا تو ملک کی عملی صورتحال اس

طرح تھی پاک بھارت جنگ کی وجہ سے ملک میں جو ایمر جنسی لگائی گئی تھی پاک بھارت جنگ کے نتیجہ میں ملک کا اکثریتی حصہ الگ ہو جانے کے 6 سال بعد بھی وہ نافذ تھی جمہوریت بھی اور ایمر جنسی بھی پیپلز گارڈز اور ایف ایس ایف کے ذریعے وہ ملک میں ہر سیاسی قوت کو کچلنے کی مہم اپنے خیال میں مکمل کرا چکے تھے پارٹی کے اندر ان کے سامنے کوئی زبان کھولنے والا نہیں بچا تھا ملک حیات ٹمن جیسے دور ایوبی کے اپنے پرانے ساتھیوں کی مدد سے وہ ملک بھر کے معزز اور بااثر حضرات کو پیپلز پارٹی میں شامل کر چکے تھے سول سروس سے سینکڑوں افراد کے اخراج کے بعد انہوں نے اعلیٰ عہدوں پر ضوابط کی پرواہ کئے بغیر پارٹی کارکن بھر لئے تھے بااثر اور باصلاحیت سی ایس پی سروس کے قوانین میں تبدیلی سے وہ اس کے اثر و رسوخ کو کم کر چکے تھے شکست خوردہ فوج کے وزیر دفاع جنرل ٹکا خاں اور کمانڈر انچیف جنرل محمد ضیاء الحق تھے اس تقرر کے بارے میں اپنی آخری کتاب If I am assassinated میں ذوالفقار علی بھٹو خود لکھتے ہیں فوج کے خفیہ محکمہ کے سربراہ سابق لیفٹننٹ جنرل جیلانی کسی طرح مجھ پر اپنا جادو چلانے میں کامیاب ہو گئے اور میں نے ان کی سفارش پر میجر جنرل ضیاء الحق کو 6 دیگر جرنیلوں پر فوقیت دے کر چیف آف دی آرمی سٹاف بنا دیا جنرل محمد ضیاء الحق پر انہیں کس قدر اعتماد تھا اور جنرل ضیاء الحق ان کے کتنے وفادار تھے اس کا اندازہ انتخابات کے بعد تحریک کے دوران جنرل ضیاء الحق کے فوج کے نام اور جنرل ضیاء الحق کے نام ذوالفقار علی بھٹو کے خط سے لگایا جا سکتا ہے ایک جنرل نے جنہیں ذوالفقار علی بھٹو کا آخری دم تک اعتماد حاصل تھا مجھے بتایا کہ پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ اپنے مذاکرات کے دوران ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا خدا کا شکر ہے فوج کی کمان ضیاء الحق کے ہاتھ میں ہے فوج میں دیگر جرنیلوں پر فوقیت دے کر کسی نیچے والے جرنیل کو چیف آف آرمی سٹاف بنانا کوئی نئی بات نہیں لیکن ایسی فوقیت دیتے وقت سب سے بڑی چیز پیشہ ورانہ مہارت اور صلاحیت ہوتی ہے فوج جیسے اہم ادارہ کی سربراہی کے لئے لائق ترین جرنیل کو چنا جاتا ہے کوئی اور انتخاب ملک اور فوج دونوں کے مفاد کے منافی ہوتا ہے سب فوجی اور متعلقہ حلقے جانتے ہیں اور اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق کو جن چھ جرنیلوں پر فوقیت دی گئی ہے ان میں سے اکثر ضیاء الحق کی نسبت بہتر جرنیل اور سپاہی تھے بلکہ ایک دو تو بہت ہی بہتر تھے ان کی ترقی کی وجہ سے

انہیں فوج چھوڑنا پڑ گئی یہ تقرر فوجی ضروریات کی بجائے سیاسی ضروریات کو سامنے رکھ کر کیا گیا تھا ایک مہاجر جونیئر جرنیل کو جو اس عہدہ کا حقدار نہیں تھا اس لئے چیف آف آرمی سٹاف بنایا گیا کہ وہ بھٹو صاحب کا ممنون احسان رہے گا فوج میں اپنی کوئی علاقائی وابستگی نہ رکھنے کی بناء پر کوئی گروپ اس کی پشت پر نہیں ہو گا جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کی یہ توقعات پوری کرنے کی کوشش کی فوج پر احسانات کے اعتراف کے طور پر انہیں ایک چاندی کی تلوار پیش کی فوج پر ذوالفقار علی بھٹو کا اس سے بڑا احسان اور کیا ہو سکتا تھا کہ اس نے لائق ترین جرنیل کی بجائے ایک جونیئر جرنیل کو چیف آف آرمی سٹاف بنا دیا تھا

میاں ممتاز دولتانہ برطانیہ میں پاکستان کے سفیر بھی تھے اور بھٹو کے سیاسی مشیر بھی میاں صاحب کی فراست اور علم سے کسی کو انکار نہیں ان کی سیاسی صلاحیت سے بھی اکثر حکمران خوفزدہ رہے ہیں اسی خوف کی وجہ سے ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار پر قبضہ کرتے ہی تمام تر سیاسی مخالفت اور چوہے بلی کی فقرہ بازی کے باوجود انہیں برطانیہ میں خود سفیر بنا کر ارسال کیا تھا پنجاب اسمبلی میں حزب اختلاف کا سب سے بڑا گروپ مسلم لیگ کا تھا جس کے قائد میاں خورشید انور ہوتے تھے اسمبلی میں ان کے رویہ کو دیکھتے ہوئے میں نے اس کی وجوہ کی تلاش شروع کی تو معلوم ہوا ان کا لندن سے مسلسل رابطہ رہتا ہے پھر وہ تمام اراکان کو ساتھ لے کر پیپلز پارٹی میں شامل ہو گئے میں نے اس روز بعض مسلم لیگی ارکان پنجاب اسمبلی کو اس شمولیت پر روتے ہوئے دیکھا بعض حلقوں کا خیال تھا کہ میاں خورشید انور نے اپنے ساتھیوں سمیت پیپلز پارٹی میں شمولیت میاں حنیف رامے کے پنجاب میں ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے کی تھی پنجاب کی ارائیں برداری نے میاں محمد حنیف رامے کی وزارت کو مضبوط بنانے کے لئے واقعی بہت کوشش کی تھی ہمارے محترم میاں محمد شفیع (م-ش) رامے کے وزیر اعلی بننے سے پہلے جب بھی ملتے ملک اور قوم کے مفاد میں آئین کی بالادستی کے لئے کام کرنے کا مشورہ دیتے رہے (مصطفیٰ کھر قومی اسمبلی کا رکن منتخب ہوا تھا اور پنجاب کا وزیر اعلی پنجاب اسمبلی کا رکن ہونا چاہئے) میاں محمد حنیف رامے کے وزیر اعلی بنتے ہی میاں محمد شفیع کہیں غائب ہو گئے ان کی وزارت سے علیحدگی کے بعد ایک روز ملاقات ہوئی تو پھر سے انہوں نے مشورہ سے نوازا میں نے کہا میاں صاحب حنیف رامے کی ساری وزارت کے عرصہ میں آپ نے کوئی

مشورہ نہیں دیا علامہ رحمت اللہ ارشد نے قہقہ لگایا "اس سارے عرصہ میں وہ حنیف رامے کو مشورہ دینے میں بہت زیادہ مصروف رہے وقت ہی نہ مل سکا تھا میاں صاحب کو" میاں خورشید انور کے دل میں بلاشبہ ارائیں نوازی کا جذبہ بھی تھا لیکن اس جذبہ کو فیصلہ میں تبدیل کرنے کی جرات اور حوصلہ انہیں میاں ممتاز دولتانہ نے لندن سے ارسال کیا تھا یہ بات میں نے انہی دنوں لکھ بھی دی تھی جس کی میاں خورشید انور نے تردید کردی لیکن میرے جواب اور بطور نمونہ ایک آدھ ثبوت کے ذکر کے بعد خاموش ہو گئے۔

میاں ممتاز دولتانہ کے بہنوئی سعید قریشی نے مجھے بتایا کہ ایک دفعہ لندن میں وہ میاں صاحب کے ہاں مقیم تھے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے میاں صاحب سے ملک میں عام انتخابات کے بارے میں مشورہ طلب کیا تو بقول قریشی صاحب ممتاز دولتانہ نے ٹیلی فون پر بھٹو صاحب کو مشورہ دیا کہ سب سے پہلے جماعت اسلامی کو ساتھ ملاؤ بھٹو صاحب نے جواب دیا کہ وہ بہت سخت ہیں انہیں ساتھ نہیں ملایا جا سکتا ان کو ساتھ ملانے کی کوششوں میں تعاون اور مودودی بھٹو ملاقات کا پہلے ذکر کر چکے ہیں میاں ممتاز دولتانہ نے دوسرا مشورہ یہ دیا کہ فوج کو بھی ساتھ ملانے کا کوئی طریقہ نکالو کیونکہ وقت آنے پر یہی دونوں قوتیں یعنی جماعت اسلامی اور فوج تمہیں نقصان پہنچائیں گی بقول قریشی صاحب ذوالفقار علی بھٹو نے اس مشورہ پر عمل کرنے کا وعدہ کیا تھا انہوں نے میاں ممتاز دولتانہ کی سیاسی بصیرت کی داد دیتے ہوئے کہا کہ جب ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف تحریک چلی تو میاں ممتاز دولتانہ کی بات درست ثابت ہوئی اس تحریک میں سب سے زیادہ کام جماعت اسلامی نے کیا اور فوج نے بھی بھٹو کا ساتھ نہ دیا۔

فوج نے بھٹو کا ساتھ دیا یا نہیں اور جب ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کیا تو کیوں کیا یہ بات ہم آگے چل کر دیکھیں گے اس جگہ صرف یہ دیکھنا ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو ملک میں انتخابات کرانے کا بہت پہلے منصوبہ بنا چکے تھے اور اپنے پروگرام کے مطابق اس پر عمل کر رہے تھے سات جنوری 1977ء پارلیمنٹ میں انہوں نے اسمبلیاں برخاست کرنے اور انتخابات کا اچانک اعلان نہیں کر دیا تھا یہ ان کے سوچے سمجھے منصوبہ کا حصہ تھا۔

انتخابات کی تیاریوں کے سلسلہ میں ایک زمانہ میں وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے

لاڑکانہ پلان کا بہت چرچا ہوا یہ پلان انہوں نے 11 اپریل 1979ء کو پیداوار کے وفاقی وزیر رفیع رضا کو اپنے دستخطوں سے بھیجا تھا مسٹر رفیع رضا پاکستان پیپلز پارٹی کی انتخابی منصوبہ بندی کے انچارج تھے مسٹر بھٹو نے پولنگ کے اس مثالی پلان پر اپنے نوٹ میں لکھا تھا "میں نے ضلع لاڑکانہ میں وفاقی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے لئے ایک سکیم تیار کی ہے ہم نے پورے ملک کے لئے انتخابی انتظامات اور تیاریوں کے لئے سائنٹیفک بنیادوں پر جو انتظامات کرنا ہیں ان کے سلسلہ میں آپ اس سے راہنمائی حاصل کر سکتے ہیں اپنی ذاتی اطلاع اور راہنمائی کے لئے اس کا مطالعہ کیجئے مجھے یقین ہے کہ آپ اس سکیم کو مزید بہتر بنا سکتے ہیں"۔

پولنگ کی اس سکیم کے وجود سے بھٹو نے کبھی انکار نہیں کیا

میں دھاندلی کے اس منصوبہ کے بارے میں وہ تحریر فرماتے ہیں لاڑکانہ پلان میرے ایک معتمد ساتھی نے تیار کیا تھا وہ عجیب جوش کے ساتھ مجھے ملنے آیا اور بولا میں نے بارہ گھنٹے لگا کر یہ پلان تیار کیا ہے اس کا خیال تھا کہ اس نے ایک شاہکار کی تخلیق کی ہے لیکن جب میں نے اس پر ایک نظر ڈالے بغیر ایک طرف رکھ دیا تو میرے اس رویہ سے اسے جو اندرونی صدمہ پہنچا وہ پلک جھپکنے میں اس کے چہرے پر عیاں ہو گیا تھا اس نے چوٹ کھائے لہجہ میں کہا میں نے اتنی جان ماری کر کے یہ منصوبہ تیار کیا اور آپ نے اسے ایک نظر دیکھنے کے لائق نہ سمجھا وہ بے حد حساس اور جذباتی شخص ہے صاف ظاہر تھا کہ میرے اس رویہ سے اس کے دل پر چوٹ لگی ہے بلکہ چونکہ اس وقت اور لوگ بھی موجود تھے لہٰذا اس نے بے عزتی بھی محسوس کی میں نے یہ محسوس کیا اور میں نے وہ مسودہ اٹھا کر اس پر دستخط کر دیئے اور کہا کہ یہ تمہارا منصوبہ نہیں میرا اپنا منصوبہ ہے میں اس وقت اس کے جذبات کی کیفیت بیان نہیں کر سکتا وہ جیسے اندر سے چیخ اٹھا وہ شخص آج بھی زندہ ہے اس وقت وہاں جو لوگ موجود تھے وہ بھی زندہ ہیں جھوٹے کے منہ میں خاک اس دن کے بعد میں نے اس منصوبے کے متعلق مزید نہ کوئی بات پوچھی نہ سنی 12 اپریل 1976ء کو اس منصوبہ سے متعلق اس سے کچھ مزید کاغذات بھیجے جنہیں وہ غالباً" پہلی بار اپنے ساتھ لانا بھول گیا تھا میں چونکہ بڑے پلندے پر پہلے دستخط کر چکے تھا لہٰذا میں نے ان کاغذات پر بھی دستخط کئے اور انہیں لوٹا دیا اور ایک بار بھی پڑھ کر نہیں دیکھا کہ ان کاغذات پر کیا لکھا تھا کیونکہ اگر یہ میرا منصوبہ ہوتا تو میں

خود اپنے لئے وہ حلقہ نہ چنتا جس سے میں سرے سے ناواقف تھا دوسرا اگر یہ مثالی منصوبہ میں نے بنایا ہوتا تو ظاہر ہے اس پر کہیں تو عمل ہوتا اس پر کسی بھی حلقہ میں عمل کیا ہی نہیں گیا تھا لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ منصوبہ تمام تر انتخابات کی بنیاد تھا"۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیراعظم اور اسلامی سربراہی کانفرنس کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کی کوٹھڑی میں لکھی بات کی سچائی پر ہم اعتراض نہیں کرتے لیکن ان جیسے ہوشیار اور جہاں دیدہ آدمی کے بارے میں یہ ماننے پر کوئی عقلمند آدمی کیسے تیار ہو گا کہ انہوں نے اتنے اہم معاملہ سے متعلق دھاندلی جیسے منصوبہ پر بلا دیکھے محض دل رکھنے کے لئے دستخط کر دیئے تھے جب کہ وہ دوسروں کے جذبات اور احساسات کے اتنے قدردان بھی کبھی نہیں مانے گئے پھر کسی کو کیسے جرأت ہوئی کہ وہ ان کے سامنے دھاندلی کا منصوبہ پیش کرے اس سے بھی اہم سوال یہ ہے کہ انہوں نے لاڑکانہ پلان اپنے نوٹ اور دستخطوں کے ساتھ رفیع رضا کو بھیجا کس لئے تھا؟ بقول ان کے منصوبہ تیار کرنے والے نے پہلے منصوبہ کے کئی روز بعد دوسرا حصہ بارہ اپریل کو انہیں بھیجا تھا جب کہ رفیع رضا کو ذوالفقار علی بھٹو نے جو لاڑکانہ پلان بھیجا تھا اس پر ان کے گیارہ اپریل کے دستخط ہیں یہ البتہ درست ہے کہ اس انداز میں جو اس پولنگ کے لاڑکانہ پلان میں تجویز کیا گیا تھا عمل انہوں نے کہیں نہیں کیا مگر فکر اور عمل کے درمیان پورے ایک سال کا فاصلہ ہے اور اس منصوبہ کی موجودگی میں کم از کم اس امر کا ثبوت موجود ہے کہ وہ اپنے ماہرین سمیت انتخابات جیتنے کے کافی عرصہ پہلے منصوبے بناتے رہے تھے۔

پاکستان پیپلز پارٹی کے پنجاب کے ایک صوبائی وزیر چوہدری اعتزاز احسن نے جو پارٹی چھوڑنے کے بعد اب پھر واپس جا چکے ہیں پارٹی سے علیحدگی کے دور میں ایک دفعہ پارٹی کے چیئرمین اور پاکستان کے وزیراعظم کے ساتھ انتخابات میں پارٹی کی کامیابی کے ایک جائزہ اجلاس کا حال مجھے خود بتایا تھا وزیر موصوف پنجاب میں جو نوجوانوں کے پارٹی کے شعبہ کے بھی سربراہ تھے وہ بھی پنجاب میں پارٹی کی کامیابی کے امکانات کے بارے میں رپورٹ پیش کرنے گئے تھے اس اجلاس میں ان کے علاوہ مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں نے بھی اپنی اپنی جائزہ رپورٹیں پیش کیں آخر میں کہا کہ ہم جیت جائیں گے لیکن اگر خدانخواستہ

حزب اختلاف جیت بھی گئی تو ہم ان کی حکومت چھ ماہ سے زیادہ نہیں چلنے دیں گے اور چیئرمین کی قیادت میں پھر سے اقتدار پر واپس آجائیں گے بقول ان کے یہ بات سنتے ہی چیئرمین کا رنگ سرخ ہوگیا اور انہوں نے کہا ہم سانپ اور سیڑھیوں کا یہ کھیل کھیلنے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہمیں لازماً جیتنا ہے وزیراعظم کے لازماً" جیتنے کے عزم کے اظہار کے بعد ہر ایجنسی کے سربراہ نے ان کی مرضی اور خواہش کو سامنے رکھتے ہوئے انتخابات کے بارے میں اپنی جائزہ رپورٹ پیش کی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے مسلح افواج کے ہر کور کمانڈر کو بھی اپنے علاقہ کے بارے میں انتخابات میں حکمران پارٹی کی کامیابی کے بارے میں ایسی ہی جائزہ رپورٹ ارسال کرنے کے لئے کہا تھا ایک کور کمانڈر نے خود مجھے بتایا کہ اس نے اپنے زیر کمان علاقہ کے بارے میں جو رپورٹ دی ———————————— میں نے مزید وضاحت کے لئے اس کور کمانڈر سے پوچھا کہ یہ جائزہ رپورٹ تیار کرنے کا حکم آپ کو کس نے دیا تھا ظاہر ہے کہ ایسا حکم کور کمانڈر کو چیف آف آرمی سٹاف ہی دے سکتا تھا انہوں نے جواب دیا تھا۔

فوج کی مدد سے اقتدار پر قبضہ میں ناکام رہنے والوں اور کامیاب ہونے والوں کی مانند ذوالفقار علی بھٹو اپنے اقتدار کی آخر شب تک یہی اعلان کرتے رہے کہ مجھے پاکستان کے عوام اور فوج کی بھرپور حمایت حاصل ہے لیکن ان کی انتخابی منصوبہ بندی سے اندازہ ہوتا ہے کہ عوام کی پانچ سال تک بھرپور خدمت کرنے اور انہیں روٹی کپڑا اور مکان فراہم کردینے کے باوجود خود انہیں عوام پر اعتماد نہیں تھا عوام پر یہ عدم اعتماد ہی قائد عوام کا المیہ بن گیا۔

17

زندگی یا موت پلان

قابض وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے پہلے تو انتخابات میں کسی بھی قسم کی دھاندلی سے انکار کیا پھر کہا کہ اگر کہیں دھاندلی ہوئی ہے تو میرے کچھ ساتھیوں نے کی ہو گی اس میں میری مرضی اور منشاء شامل نہیں بعد میں اس پر بھی تیار ہو گئے کہ قومی اسمبلی کی درجنوں سیٹوں پر دوبارہ انتخابات کرا لئے جائیں انہوں نے ان سیٹوں پر اپنے امیداروں کو ہروا لینے کا بھی اشارہ دیا تھا آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ دستاویزات اس بارے میں کیا کہتی ہیں۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ملک گیر دھاندلی کا جو منصوبہ خود تیار کیا تھا اس کے نمونے کے طور پر انہوں نے اپنے آبائی ضلع لاڑکانہ کے قومی اسمبلی کے حلقہ لاڑکانہ دو کا جو خاکہ تیار کیا اور جو بعد میں لاڑکانہ پلان کے نام سے مشہور ہوا وہ انہوں نے انتخابی شعبہ کے سربراہ اپنے وزیر پیداوار مسٹر رفیع رضا کو گیارہ اپریل 1976ء کو بھیجا تھا اس کے ساتھ اپنے دستخطوں سے ذوالفقار علی بھٹو نے جو کورنگ لیٹر لکھا وہ اس طرح تھا "میں نے ضلع لاڑکانہ کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات کے سلسلہ میں ایک سکیم تیار کی ہے یہ سکیم آپ کو پورے ملک کے لئے سائنسی بنیادوں پر انتخابی منصوبہ تیار کرنے میں مدد دے گی ہمیں ایسا منصوبہ بنانا ہے آپ اس سے رہنمائی حاصل کریں مجھے یقین ہے کہ آپ اس منصوبہ میں مفید اضافہ کر سکیں گے۔"

اس منصوبہ میں ڈپٹی کمشنر سے پٹواری استانیوں اور دائیوں تک جملہ سرکاری مشینری

اور وسائل' باقاعدہ اور کرایہ کے سیاسی کارکنوں کے ذریعے یہ یقینی بنانے پر زور ہے کہ پولنگ سٹیشن پر ووٹر صحیح امیدوار کے حق میں ووٹ ڈالیں۔

"صحیح امیدوار کون ہے اس بارے میں ذہن پر زور دینے کی ضرورت نہیں پڑتی اس طویل پلان کا خلاصہ اس طرح ہے۔

الف...... تنظیم

انتخابی مہم میں ہر حلقہ اسمبلی دو حصوں میں بانٹ دیا جائے (1) شہری (2) دیہی حالیہ دنوں نمونے کی انتخابی ایکسر سائز کے دوران یہ بات سامنے آئی کہ خاتون کارکنوں کی بہت کمی ہے اس مشکل پر قابو پانے کیلئے میری تجویز ہے کہ پیپلزپارٹی کے شعبہ خواتین کو مضبوط بنایا جائے خواہ اس کے لئے تنخواہ دار خواتین ہی بھرتی کرنا پڑیں دوسرے یہ کہ سکولوں کی استانیوں اور دائیوں سے لازماً" کام لینا پڑے گا خاص طور پر دیہی علاقوں میں۔

اس منصوبہ کی تکمیل کے لئے میری تجویز ہے کہ تنظیم اس طرح کی جائے کہ ضلعی کمیٹی متعلقہ ضلع کے ہر حلقہ کی نگران ہو گی اور ضروری ہدایات جاری کرے گی یہ کمیٹی سارے ضلع میں انتخابی عمل کو کنٹرول کرے گی اور درست رخ متعین کرے گی میں نے اس کمیٹی میں ہر حلقہ انتخاب سے کم از کم ایک آدمی شامل کیا ہے تاکہ کمیٹی کو درست معلومات میسر آسکیں اور ان معلومات کی روشنی میں وہ صحیح سمت میں پالیسیاں تیار کر سکے لیکن ان کمیٹیوں کی اصل قوت محرکہ چار افراد ہوں گے ضلعی کمیٹی پالیسی فیصلے کرے گی روزمرہ کے مسائل کے بارے میں زیادہ تر فیصلے ہر حلقہ کی اپنی کمیٹی کرے گی ایک کوائف نامہ بھی بنایا گیا ہے جو فیلڈ میں کام کرنے والے کارکن مکمل کر کے متعلقہ حلقہ کی کمیٹی کو بھیجیں گے جو اس پر اپنی رائے درج کر کے ضلع کمیٹی کو ارسال کر دے گی ایسا مکمل کوائف نامہ ہر روز صبح نو بجے ضلعی کمیٹی کو پہنچ جائے گا اور اس میں فراہم کردہ معلومات کی بنیاد پر ضلعی کمیٹی اہم نوعیت کے اقدامات کرے گی ہر حلقہ میں ایک کمیٹی قائم کی جائے گی جس کے ذمہ صرف یہ کام ہو گا کہ وہ انتخابی آپریشن کو کامیاب کرے...... ہر فیلڈ ورکر ہر روز کم از کم پندرہ پولنگ سٹیشنوں کے علاقہ کا دورہ کرے گا اور وہاں کی صورت حال کے بارے میں کمیٹی کو رپورٹ ارسال کرے گا کمیٹی ہر پولنگ سٹیشن کے حلقہ سے الگ رپورٹ بھی حاصل کرے گی ان تمام معلومات کی بنیاد پر کمیٹی

حلقہ کی صورت حال کے بارے میں اپنی رپورٹ تیار کر کے ضلعی کمیٹی کو بھیجے گی اور اس سے نئی صورت حال کے بارے میں رہنمائی حاصل کرے گی.......... حقیقت میں اس ساری چین میں اصل اہمیت پولنگ سٹیشن کی ہے کیونکہ انتخاب کی کامیابی کا انحصار اس پر ہو گا کہ ہم دیہات سے زیادہ سے زیادہ ووٹروں کو پولنگ سٹیشن تک لے جائیں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ صحیح امیدوار کو ہی ووٹ دیں اس مقصد کے حصول کے لئے ہر پولنگ سٹیشن کا حلقہ آگے چھوٹے حلقوں دیہہ وغیرہ میں تقسیم کر دیا گیا ہے یہ بھی کوشش کی گئی ہے کہ کسی پولنگ سٹیشن پر ووٹروں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہ ہو ہر پولنگ سٹیشن کے لئے پانچ ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی ہو گی اور پولنگ کے روز اس کمیٹی کے سب ارکان اپنے پولنگ سٹیشن پر حاضر رہیں گے اور اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ ووٹ صحیح نمائندہ کو ڈالے جائیں دیہہ کی سطح پر بھی ایک پانچ رکنی کمیٹی ہو گی جو ہر روز حلقہ کمیٹی کو صورت حال کے بارے میں رپورٹ بھیجے گی شہری علاقوں کے لئے ہر وارڈ کی سطح پر اسی خاکہ کے مطابق ایک کمیٹی تجویز کی گئی ہے اس کمیٹی کے فرائض بھی دیہی کمیٹی جیسے ہی ہوں گے۔

ب...... ضلعی انتظامیہ

ضلع کی سطح پر دو رکنی کمیٹی ہو گی جس کے ارکان ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ پولیس ہوں گے یہ دونوں انتخابی آپریشن کی کامیابی کے ذمہ دار ہوں گے ہر اسمبلی حلقہ کی سطح پر ایک اور کمیٹی ہو گی جس کے ارکان متعلقہ تلوکہ کا سب سے سینئر پولیس افسر اور تلوکہ کا مختار ہوں گے۔

تپیدار (پٹواری) پولنگ کے دن سے ایک ماہ پہلے سے اپنے اپنے حلقہ میں موجود رہیں گے اور اپنے حلقہ کے پولنگ سٹیشنوں کی صورت حال کے بارے میں متعینہ فارم پر رپورٹیں بھیجیں گے سپروائزر تپیدار ہر روز چھ بجے شام ان تپیداروں سے یہ تجزیاتی رپورٹیں حاصل کر کے ذاتی طور پر تلوکہ کے ہیڈ کوارٹر پر مختار کار کے حوالے کیا کریں گے مگر ہر صورت چار بجے شام تک اپنے ہیڈ کوارٹر پر پہنچ جائیں گے اور تپیداروں کی بھیجی ہوئی جائزہ رپورٹیں وصول کر کے اپنی معلومات کی روشنی میں ان کا جائزہ لیں گے اور رات نو بجے تک بذریعہ ٹیلی فون یہ رپورٹیں ڈپٹی کمشنر کو پہنچایا کریں گے اور پھر تینوں مل کر پالیسی اور گائیڈ لائن طے کریں

گے جس کے مطابق ڈپٹی کمشنر اپنے افسروں کو مناسب احکامات جاری کیا کریں گے اور پاکستان پیپلزپارٹی کے صدر ذیلی کمٹیوں کو ہدایات جاری کیا کریں گے۔

کوائف فارم..... سرکاری افسر اور پیپلزپارٹی کے کارکن چار مختلف سطحوں پر چار مختلف قسم کے کوائف فارم مکمل کر کے بھیجا کریں گے۔

فارم پی 1 (امن و امان کی صورت حال) اس فارم کے چار خانے ہوں گے یعنی امیدوار کے نام کا خانہ اس کی سیاسی پارٹی کے نام کا خانہ دیہہ سطح پر پارٹی پوزیشن کا خانہ اور ریمارکس کا خانہ

یہ کوائف فارم پولنگ کے دن سے تیس روز پہلے ہر تپیدار کے پاس پہنچا دیئے جائیں گے ہر تپیدار یہ فارم چار بجے شام تک روزانہ مکمل کرے گا سپروائزر یہ فارم تپیدار سے حاصل کر کے مختار کار کو پہنچائے گا جو سب سے سینئر پولیس افسر کے مشورہ سے فارم پی 2 پر جائزہ رپورٹ تیار کر کے ڈپٹی کمشنر کو بھیج دے گا۔

فارم پی 2 .... یہ فارم مختار کار کے استعمال کے لئے ہو گا اس کے بھی چار خانے ہوں گے پہلے خانے میں امیدوار کا نام لکھا جائے گا دوسرے میں اس پارٹی کا نام جس سے اس کا تعلق ہے تیسرے میں ہر پولنگ سٹیشن سے وابستہ دیہات کی رپورٹ اور چوتھے خانے میں تجاویز اور ضروریات درج کی جائیں گی۔

فارم پی 3..... یہ فارم وارڈ کمیٹی یا دیہہ کمیٹی کا صدر مکمل کرے گا اس میں بھی چار خانے ہوں گے امیدوار کا نام اس کی پارٹی کا نام وارڈ یا دیہہ کی پارٹی پوزیشن اور تجاویز اور ضروریات یہ فارم مکمل کر کے تلوکہ کمیٹی کے صدر کو بھیجا جائے گا۔

فارم پی 4...... یہ فارم تلوکہ کمیٹی مکمل کر کے ضلع پیپلزپارٹی کے صدر کو بھیجے گی اس میں بھی فارم پی 2 اور فارم پی 3 جیسے ہی چار خانے ہوں گے"

سب سے نچلی سطح کی کمیٹیوں کے ارکان کی جانچ پڑتال کے لئے ذوالفقار علی بھٹو نے دو الگ فارم تجویز کئے "یہ فارم متعلقہ ایس ایچ او اور تپیدار (پٹواری) کو الگ الگ بھرنا ہوں گے ان فارموں کی جانچ پڑتال مختار کار اور اس کا ساتھی سب سے سینئر پولیس افسر کریں گے اور پھر ڈپٹی کمشنر کو رپورٹ ارسال کریں گے جو پیپلزپارٹی کے صدر کے مشورہ سے ان رپورٹوں

کی روشنی میں کمیٹیوں کے ارکان نامزد کرے گا"۔

اگلے روز یعنی 12 اپریل کو ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دستخطوں سے مسٹر رفیع رضا کو اس پلان کا بقیہ حصہ ارسال کیا اس میں دیہہ کمیٹی سے ضلعی کمیٹی کے ارکان تک کی وفا اور جانچ پڑتال سے ہر پولنگ سٹیشن پر بھگتائے جانے والے مردانہ اور زنانہ ووٹوں کی تعداد پولنگ ایجنٹ کے نام پولنگ سٹیشن پر پارٹی کی طرف سے نگران معززین کے نام سے لے کر فیلڈ ورکروں اور ووٹروں کو پولنگ سٹیشن تک لانے کے لئے بسوں کی تعداد تک دی گئی تھی اس پلان کے بقیہ حصہ کے ساتھ اپنے نوٹ میں ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا "ماڈل الیکشن پلان کے ساتھ دو مزید کوائف ناموں کا اضافہ ضروری ہے تاکہ نچلی سطح سے لیکر کمیٹیوں کے ارکان کی ٹھیک ٹھیک جانچ پڑتال کی جا سکے متعلقہ تھانیدار اور تپیدار یہ کوائف نامے الگ الگ مکمل کریں گے اور متعلقہ مختار کار اور سب سے سینئر پولیس افسران کے مکمل کردہ کوائف ناموں کی اپنے طور پر جانچ پڑتال کر کے کمشنر کو بھیج دیں گے اور ڈپٹی کمشنر ضلعی پیپلز پارٹی کے صدر کے مشورہ سے ان کمیٹیوں کے ارکان کی حتمی منظوری دیں گے"

ماڈل پلان مسٹر رفیع رضا کو بھیجنے کے سات روز بعد وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے "انتخابی جنگ" کے ناقابل شکست منصوبہ کی تیاری کے لئے صوبائی وزراء اعلیٰ سے بھی تجاویز طلب کر لیں اٹھارہ اپریل 1976ء کو اپنے دستخطوں سے انہوں نے پنجاب، سندھ اور صوبہ سرحد کے وزراء اعلی بلوچستان کے چیف سیکرٹری سید منیر حسین سندھ پیپلز پارٹی کے صدر اور سینئر صوبائی وزیر عبد الوحید کٹپر، بلوچستان سے سینٹ کے رکن طاہر محمد خاں اور سردار محمد حیات ٹمن کو جو خفیہ خط ارسال کیا اس میں لکھا "آئندہ انتخابات کے لئے ایک مستحکم انتخابی منصوبہ تیار کرنے پر اب ہمیں سنجیدگی سے کام کرنا ہے اس لئے آپ مجھے اس انتخابی سٹریٹیجی کے لئے اپنی اپنی تجاویز ارسال کریں یہ سٹریٹیجی بالکل جامع ہونی چاہئے جو تمام پہلوؤں کا احاطہ کرے اس میں کوئی بھی خامی نہیں ہونی چاہئے سٹریٹیجی تیار کرتے وقت ان اہم معاملات اور بڑے بڑے مسائل کو پیش نظر رکھیں جو ہماری توجہ چاہتے ہیں عوام کے اہم مطالبات کیا ہیں ان میں سے فوری طور پر کون کون سے مطالبات پورے کرنا چاہئیں اور آگے چل کر کون کون سے مطالبات پورے کئے جائیں کیا کوئی ایسا شعبہ ہے جس میں آپ کے صوبہ یا ملک کے

لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے پالیسی فیصلے اور اعلانات کرنا ضروری ہیں مثال کے طور پر ہمارا سرداری نظام کو ختم کرنے کا فیصلہ اسی قسم کے پالیسی فیصلوں میں سے ایک ہے آپ کے خیال میں حکومت کو ایسے اور کیا کیا فیصلے اور پالیسی اعلانات کرنا چاہئیں ہماری اپنی کون کون سی کمزوریاں اور خامیاں ہیں جن پر ہمیں فوری توجہ دینا چاہئے حزب اختلاف کی کون کون سی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے غرض یہ ایک تفصیلی جنگی پلان ہونا چاہئے جس میں کوئی چیز بھی چانس پر نہ چھوڑی جائے ہم نے دشمن کے خلاف اپنی مضبوط پوزیشنوں سے اس کی کمزور پوزیشنوں پر حملہ سے مہم کا آغاز کرنا ہے ہمیں مخلص وفادار اور محنتی پارٹی ورکروں کی ایک ٹیم تیار کرنا ہے اپنے اپنے صوبہ میں کام کے لئے ایسے ورکروں اور اخبار نویسوں کی فہرستیں تیار کریں جو اس مہم میں ہماری مدد کے لئے کام کر سکیں کسی بھی سٹریٹجی کی کامیابی کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کی تیاری کے وقت اس پر عمل کرنے والی مضبوط تنظیم پر خاص توجہ دی جائے آپ کی تجاویز زیادہ سے زیادہ اگست کے وسط تک مجھے ضرور پہنچ جانا چاہیں میں دہراتا ہوں..... مجھے مکمل سکیم چاہئے؟ ایک زندگی یا موت کا پلان جو اوپر سے نیچے تک اور شروع سے آخر تک ہر پہلو اور ہر چیز پر پوری توجہ اور غور و فکر سے تیار کیا گیا ہو"

اسی دوران میں وزیر اعظم کے مشیر برائے اطلاعات پیر علی محمد راشدی نے بھی ایک انتخابی سکیم تیار کر کے انہیں بھیجی تھی یہ سکیم بڑی تفصیلی تھی اور ہر پہلو کو سامنے رکھ کر تیار کی گئی تھی وزیر اعظم نے نہ صرف اس سکیم کو پسند فرمایا بلکہ راؤ رشید کو حکم دیا کہ وہ اس پر نظر ثانی کریں اور اس پر عملدر آمد کا اہتمام کریں پیر صاحب نے اور تجاویز کے علاوہ اپنی انتخابی سکیم میں مشورہ دیا تھا۔

(1) ہمیں لازماً ایک اپنی انتخابی تنظیم قائم کرنا چاہئے جس میں کوئی خامی نہ ہو جب میں یہ کہتا ہوں تو میرا مطلب بہت کچھ ہوتا ہے۔

(2) اس تنظیم کو فوری طور پر ساری صورت حال کا احتیاط سے جائزہ لینا چاہئے اور اپنے اور حزب اختلاف کی طرف سے ہر حلقہ میں انتخابی جنگ میں شامل ہونے والے متوقع امیدوار کے جملہ کوائف جمع کر کے پارٹی کے قائد کو فراہم کرنا چاہئے۔

(3) اگر حزب اختلاف انتخابات کا بائیکاٹ کر دے تو ہر حلقہ انتخاب کے لئے ہمارے پاس

ایسے متبادل یعنی نوری امیدوار ہونا چاہئیں جو بظاہر سنجیدگی سے انتخاب میں حصہ لیں اور جب وہ ہمارے امیدوار سے انتخاب ہار جائیں تو انہیں کسی اور طریقہ سے اس خدمت کا انعام دیا جائے ان میں سے چند قابل اعتماد نوری صاحبان کو اپنے غیر اہم امیدواروں کے مقابلہ میں انتخاب میں جیت بھی جانے دیا جائے ایسے کامیاب نوری امیدواروں کو اسمبلیوں میں تعمیری ذمہ دارانہ اور دوستانہ حزب اختلاف بنانے کی اجازت دے دی جائے گی۔

(4) ایک اعلی درجہ کی پبلسٹی مشینری قائم کی جائے جو ہر طرح سے اور ہر محاذ پر حزب اختلاف کا مقابلہ کرنے اور اسے چت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

(5) لینڈ ریفارمز کمیشن کے چیئرمین شیخ رشید نے اپنے اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے ہزاروں مقدمات دوبارہ شروع کر دیئے ہیں جس سے سندھ کے زمینداروں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے وکلاء کے ہمراہ ان کے سامنے پیش ہوں اکثر انہیں اس سماعت کے لئے اسلام آباد آنا پڑتا ہے جس سے ان کے دلوں میں بغض اور غصہ بھر گیا ہے پھر بد قسمتی سے شیخ رشید کا تعلق پنجاب سے ہے اس بد قسمت تعلق نے سندھ کے ان زمینداروں کے دلوں میں شبہات اور رد عمل پیدا کر دیئے ہیں کرپشن کی بھی شکایات ہیں شیخ رشید کو ایسا کرنے سے منع کیا جائے۔

(6) انتخابی قوانین میں اس طرح ترمیم کر دی جائے کہ انتخابی مہم کے دوران کوئی بھی چار قومیتوں کا مسئلہ نہ اٹھا سکے بے بنیاد مسائل نہ اٹھائے جائیں حلوہ خور پیٹو پیر اور بھکاری مولوی مذہبی تعصبات نہ پھیلا سکیں کرپشن کے الزامات اور خارجہ پالیسی پر تنقید سے منع کر دیا جائے افواہیں پھیلانے اور زیر زمین پبلسٹی پر پابندی لگا دی جائے۔

(7) تمام صوبوں کے پولنگ سٹیشنوں اور پولنگ کے روز مختلف حیثیتوں میں ان پر کام کرنے والے سرکاری افسروں کے انتخاب پر تفصیلی کام کیا جائے۔

(8) ہمیں حزب اختلاف کو اپنے پروگرام ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر پیش کرنے کے لئے وقت دینا چاہئے بلاشبہ محدود ..... اور حزب اختلاف کے لئے رکھے گئے اس وقت میں سے زیادہ سے زیادہ وقت نوری امیدواروں کو دیا جائے گا جو ہمارے نکتہ نظر کو سامنے رکھ کر بات کریں گے مختلف معاملات کے بارے میں سب نوری امیدواروں کا وہی خاص نکتہ نظر ہو گا جو

ہم طے کریں گے جیلوں میں بند بعض ایسے امیدواروں کو رہا کر دیا جائے گا جو قومی نکتہ نظر سے خطرناک نہ ہوں جیل سے ایسی رہائیوں پر ہماری طرف سے اس فراخدلی کے بارے میں زبردست پبلسٹی کی جائے گی۔

حزب اختلاف کی طرف سے انتخابات کے بائیکاٹ کی صورت میں Surrogate (متبادل) نورئ امیدواروں کی تجویز کو سراہتے ہوئے راؤ رشید نے وزیراعظم کو لکھا کہ نورئ امیدواروں کے علاوہ نورئ سیاسی پارٹیوں کو بھی انتخابات میں حصہ لینے کے لئے تیار کرنا چاہئے تاکہ انتخابی عمل میں کنٹرولڈ گرمی پیدا کی جاسکے اور یہ ظاہر کیا جاسکے کہ انتخابات میں کافی مقابلہ ہوا ہے راؤ رشید نے وزیراعظم کو یہ بھی لکھا کہ اس سلسلے میں وہ بعض نورئ پارٹیوں اور راہنماؤں سے بات بھی کر چکے ہیں اور نتائج بہت حوصلہ افزاء رہے ہیں انہوں نے لکھا ان نتائج سے وزیراعظم کو بالمشافہ ملاقات میں آگاہ کروں گا تاکہ یہ راز افشا نہ ہو جائے"

وزیراعظم نے اس پر تحریر فرمایا "یہ کام جاری رکھیں"

مسٹر راشدی نے حکمران پارٹی میں پائی جانے والی کرپشن کے خلاف نمائشی کارروائی کی بھی تجویز پیش کی تھی تاکہ عوام میں اس پارٹی کے کرپٹ ہونے کے بارے میں تاثر کو دور کیا جاسکے راؤ رشید نے اس تجویز پر وزیراعظم کو لکھا "اس حکومت کا سب سے کمزور پہلو یہ رہا ہے کہ اس نے سیاسی کرپشن کی روک تھام کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا اس سے لوگوں میں یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ حکومت خود کرپشن کروا رہی ہے اس تاثر کو دور کرنے کے لئے بعض چیدہ چیدہ سیاسی کرپشن کے مجرموں کے خلاف سخت اور فوری کارروائی ضروری ہے میری تجویز ہے کہ وزیراعظم چاروں وزرائے اعلیٰ کے نام خط لکھیں کہ وہ اپنے صوبہ میں کرپشن کے چند کیسوں کو الگ کر کے ان کے ذمہ دار لوگوں کے خلاف فوری اور موثر کارروائی کریں تاکہ تاثر دور ہو سکے لیکن ایسی کارروائی پیپلزپارٹی کے منحرفین یا پارٹی چھوڑ کر چلے جانے والے لیڈروں کے خلاف نہیں ہونا چاہئے اس سے الٹا تاثر قائم ہو گا ایسی کارروائی واقعی کرپٹ افراد کے خلاف ہونی چاہئے اور انتخابات سے پہلے مکمل ہو جانا چاہئے"

وزیراعظم نے اس تجویز سے بھی اتفاق کیا ایسی کارروائی کسی کرپٹ کے خلاف ہوئی

بھی؟اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا لیکن اس سے حکمران پارٹی کی کرپشن کی تصدیق ہو گئی۔

انتخابی قوانین میں ترمیم کی تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے وزیراعظم نے قانون اور تعلیم کے وفاقی وزیر عبدالحفیظ پیرزادہ' اٹارنی جنرل مسٹر یحیٰی بختیار' مشیر اطلاعات پیر علی محمد راشدی اور راؤ رشید پر مشتمل ایک چار رکنی کمیٹی مقرر کر دی۔

انتخابات کے دوران اپنی پسند کے پولنگ اور پریذائیڈنگ افسر مقرر کروانے کی تجویز کے بارے میں راؤ رشید نے وزیراعظم کو لکھا "ناپسندیدہ اور ناقابل اعتماد افسروں کو انتخابی عمل سے چھانٹ باہر کرنے کا کام جاری ہے اور ہر صوبے میں اگست کے پہلے ہفتہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا اپنے دوروں اور چیف سیکرٹریوں سے ذاتی ملاقاتوں کے دوران میں نے اس سلسلے میں انہیں وزیراعظم کی تشویش سے آگاہ کر دیا ہے اور انہیں پولنگ سٹیشنوں کے لئے قطعی قابل اعتماد اور قابل بھروسہ افسروں کے انتخاب کی اہمیت اچھی طرح ذہن نشین کرا دی ہے"

وزیراعظم نے اس کام کو "سب سے اہم" قرار دیتے ہوئے حکم دیا کہ "ناقابل اعتماد اور ناقابل بھروسہ افسروں کو پولنگ کے عمل سے باہر رکھنے کا کام ستمبر 1976ء تک مکمل ہو جانا چاہئے"

وزیراعظم نے حزب اختلاف کے بعض رہنماؤں کو کسی بھی صورت میں کامیاب نہ ہونے دینے کی تجویز سے بھی اتفاق کیا اس بارے میں راؤ رشید نے انٹیلی جنس بیورو سے کام لینے کی تجویز پیش کی تھی تاکہ پہلے سے سب تیاریاں مکمل ہو سکیں۔

انتخابی عمل کے دوران بعض Harmless افراد کو جیلوں سے رہا کرنے کی تجویز پر ذوالفقار علی بھٹو نے "Only the harmless ones" تحریر فرمایا

انتخابات کے دوران بیرونی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو انتخابات دیکھنے کی اجازت کی تجویز پر انہوں نے لکھا "بیرونی ذرائع ابلاغ کے نمائندوں کو بھول جائیں ہم انہیں ہرگز نہیں بلائیں گے"

وزیراعظم کے سیاسی مشیر عمر حیات ٹمن نے اپنا ایک الگ انتخابی منصوبہ تیار کر کے پانچ اگست 1976ء کو وزیراعظم کی خدمت میں پیش کیا ان الگ الگ منصوبوں اور سرگرمیوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وزیراعظم کے مشیر صاحبان ان کی فطرت اور ارادوں سے اچھی طرح

واقف ہو چکے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر خدمت انجام دینے کی کوششوں میں مصروف تھے محمد حیات ٹمن کا منصوبہ بھی کافی طویل اور تفصیلی ہے یہ "الیکشن سکیم" تیار کرتے وقت "پہلا کام پہلے" کے اصول کو سامنے رکھا گیا تھا اور تجویز کیا گیا تھا کہ انتخابی عمل

Should be so controlled as to flow in regulated channels.

وزیراعظم نے اس الیکشن سکیم میں لفظ پر نشان لگا کر اس کی تائید کی اور اسے مسٹر رفیع رضا اور راؤ رشید کو اس نوٹ کے ساتھ ارسال کیا "الیکشن سکیم سے متعلق مسٹر ٹمن کا تیار کردہ یہ دوسرا تفصیلی خاکہ ہے مجھے امید ہے کہ آپ نے پہلے خاکہ سے فائدہ اٹھایا ہو گا اور اس کو بھی استعمال میں لائیں گے اس میں بعض اچھی تجاویز دی گئی ہیں لیکن اس میں تجویز کردہ مختلف سیلوں کے درمیان اگر باہمی رابطہ مضبوط نہ ہوا تو نتائج اچھے نہیں ہوں گے"

مسٹر عمر حیات ٹمن کی اسی الیکشن سکیم میں سنٹرل کنٹرول روم" کی تجویز پیش کی گئی "یہ کنٹرول روم سب سے اہم ادارہ ہو گا جو تمام انتخابی عمل اور سرگرمیوں کو کنٹرول کرے گا" اسی سکیم میں کنٹرول روم کے تحت کام کرنے والے مختلف سیلوں کے فرائض کے ذکر کے بارے میں تجویز کیا گیا کہ "انتخاب کے وقت یہ سیل تازہ ترین انتخابی نتائج فراہم کرے گا" انتخابات کے دوران اخبارات میں اس "سنٹرل کنٹرول روم" کا عام ذکر خیر رہا قومی اسمبلی کے انتخابات کے روز سات مارچ 1977ء کو ریڈیو اور ٹیلیویژن سے جو نتائج پیش کیے جا رہے تھے وہ اسی "سیل اور "کنٹرول روم" سے آ رہے تھے؟ اسی قسم کے "کنٹرول روم" ہر صوبہ کے لئے بھی تجویز کیے گئے تھے جن کے ماتحت ہر ضلع میں الگ سیل کام کریں گے اور مختلف ایجنسیوں سے موصول ہونے والی معلومات کی روشنی میں نتائج تیار کرتے رہیں گے اس کی مزید تفصیل ذرا بعد میں آئے گی۔

ذوالفقار علی بھٹو پاکستان پیپلزپارٹی کے چیئرمین ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے وزیراعظم بھی تھے آئین قوانین ضوابط اور روایات کے تحفظ کی سب سے بڑی ذمہ داری ان کی تھی لیکن ان کے اپنے تیار کردہ "ماڈل پلان" سے ان کے مشیروں پیر علی محمد راشدی اور

حیاتَ محمد تمن کی انتخابی سکیموں پر ان کے احکامات اور مشوروں سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں نہ صرف ان قوانین اور ضوابط کا احترام نہیں تھا بلکہ اپنے عمل اور احکامات سے انہوں نے ایسے تمام ضوابط اور اصولوں کی کھلی خلاف ورزی کی اور الیکشن کمیشن کے انتخابی ضابطہ اخلاق، قوانین اور فرائض کو پامال کرنے سے بھی گریز نہ کیا جو پاکستان کے انتخابی قوانین اور عوامی نمائندگی کے ایکٹ 1976ء کے تحت فوجداری جرائم میں شامل ہیں' ذوالفقار علی بھٹو ساری سرکاری مشینری کو اپنے انتخابی مقاصد کے لئے استعمال کرتے رہے اور اس دھاندلی میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں کی۔

یہ انتخابی دھاندلی کا منصوبہ وزیر اعظم کے "ماڈل پلان" کی تیاری سے بھی بہت پہلے سے بن چکا تھا اس سلسلے میں مسٹر وقار احمد کیبنٹ سیکرٹری کا اکیس نومبر 1974ء کا ایک نوٹ قابل ذکر ہے انہوں نے وزیر اعظم کو لکھا "وزیر اعظم کی خواہش کے مطابق میں نے وزیر اعظم کے پبلک افیئرز کے معاون کے فرائض کے بارے میں ایک نوٹ تیار کیا ہے میں نے اس بارے میں ان سے بھی تبادلہ خیال کیا ہے اور ان کی طرف سے پیش کی جانے والی مختلف تجاویز کو بھی پیش نظر رکھا ہے ہمیں چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمیشن پر اپنا کنٹرول مضبوط کرنا ہو گا اس مقصد کے لئے سیکرٹری قانون اور وزیر اعظم کے سیکرٹری کی موجودگی میں ہم نے ایک الگ میٹنگ بھی کی ہے اگرچہ چیف الیکشن کمشنر اپنا آزادانہ مقام برقرار رکھنا چاہتے ہیں لیکن ہم الیکشن کمشن کے بجٹ کو کنٹرول کر کے اور اس کے انتظامی معاملات کو کنٹرول کر کے جن میں اس کے عملہ کی ترقیاں اور تقرریاں وغیرہ شامل ہیں اپنی گرفت مضبوط کر سکتے ہیں الیکشن کمیشن کے سیکرٹری کو سمجھا دیا جائے گا کہ وہ وزیر اعظم کے معاون کو کمیشن کے معاملات سے باخبر رکھے اگر سیکرٹری نے اس سلسلے میں تعاون نہ کیا تو اس کو تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اس منصوبہ پر بڑی ہوشیاری سے کام کرنا ہو گا کیونکہ آئین اور ضوابط کے تحت چیف الیکشن کمشنر کو بڑے وسیع اختیارات حاصل ہیں"۔

اس نوٹ کے چار روز بعد پچیس نومبر کو کیبنٹ ڈویژن نے احکام جاری کر دیئے کہ (1) الیکشن کمیشن کو پارلیمانی امور کے ڈویژن کی بجائے وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ کے ماتحت کر دیا گیا ہے (2) الیکشن کمیشن کے بجٹ پر آئندہ وزیر اعظم کے خصوصی معاون کا کنٹرول ہو گا۔

اسی روز وزیراعظم کے اس خصوصی تعاون کے فرائض کے بارے میں بھی ایک "خفیہ" آفس میمورنڈم جاری کیا گیا جو اس طرح تھا "عنوان "الیکشن" کے تحت آنے والے معاملات وزیراعظم کے سیکرٹریٹ کے ماتحت کر دیئے گئے ہیں چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمیشن سے متعلقہ جن معاملات کی منظوری پہلے پارلیمانی امور کے ڈویژن سے لی جاتی تھی اب ان کی منظوری وزیراعظم کے خصوصی معاون سے لی جائے گی اور جو ریفرنس پہلے پارلیمانی امور کے ڈویژن کو بھیجے جاتے تھے اب وہ بھی وزیراعظم کے خصوصی معاون کو بھیجے جائیں گے اس لئے وزیراعظم کے خصوصی معاون الیکشن کمیشن کے بجٹ کو کنٹرول کریں گے اور وہ تمام انتظامی اختیارات استعمال کریں گے جو وزارت کو حاصل ہوتے ہیں اگرچہ چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمیشن کے ادارے آئین کے تحت قائم کئے گئے ہیں اور ان کے مخصوص فرائض اور ذمہ داریاں ہیں ان کے کام اور طریقہ کار پر نگرانی وزیراعظم کے خصوصی معاون رکھیں گے جس مقصد کے لئے مناسب طریقہ کار طے کر لیا جائے گا جو خاص طور پر ان امور سے متعلق ہو گا۔

(1) انتخابی فہرستوں کی تیاری

(2) انتخابی حلقوں کی تیاری

(3) انتخابات کا انعقاد

1973ء کے آئین کو پاس ہوئے بمشکل ڈیڑھ سال ہوا تھا کہ ملک کے سربراہ حکومت آئین میں چیف الیکشن کمشنر اور الیکشن کمیشن کی مقرر کردہ آزادی کو غیر آئینی اور غیر قانونی طریقوں سے سلب کرنے چل پڑے ہیں آئندہ انتخابات میں دھاندلی کا سائنسی طریقہ طے کر رہے ہیں......

سترہ جون 1976ء کو وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے خصوصی معاون حیات محمد تمن کے مشوروں پر پنجاب کے وزیراعلیٰ صادق حسین قریشی کے نام ایک خط لکھا جسکا نمبر 11/76 تھا یہ خط اس طرح تھا ڈیئر مسٹر قریشی الیکشن کمیشن نے صوبائی چیف سیکرٹریوں ڈپٹی کمشنروں اور پولیٹیکل ایجنسیوں کو ہدایت کی ہے کہ وہ ایسے عملہ کی فہرستیں تیار کریں جسے انتخابات کے دوران ریٹرننگ افسر پریذائیڈنگ افسر پولنگ افسر اور ان کا اسسٹنٹ مقرر کیا جائے گا یہ بہت

ضروری معاملہ ہے ان فرائض کی ادائیگی کے لئے صرف صحیح قسم کے افراد ہی رکھے جائیں اس لئے ان افسروں کے انتخاب میں بہت زیادہ احتیاط برتی جائے اور کوئی بھی ایسا فرد انتخابی عملہ میں شامل نہ کیا جائے جس کا سیاسی رجحان مشکوک ہو اس مقصد کے لئے جن افراد کا انتخاب کیا جائے ان کی وفاداریوں کے بارے میں سپیشل برانچ سے تصدیق کرائی جائے اور انتخابی ڈیوٹی کے لئے صرف ایسے افسروں کو ہی منتخب کیا جائے جو بہت ہی زیادہ قابل اعتماد ہوں ...."

مسٹر تمن نے وزیر اعظم سے ایسے خطوط سب وزرائے اعلیٰ کے نام لکھنے کی درخواست کی تھی لازماً" یہ حکم دیگر وزرائے اعلیٰ کو بھی دیا گیا ہو گا اور یہ احتیاط ہر جگہ برتی گئی ہو گی وزیر اعظم کے خصوصی مشیر راؤ رشید کے وزیر اعظم کے نام ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایسی فہرستوں کی تیاری میں وزیر اعظم کی ہدایات پر عملدرآمد کی نگرانی کے لئے مختلف صوبوں کا دورہ بھی کیا کرتے تھے۔

انتخاب کے دوران وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو جان محمد عباسی کے اغوا کی وجہ سے بلا مقابلہ منتخب ہو گئے لیکن چاروں صوبائی وزرائے اعلیٰ بھی اس سلسلے میں پیچھے نہیں رہنا چاہتے تھے اس بلا مقابلہ جمہوریت کے بارے میں راؤ رشید نے وزیر اعظم کو لکھا اگر ایک یا دو وزرائے اعلیٰ انتخاب میں حصہ لیتے تو اس میں کوئی خرابی نہیں تھی وہ آسانی سے انتخاب جیت جاتے ان کے اس انتخاب لڑ کر جیتنے سے انتخابات کے منصفانہ ہونے کے بارے میں کریڈبلٹی میں اضافہ ہوتا غیر ضروری "تکالیف" کے ذریعے بلا مقابلہ منتخب ہو جانے کی وجہ سے فائدہ کی بجائے نقصان ہوا ہے اس معاملے پر اس زاویہ سے غور کریں تو یہ نامناسب نہیں ہو گا کہ الیکشن کمیشن دو وزرائے اعلیٰ کے بلا مقابلہ منتخب ہو جانے کے خلاف مخالف امیدواروں کی اپیلیں قبول کر لے اور وہ انتخاب میں باقاعدہ حصہ لیں"

معلوم نہیں راؤ رشید کے اس مشورہ کی روشنی میں یا اپنی آزادی سے کام لیتے ہوئے الیکشن کمیشن نے پنجاب اور صوبہ سرحد کے وزرائے اعلیٰ کے بلا مقابلہ منتخب ہو جانے کے خلاف مخالف امیدواروں کی اپیلیں منظور فرمالی تھیں اور انہیں انتخاب لڑنا پڑا تھا اگرچہ حزب اختلاف کے بائیکاٹ کی وجہ سے وہ بھی بلا مقابلہ منتخب ہو گئے تھے۔

انتخابی حلقہ بندیوں کے بارے میں بھی 1974ء میں کام شروع کر دیا گیا تھا اور اپنی مرضی کے مطابق قومی اور صوبائی اسمبلی کی حلقہ بندیاں کروانے کے لئے تمام حربے استعمال کئے گئے تھے چوبیس جون 1974ء کو وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے چاروں وزرائے اعلیٰ کو ایک خط ارسال کیا جس کا نمبر 74/221011 تھا انہوں نے لکھا تھا حلقہ بندیوں کے بارے میں قانون بن چکا ہے الیکشن کمیشن جلد ہی حلقہ بندیوں کا کام شروع کر دے گا اس لئے ضروری ہے کہ انتخابی حلقہ بندیوں کے بارے میں ہم اپنی تجاویز تیار رکھیں تاکہ جب وقت آئے تو اس بارے میں الیکشن کمیشن سے مذاکرات کئے جا سکیں اس لئے آپ اپنے اپنے صوبہ میں انتخابی حلقہ بندیوں کے بارے میں تفصیلی تجاویز مع نقشوں کے ذاتی طور پر مجھے ارسال کریں تاکہ میں ان پر غور کر سکوں یہ کام بہت ہی ضروری ہے اور یہ تجاویز زیادہ سے زیادہ جولائی 1974ء کے اختتام تک مجھے مل جانا چاہیں"

صوبائی حکومتوں کی تیار کردہ حلقہ بندیوں کو الیکشن کمیشن نے کہاں تک قبول کیا اس کا کچھ ثبوت حکومت کی تیار کردہ سکھر ڈویژن کے لئے حلقہ بندیوں اور اور الیکشن کمیشن کی طرف سے اس ڈویژن کی جاری کردہ حلقہ بندیوں پر وزیر اعظم کے خصوصی معاون مسٹر تمن کے ایک خط سے ملتا ہے جو انہوں نے وزیر اعظم کو ارسال فرمایا تھا۔

وہ لکھتے ہیں "ضلع سکھر کی قومی اسمبلی کی چار سیٹوں میں سے دو کی حلقہ بندیاں ہماری تجاویز کے مطابق ہیں اس ضلع میں سندھ اسمبلی کی دس سیٹیں ہیں جن میں سے آٹھ کے لئے الیکشن کمیشن نے جو حلقہ بندیاں جاری کی ہیں وہ ہماری تجاویز کے مطابق ہیں تاہم صوبائی اسمبلی کی سیٹ پی ایس 8 اور پی ایس 10 ہماری تجاویز کے مطابق نہیں"

کراچی کے بارے میں اس خط میں لکھا ہے "کراچی سے قومی اسمبلی کے لئے گیارہ میں سے پانچ اور صوبائی اسمبلی کی پچیس میں سے اکیس کی حلقہ بندیاں ہماری تجاویز کے مطابق ہیں"

لاڑکانہ کے بارے میں انہوں نے لکھا "قومی اسمبلی کی تینوں اور صوبائی اسمبلی کی ساتوں سیٹوں کی حلقہ بندیاں ہماری تجویز کے مطابق ہیں"

کس حلقہ بندی کے بارے میں کس نے کیا تحریری اعتراض کیا تھا وہ تفصیل بھی اس

رپورٹ کے ساتھ منسلک ہے وزیر اعظم کے خصوصی معاون نے کمیشن کی طرف سے اعتراضات کی سماعت سے پہلے ہی یہ خفیہ معلومات کیسے حاصل کرلیں یہ پہلو اپنی جگہ قابل غور ہے۔

الیکشن کمیشن کے ریکارڈ کے مطابق اس نے حلقہ بندیاں چودہ اپریل 1976ء کو مکمل کرلی تھیں ان حلقہ بندیوں پر کمیشن کے ارکان کے دستخط موجود ہیں لیکن 2 جنوری 1977ء کو سندھ کی حلقہ بندیوں کی جو تفصیل جاری کی گئی وہ چودہ اپریل 1976ء کی حتمی فہرست سے مختلف ہے اور وہ سندھ حکومت کی طرف سے مجوزہ اور مسٹر تمن کی تجاویز کے مطابق ہے یہ تبدیلیاں کیسے ہوئیں۔ الیکشن کمیشن نے اپنی حتمی حلقہ بندیوں میں کیسے تبدیلیاں کیں اور یہ حکمران پارٹی اور وزیر اعظم کے خصوصی معاون کی تجاویز کے مطابق ہی کیوں کیں؟

ملک کے دوسرے صوبوں اور اضلاع کی حلقہ بندیوں کے بارے میں متعلقہ حکومتوں اور وزیراعظم کے خصوصی معاون کی کارکردگی کیا رہی ہوگی اس کا اندازہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔

دو جنوری 1977ء کو الیکشن کمیشن نے حلقہ بندیوں کی فہرست جاری کی اور سات جنوری 1977ء کو یعنی صرف پانچ روز بعد وزیر اعظم نے سات مارچ 1977ء کو ملک میں عام انتخابات کرانے کا اعلان کردیا۔

حکمران پیپلزپارٹی نے سرکاری افسروں کو اپنی شاندار کامیابی کے لئے انتخابی عمل میں کس طرح استعمال کیا اس کا اندازہ سندھ کے اس دور کے سیکرٹری داخلہ کے ایک بیان حلفی سے کیا جا سکتا ہے مسٹر محمد خان جونیجو سیکرٹری داخلہ اس دور کے سب سے طاقتور اور حکمران پارٹی کے سب سے بااعتماد افسرِ اعلیٰ تھے یہ بیان انہوں نے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد اپنے دفاع میں دیا تھا انہوں نے سندھ میں سرکاری مشینری کے انتخابی عمل میں کردار کے بارے میں کہا تھا "سندھ حکومت کے تقریباً" تمام ہی افسران براہ راست انتخابی عمل میں شامل تھے افسروں کو انتخابات میں استعمال کرنے کا عمل 1976ء میں شروع کیا گیا جب سندھ کے اعلیٰ افسروں کی سکریننگ کی گئی بہت سے افسروں کو سکریننگ کے سلسلہ میں نوٹس جاری کئے گئے تھے ان میں بعض کو ریٹائر کردیا گیا اور بعض کے کیس ان پر خوف کی تلوار لٹکائے

رکھنے کے لئے پینڈنگ رکھے گئے ملک میں عام انتخابات کی آمد سے پہلے یہ کارروائی سرکاری افسروں کو حکمران پارٹی کی لائن کی پابندی کرانے کے لئے گئی تھی اس سلسلے میں اس وقت کے وزیر اعلی سندھ غلام مصطفیٰ جتوئی نے ایک میٹنگ بلوائی جس میں چیف سیکرٹری مسٹر سعید احمد قریشی انسپکٹر جنرل پولیس سندھ صوبہ کے تمام کمشنز اور ڈپٹی کمشنر اور ڈی آئی جی اور ایس پی صاحبان موجود تھے ان افسران سے خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلی نے کہا تھا "چونکہ پیپلز پارٹی ملک میں حکمران ہے اس لئے تمام افسران سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ انتخابات میں پارٹی کی مدد کریں گے......

اس جگہ کیبنٹ سیکرٹری مسٹر وقار احمد کے چوبیس اکتوبر 1975ء کے وزیر اعظم کے نام ایک طویل خط سے بعض اقتباس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ کب سے افسروں کو استعمال کرنے اور قابو نہ آنے والے سرکاری ملازمین کی چھٹی کرانے کے منصوبہ پر عمل کر رہے تھے تحریک استقلال کی طرف سے اپنا پارٹی منشور جاری کرنے اور پیپلز پارٹی کے منحرفین کے بیانات اور مطالبات کے بعد مسٹر وقار احمد نے افضل سعید خان کے مشوروں سے ساری صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے وزیر اعظم کو جو تجاویز ارسال کی تھیں ان میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ "حکومت کی مخالفت زیادہ تر درج ذیل گروپ کریں گے (1) قادیانی (2) سی ایس پی گروپ (3) تاجر اور صنعتکار (4) زمیندار (5) ریٹائرڈ فوجی اور سول ملازمین خاص طور پر ایسے ملازمین جو قبل از وقت ریٹائر کر دیئے گئے ہیں وہ پس منظر میں رہ کر مخالفت کریں گے۔

انہوں نے تجویز کیا تھا (1) ایسے بدنام افراد کو ریٹائر کر دیا جائے جو حکومت کا تشخص مجروح کر رہے ہیں ایسے لوگوں میں صرف سینئر سرکاری ملازم ہی نہ ہوں بلکہ بدنام وزراء اور پارٹی ورکروں کو بھی شامل کیا جائے بعض افراد کی علیحدگی فوری طور ضروری ہے (2) محکمہ اطلاعات کی تنظیم نو ضروری ہے موجودہ نظام ٹھیک طور پر کام نہیں کر رہا اس محکمہ کے لئے وزیر کا تقرر کیا جائے اگر کوئی وزیر فوری طور پر میسر نہ آئے تو سابقہ وزیر اطلاعات کو ہی یہ ذمہ داری دینے پر غور کیا جائے (3) انٹیلی جنس ایجنسیوں کو مضبوط بنانا ضروری ہے اس سلسلہ میں وزیر اعظم کی صدارت میں کم از کم دو ماہ میں ایک اجلاس ہونا چاہیئے اور چھ ماہ میں ایک ایسا اجلاس بھی ہونا ضروری ہے جس میں صوبائی نمائندے بھی شامل ہوں۔ (4) غیر وفادار

عناصر سے چھٹکارا حاصل کرنا لازمی ہے اور وفادار افسروں کو اہم عہدوں Key Posts لگانا بہت ضروری ہے اس مقصد کے حصول کے لئے ڈسٹرکٹ مینجمنٹ پول میں مزید افسروں کا داخلہ ضروری ہوگا اس کے علاوہ درج ذیل اقدامات بھی ضروری ہیں۔

الف...... ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ اور سیکرٹریٹ گروپ دو مختلف گروپ ہیں ماضی میں صوبوں میں ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ کی اعلیٰ پوسٹیں ایک ہی کیڈر میں ہوا کرتی تھیں سابقہ سی ایس پی گروپ چونکہ اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتا تھا اس لئے انتظامیہ پر اس کا قبضہ ہوتا تھا اب ڈسٹرکٹ مینجمنٹ گروپ اور سیکرٹریٹ گروپ بنا کر یہ اجارہ داری ختم کر دی گئی ہے ایک گروپ کے افسروں کو دوسرے گروپ میں خود بخود نہیں بھیجا جا سکتا اس کے لئے سنٹر سلیکشن بورڈ سے منظوری حاصل کرنا پڑتی ہے اس اصول پر سختی سے عمل کرایا جائے اور صوبوں میں تقرر کے لئے ایسے مزید سیکرٹریٹ گروپ کے افسروں کو بھیجا جائے جن کا سابقہ سی ایس پی گروپ سے کوئی تعلق نہ ہو وزرائے اعلیٰ کو ہدایت کی جائے کہ وہ اپنے سیکرٹریٹ میں ایک ہی گروپ کے افسروں کا تقرر نہ کریں وہ پوسٹیں جو صوبائی سروسوں کا حصہ ہیں انہیں سیکرٹریٹ سروس میں شامل نہ کیا جائے ان پوسٹوں پر تقرریاں صوبائی حکومتیں کریں گی۔

ب...... صوبوں میں اہم عہدوں پر فائز (سابقہ) سی ایس پی افسروں کو وفاق میں بھیج دیا جائے اور انہیں مختلف وزارتوں میں اس طرح منتشر کر دیا جائے کہ اہم وزارتوں میں ان کا اجتماع نہ ہو سکے۔

ج..... اگر کوئی افسر حکومت وقت کے خلاف بات کرتا ہے تو اس پر کسی قسم کا رحم نہیں کیا جائے گا۔

د..... حکومت کے خلاف فعال ریٹائرڈ افسروں، تاجروں اور صنعتکاروں کو ٹھیک کرنے کے لئے درج ذیل اقدامات کئے جائیں۔

(1) انکم ٹیکس کے معاملات کی تحقیقاتی ایجنسی کو مزید مضبوط، فعال اور موثر بنایا جائے۔

(2) ناپسندیدہ عناصر کی گرفتاری اور حراست سے متعلقہ قوانین اور ضوابط پر غور کر کے انہیں مضبوط بنایا جائے۔ ضمانت قبل از گرفتاری کی سہولت ختم کی جائے۔

(3) ایف آئی اے ایسے عناصر کے معاملات کے لئے مزید کام کرے اور فارن ایکسچینج

تک اپنا دائرہ کار وسیع کردے۔

س:۔ طلباء اور مزدوروں کو خریدنے کے لئے اقدامات کئے جائیں؟

س:۔ پولیس کو قابو میں رکھنے کے لئے پیش کی گئی تجاویز پر عمل کیا جائے.....

اس موضوع کے ضمن میں یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد جو پہلے اہم اقدامات کئے تھے ان میں بے شمار سرکاری افسروں کی جبری ریٹائرمنٹ بھی شامل تھی اس کے بعد ان محکموں پر پارٹی کا کنٹرول قائم کرنے کے لئے انہوں نے اعلیٰ عہدوں پر بے شمار اپنے آدمیوں کا تقرر کیا صرف اگست 1973ء سے پانچ جولائی 1977ء تک سترہ گریڈ میں جو اپنے آدمی انہوں نے بھرتی کئے ان کی تعداد 1866 ہے جبکہ مختلف سرکاری محکموں میں اس دوران سولہ گریڈ میں 5467 پارٹی کارکن کھپائے گئے تھے۔

مسٹر تمن کی تجویز کے مطابق جو کنٹرول روم قائم کئے گئے وہ اس طرح تھے مرکزی کنٹرول روم وزیر اعظم ہاؤس کے ایڈوائزر بلاک میں قائم کیا گیا تھا محکمہ ٹیلیفون اور ٹیلی گراف کے ریکارڈ کے مطابق اس کنٹرول روم میں چھ عدد ٹیلیکس مشینیں لگائی گئی تھیں چار چالو حالت میں اور دو کسی ہنگامی ضرورت کے لئے اسی طرح کا اہتمام ہر صوبائی الیکشن کمیشن کے دفتر میں کیا گیا تھا جہاں ہر ایک میں ٹیلیکس مشینوں کے دو دو سیٹ رکھے گئے تھے مرکزی کنٹرول روم اور صوبائی الیکشن کمیشن کے دفتر میں لگائی ہر ٹیلیکس مشین کے لئے ایک آپریٹر کی خدمات حاصل کی گئی تھیں اس کنٹرول روم میں گرین ٹیلی فون موجود تھے اور پچیس لائنوں کا ایک اندرونی ٹیلی فون نظام بھی تھا جس کا رابطہ (1) سردار ملک محمد حیات تمن خصوصی معاون وزیر اعظم (2) وزیر اعظم کے سیکرٹری افضل سعید خان (3) راؤ عبد رشید خان اور وزیر اعظم کے سیکرٹریٹ کے جائنٹ سیکرٹری مسٹر ریاض الرحمان کے ساتھ تھا چاروں صوبائی الیکشن کمیشن کے دفاتر کے ساتھ اس کنٹرول روم کا ہاٹ لائنوں کے ذریعے بھی رابطہ تھا جن کا ایڈریس اس طرح تھا۔

(1).....3 ریس ویو جیل روڈ لاہور (2) 54 فیز 5 سٹریٹ 2/ ڈیفنس سوسائٹی کراچی (3) 33 انیس کو مبا روڈ کوئٹہ اور (4) فرنٹیئر ہاؤس (پرانا وزیر اعظم ہاؤس) پشاور۔

وزیراعظم سیکرٹریٹ کے جائنٹ سیکرٹری مسٹر عبد الغفار خان کے ٹیلی فون اور ٹیلیگراف کے چیف انجینئر مسٹر ایم آر اے خان کے نام ایک خط کے مطابق اس کنٹرول روم نے تین فروری 1977ء کو کام شروع کیا چودہ فروری تک یہ صرف دفتری اوقات کے دوران کام کرتا تھا اس کے بعد یہ چوبیس گھنٹے کام کرتا رہا اس کنٹرول روم کی ہاٹ لائنیں اور ٹیلیکس چھبیس مارچ 1977ء تک کام کرتے رہے تھے۔

کراچی کے صوبائی کنٹرول روم کے انچارج جام صادق علی تھے۔

(18)

عوام کا اتحاد

سات جنوری کو ذوالفقار علی بھٹو نے انتخابات کے پروگرام کا اعلان کیا۔ 10 جنوری کو حزب اختلاف کی سب جماعتوں نے پاکستان قومی اتحاد کے نام سے انتخابی اتحاد قائم کرلیا اتنے کم وقت میں اتنا بڑا اتحاد قائم ہو جانا حکومت اور عوام دونوں کی توقعات کے خلاف تھا عوام میں ایسے اتحاد کے لئے شدید خواہش تو تھی مگر سیاستدانوں کے اختلاف کی موجودگی میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ سیاستدان وقت کی آواز پر متحد ہو جائیں گے حکومت حزب اختلاف کے سیاستدانوں میں مزید انتشار کی خواہش رکھتی تھی ان کی سیاسی لڑائیوں کو دیکھتے ہوئے اسے بھی امید نہ تھی کہ وہ اتنی جلد سب جھگڑے بھول جائیں گے۔

11 جنوری کو مسلم لیگ ہاؤس میں نو تشکیل شدہ اتحاد کے راہنماؤں کا اجلاس تھا اجلاس شروع ہونے سے پہلے ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں مجھے ایک طرف لے گئے "اب تو کھل کر لکھو۔" آپ کھل کر میدان میں آئیں ہم جو کچھ دیکھیں گے قوم کو بتادیں گے۔" ان کے سیکرٹری مسٹر ضیائی بھی وہاں تھے میں نے پوچھا اتحاد تو ہو گیا سیٹوں کا جھگڑا ابھی ختم نہیں ہوا؟ اس نے جواب دیا "بالکل ختم ہو گیا ہے تحریک استقلال اور جمعیت علمائے اسلام کو قومی اسمبلی کی چھتیس سیٹیں ملیں گی باقی اتحاد میں شامل جماعتیں آپس میں تقسیم کرلیں گی" پھر سوچ کر کہا "اتحاد کے قیام کے لئے ائیر مارشل صاحب نے بہت قربانی دی ہے ورنہ رات بات چیت ناکام ہو گئی تھی متحدہ جمہوری محاذ میں شامل جماعتوں میں سب سے اچھا رویہ جماعت

اسلامی کا تھا میاں طفیل محمد نے تو کہہ دیا تھا کہ ہم ایک سیٹ بھی نہیں لیتے پروفیسر غفور کی سیٹ بھی نہیں مانگتے تم سب آپس میں بانٹ لو ورنہ باقی توڑتے ہوئے تھے اگر جماعت بھی سخت رویہ اختیار کرتی تو اتحاد قائم نہیں ہو سکتا تھا"

میں سیٹوں کی تقسیم کے جمہوری محاذ کے راہنماؤں کے رویہ سے واقف تھا اس وجہ سے میں جاننا چاہتا تھا کہ سنگین مسئلہ کیسے حل ہو گیا دس جنوری کو متحدہ جمہوری اتحاد کے سربراہوں کے اجلاس میں بھی اس بارے میں کافی تلخی ہو چکی تھی محاذ میں شامل سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کی لمبی لمبی تقاریر میں اتحاد کی ضرورت پر زور دیا جا رہا تھا اور اختلافی پہلو بھی آگے لائے جا رہے تھے ایسے اختلافات کو اہمیت دینے والوں میں نواب زادہ نصر اللہ خان سب سے آگے تھے اور ملک محمد قاسم ان کے پیچھے ان کی باتوں سے بعض شرکاء نے یہ تاثر بھی لیا کہ وہ اتحاد نہیں چاہتے لیکن سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کے دباؤ کی وجہ سے کوئی کھل کر ایسی بات کر بھی نہیں سکتا تھا تقاریر کے دور کے خاتمہ پر میاں طفیل محمد نے کہا کہ اب ان باتوں پر بھی غور کر لو جو اتحاد میں رکاوٹ بن سکتی ہیں یا جن کی وجہ سے آگے چل کر مشکلات پیش آ سکتی ہیں ایسی باتوں پر غور کرتے ہوئے سیٹوں کی تقسیم تک پہنچے تو نواب زادہ نصر اللہ خان نے تجویز پیش کی کہ پہلے متحدہ جمہوری محاذ کی جماعتیں آپس میں سیٹیں تقسیم کر لیں میاں طفیل نے کہا کہ تحریک اور جمعیت سے بات چیت کرنے سے پہلے سیٹوں کی تقسیم مناسب نہیں ہو گی نوابزادہ نے کہا ہم قومی اسمبلی کی تئیس سیٹیں ان کے لئے چھوڑ کر باقی پہلے آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں میاں طفیل محمد نے جواب دیا کہ آپ ان سے اتحاد کرنے جا رہے ہیں سودا کرنے نہیں ان سے بات چیت سے پہلے ایسا کرنا ممکن نہیں ہو گا ملک قاسم نواب صاحب کے موقف کی حمایت کرتے رہے انہوں نے میاں طفیل محمد سے کہا "تم نے ان کے ساتھ کیا سودا طے کیا ہے؟" میاں طفیل محمد نے غصہ میں آنے کی بجائے نرمی سے جواب دیا "جو کچھ طے ہو گا آپ سب کی موجودگی میں ہو گا" مولانا مفتی محمود اس تمام بحث کے دوران خاموش رہے کافی جھگڑے کے بعد متحدہ جمہوری محاذ نے میاں طفیل محمد کے اس موقف کو تسلیم کر لیا کہ سیٹوں کی تقسیم تحرک استقلال اور جمعیت علمائے پاکستان سے مذاکرات اور اتحاد کے فارمولا کے بعد کی جائے۔

رات کو رفیق احمد باجوہ کی رہائش گاہ پر اتحاد کے مذاکرات شروع ہوئے تو سیٹوں کے مسئلہ پر ریٹائرڈ ائیر مارشل اصغر خاں نے قومی اسمبلی 116 سیٹوں کے لئے اپنے امیدواروں کی پہلے سے تیار کردہ فہرست پیش کردی اور کہا کہ ہم نے تو اس طرح آپس میں سیٹیں تقسیم کی ہیں نواب زادہ نصراللہ خاں اس پر غصہ میں آ گئے متحدہ جمہوری محاذ کی دیگر جماعتوں کے راہنماؤں نے بھی سیٹوں کی تقسیم پر سخت رویہ اختیار کیا یہ سختی اتنی بڑھی کہ مشترکہ اتحاد کے قیام کی کوششیں ناکام ہوتے دکھائی دینے لگیں میاں طفیل محمد اتحاد کے سربراہی مذاکرات کے کمرہ سے باہر آئے پروفیسر غفور کو جو باہر بیٹھے تھے ایک طرف لے گئے انہیں اندر کی صورتحال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اندر تعطل پیدا ہو گیا ہے پروفیسر غفور نے انہیں بتایا کہ ایک دفعہ ائیر مارشل اصغر خاں نے ان سے جمعیت اور تحریک کے لئے چھتیس سیٹوں پر اتفاق کیا تھا آپ ان سے اس بارے میں بات کریں "اچھا میں بات کرتا ہوں آپ گاڑی منگوا لیں وہ نہ مانے تو ہم چلتے ہیں یہ لڑائی لڑ لیں" اندر جا کر میاں طفیل محمد نے تحریک اور جمعیت کو قومی اسمبلی کی 116 سیٹوں میں سے چھتیس سیٹیں دینے کی پیشکش کردی۔ ائیر مارشل اصغر خاں نے کہا کہ یہ بات تو بہت پہلے ہوئی تھی اب ہم اتنی سیٹیں نہیں مان سکتے میاں طفیل محمد نے اپنی فائل اٹھائی اور چل دیئے اصغر خاں نے آگے بڑھ کر انہیں بازو سے پکڑ لیا اور کہا کہ ہمیں آپ کی تجویز قبول ہے اس طرح فریقین تحریک اور جمعیت کے لئے قومی اسمبلی کی چھتیس سیٹوں پر انتخابی اتحاد کرنے میں کامیاب ہو گئے لیکن متحدہ جمہوری محاذ کو 64 فیصد سیٹیں آپس میں تقسیم کرنے کی آزمائش ابھی درپیش تھی پریس ٹرسٹ کے ایک اخبار نے اس روز خبر شائع کی تھی کہ جماعت اسلامی نے قومی اسمبلی کی سیٹوں کے لئے اپنے امیدواروں کی دو فہرستیں تیار کی ہیں ایک وہ جو اتحاد کو پیش کی جائے گی دوسری وہ جو اپنے امیدواوں کو دینے کے لئے یہ جانتے ہوئے بھی کہ پریس ٹرسٹ کے اخبارات اور حکومت اس اتحاد کو ناممکن بنانے اور باہمی اختلافات کو ہوا دینے کے لئے کیا کچھ کر رہی ہیں نواب صاحب نے طنزیہ طور پر کہا کہ ہاں جی کچھ لوگ ہمیں اپنے امیدواروں کی اور فہرست دیتے ہیں اور اپنی تیاریوں کے لئے دوسری فہرست تیار کرتے ہیں"

کچھ لوگ نواب صاحب کے اس رویہ کو ائیر مارشل اصغر خاں سے اپنی پرانی رقابت کی

وجہ قرار دیتے رہے کچھ اس رقابت کو بڑھا کر اس سے فائدہ اٹھانے کی منصوبہ بندی کرتے رہے لیکن اتحاد میں شامل جماعتوں کے راہنماؤں نے تمام باہمی تنازعات نہایت کامیابی سے طے کر لئے اور حزب اختلاف کی سیاسی جماعتوں کے کارکنوں کا اپنے رہنماؤں پر شدید دباؤ کام کر گیا۔

اس پس منظر کی روشنی میں دیکھا جائے تو مسٹر ضیائی کی طرف سے ائیر مارشل اصغر خاں کی قربانی اور جماعت اسلامی کے رویہ کی تعریف کوئی بے جا بھی نہیں تھی۔

اتحاد کو ناکام بنانے کی حکومت کی سازشیں تو ناکام ہو گئیں مگر اس نے پھر بھی ہمت نہیں ہاری اس اتحاد کی بنیادی وجہ ذوالفقار علی بھٹو کا طرز حکومت تھا اس کے ظلم اور زیادتیوں سے سیاسی کارکن اور سیاسی سوچ رکھنے والے اپنے قائدین پر بے پناہ دباؤ ڈال رہے تھے اس لئے اس اتحاد کو پیپلز پارٹی کے خلاف دیگر جماعتوں کے انتخابی اتحاد کی بجائے بھٹو کے خلاف عوام کا اتحاد بھی کہا جا سکتا ہے۔

19

جمی کارٹر کا حکم

وزیراعظم نے سات جنوری کو اسمبلیاں برخاست کرنے اور انتخابات کا اعلان کیا حزب اختلاف والے اس سے بھی پہلے اس کے دھاندلی کے پروگرام سے پریشان تھے 4 جنوری کو حنیف رامے کی سپیشل ٹربیونل میں پیشی تھی میں بھی کارروائی سننے وہاں موجود تھا آنے لگا تو ابراہیم نے کہا کہ اباجی کچھ بات کرنا چاہتے ہیں سرکاری وکلاء اور پولیس والوں نے رواداری کا ثبوت دیا ہم ایک طرف ہٹ کر کچھ بات کرنے لگے رامے صاحب نے پوچھا "سنا ہے انتخابات ہونے والے ہیں؟" ہم نے تو یہ بھی سنا ہے کہ وزیراعظم کا دورہ امریکہ بھی اسی سلسلہ میں تھا جمی کارٹر نے کہا ہے کہ امداد لینا ہے تو نیا مینڈیٹ لے کر آؤ بھٹو اس سے کافی پریشان بھی ہے۔" میں نے جواب دیا رامے صاحب نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے بتایا کہ اس دورہ کی ایک اور وجہ بھی تھی روسی سفارتخانہ میں ایک تقریب میں وزیراعظم نے شہنشاہ ایران کو گالی دی تھی اور روسی سفیر سے کہا تھا کہ آپ ہمیں اس سے نجات دلائیں یہ واقعہ ایران تک پہنچ گیا جس پر جواب طلبی بھی ہوئی تھی رامے کا کہنا تھا کہ حزب اختلاف کی پارٹیاں متحد ہو گئیں تو بھٹو انتخابات نہیں کرائے گا پروگرام بنا کر بھی ملتوی کردے گا کیونکہ اسے اپنی شکست صاف نظر آ رہی ہے۔ رامے صاحب کا کہنا تھا کہ بھٹو انتخابات میں دھاندلی کرائے گا میں نے کہا حزب اختلاف کو یہ کہنے کی بجائے کہ حکومت انتخابات میں دھاندلی کرے گی یہ لائن اختیار کرنا چاہئے کہ ہم کسی قسم کی دھاندلی نہیں ہونے دیں گے اس سے

ووٹروں میں حوصلہ پیدا ہو گا اور وہ پہلے سے ہی دھاندلی کے خوف سے پریشان نہیں ہو جائیں گے حکومت نے اگر دھاندلی کرنا ہے تو وہ آپ کے یہ کہنے کے باوجود کرے گی کہ حکومت دھاندلی کرے گی۔ حزب اختلاف کی طرف سے تکرار کے ساتھ یہ کہنے سے اسے ہی نقصان ہو گا۔

ملک میں انتخابی مہم زوروں پر تھی ایک روز میں لاری اڈہ سے آ رہا تھا تانگہ لوئر مال پر آیا تو سامنے سے آنے والے تانگہ پر چند سکھ بیٹھے تھے ایک سواری نے کہا آج لاہور میں سکھ بہت پھر رہے ہیں۔ ""ووٹ ڈالنے آئے ہیں" دوسری سواری نے کہا "اب بھٹو کو سکھ ہی ووٹ دیں گے مسلمان تو کوئی نہیں دیتا۔ "نوجوان کوچوان نے پنجابی میں کہا "ہمارا ملک توڑ کر اب ہم سے ووٹ چاہتا ہے؟ "پچھلی سیٹ پر بیٹھے ایک بوڑھے نے کہا "آج نکالا تھا پیپلزپارٹی نے جلوس آٹھ سال کی عمر کے لڑکے گندگی اٹھانے والی ٹرالیوں میں بھر لائے تھے اب یہ نہیں رہتا خدا جب کسی کو لے جانا چاہتا ہے تو ہوا خود بخود بدل جایا کرتی ہے اب بھٹو کی ہوا نکل چکی ہے ایوب خاں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا" دوسرے بزرگ نے کہا۔

میں نے اپنی ڈائری میں اس پنجابی گفتگو کا اردو میں ٹھیک ٹھیک ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے مگر پھر بھی اس میں اس بے ساختہ مکالمہ کا زور پیدا نہیں ہو سکا اس مکالمہ کا یہاں ذکر صرف عوامی رویہ اور سوچ کی ہلکی سی تصویر پیش کرنا ہے میری ڈائری میں اس مکالمہ کا عنوان "ہوا کا رخ" ہے 28 جنوری کو میں نے ڈائری لکھی تو عنوان تھا "پیپلزپارٹی الوداع" اس روز پاکستان قومی اتحاد نے لاہور میں پہلا جلوس نکالا تھا جلوس مسجد شہداء کے قریب تھا ہم چند اخبار نویس جلوس سے ذرا فاصلہ پر کھڑے باتیں کر رہے تھے ہم میں ٹیلی ویژن کے ایک پروڈیوسر بھی تھے جو پیپلزپارٹی کے بانی کارکنوں میں سے تھے اور اسی قومی خدمت کی وجہ سے اس مقام تک پہنچے تھے وہاں پر کھڑے اور لوگوں نے ہماری باتوں سے اندازہ لگالیا کہ ہم ذرائع ابلاغ سے تعلق رکھتے ہیں ایک نوجوان نے کہا "اب اچھی طرح دیکھ لو جلوس میں کتنے لوگ ہیں دفتر جا کر تم لکھ گے کہ جلوس ناکام ہو گیا" دوسرے نے کہا "ان اخبار والوں کو پریس کلب چاہئے جہاں یہ آرام سے جوا کھیل سکیں شراب پی سکیں انہیں اور کسی بات سے کیا غرض" پھر وہ پیپلزپارٹی کو گالیاں دینے لگا کہ اس نے ملک تباہ کر دیا ہے سب کچھ لوٹ کر لے گئے چند

ٹکے کے آدمی آج لاکھوں میں کھیل رہے ہیں" پیپلزپارٹی کے پرانے کارکن نے بتایا کہ بیڈن روڈ سے گزرتے وقت مکانوں کی چھتوں پر سے لوگ جلوس پر پھول برسا رہے تھے اس نے اپنے لاہور میں پہلے جلوس (ایوب کے دور میں) کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس کے مقابلہ میں یہ جلوس بہت بڑا ہے خوف و ہراس کی فضا میں وہی جلوس میں آتا ہے جو پولیس اور پیپلزپارٹی والوں سے لڑنے مرنے پر تیار ہو کر آئے ایسے تو ایک ہزار آدمی بھی بہت ہوتے ہیں۔"

پریس کلب، جواء اور شراب کا ذکر شائد اس آدمی نے اس لئے کیا کہ اس سے صرف چھتیس روز پہلے لاہور میں پریس کلب کے اس وقت کے صدر اور ضیاء الحق کے دور کے ان کے دوست ضیاء الاسلام انصاری نے وزیراعظم کے اعزاز میں ایک بہت بڑا جلسہ کر کے پریس کلب کا نام لاہور پریس کلب سے بدل کر بھٹو پریس سنٹر رکھنے کا اعلان کیا تھا اور وزیراعظم نے اس نیکی کے لئے آٹھ لاکھ کا سرکاری عطیہ دینے کا اعلان فرمایا تھا۔

7 فروری کو لاہور میں پروفیسر غفور احمد نے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے الیکشن کمیشن کے لئے مزید اختیارات کا مطالبہ کیا تاکہ وہ آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرا سکے ان مطالبات میں سیاسی اسیروں کو پیرول پر رہا کرنا عوامی نمائندگی کے قانون میں ترمیم کرنا سرکاری ذرائع ابلاغ کو غیر جانبدار رہنے کی ہدایت کرنا انتخابی عملہ عدلیہ سے لینے انتخابات میں بدعنوانیوں کا ارتکاب کرنے والون کو موقعہ پر سزا دینے کے اختیارات شامل تھے اس سے پہلے انہوں نے ان مطالبات پر مشتمل وزیراعظم کو ایک خط بھی لکھا تھا۔

پروفیسر غفور احمد نے یہ خط اور پریس کانفرنس چیف الیکشن کمشنر کی خفیہ ہدایت پر کی تھی وہ آزادانہ انتخابات کے لئے ایسے اختیارات حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے' چیف الیکشن کمشنر نے ہی کہا تھا کہ آپ پہلے وزیراعظم کو یہ خط لکھیں اور پھر انہیں مطالبات کے لئے پریس کانفرنس کریں وزیراعظم نے نہ یہ مطالبات ماننا تھے نہ مانے۔

28 جنوری اور پانچ مارچ کے درمیان کے 36 دنوں میں انتخابی ٹمپو اور جوش و خروش جس مقام تک پہنچ گیا تھا آج اس کا بیان بھی ممکن نہیں لوگوں کے دلوں سے پولیس اور پیپلز گارڈز کا خوف ہوا ہو چکا تھا وہ نہ صرف زبان سے یہ اعلان کرتے تھے کہ دھاندلی نہیں ہونے دیں گے بلکہ دل سے اس پر یقین بھی رکھتے تھے پاکستان پیپلزپارٹی کے عام کارکن سے قائد

عوام تک کو یقین ہو چکا تھا کہ ہوا الٹی چل گئی ہے اور لوگوں کی سوچ کے سامنے تشدد اور پروپیگنڈہ کے بند ٹھہر نہیں سکیں گے حکمران پارٹی کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل ناصر رضوی لاہور کے ایک اخبار کے ایڈیٹر کے پاس آئے اور انہیں کہا کہ وہ جماعت اسلامی سے ان کا سودا کرا دیں جماعت اسلامی ناصر رضوی کے مقابلہ میں اپنا آدمی کھڑا نہ کرے اس کے صلہ میں پیپلز پارٹی شیخ رشید کو ہروا دے گی اور جماعت کے چوہدری رحمت الٰہی کو جتوا دیا جائے گا اسی طرح جماعت کو یہ بھی پیش کش کی گئی کہ اگر مولانا جان محمد عباسی الیکشن کمیشن سے اپنی درخواست واپس لے لیں جس میں اغوا اور کاغذات نامزدگی داخل کرنے سے روکنے کے بارے میں لکھا تھا اور کاغذات نامزدی داخل کرنے کی اجازت مانگی تھی تو حکومت مولانا جان محمد عباسی کو سکھر سے بلا مقابلہ کامیاب کرا دے گی جماعت کے رہنماؤں نے دونوں پیشکشیں مولانا مودودی کو پیش کر دیں انہوں نے یہ کہہ کر رد کر دیں کہ ہم ہار جائیں گے مگر مقابلہ ضرور کریں گے ہم انتخابات میں سودے بازی نہیں کر سکتے۔

یہ دلچسپ حقیقت جماعت اسلامی کی شوریٰ کے ارکان کے علاوہ شائد کسی کو معلوم نہ ہو کہ شوریٰ نے لاڑکانہ کی اس سیٹ پر اپنا امیدوار کھڑا نہ کرنے کا فیصلہ کیا تھا حکمران پارٹی کے ہاتھوں جان و مال کے خطرات کا اندازہ کرتے ہوئے شوریٰ نے ہدایت کی تھی کہ مولانا جان محمد عباسی کو اس آزمائش میں نہ ڈالا جائے لیکن جب پاکستان قومی اتحاد میں بھٹو کو بلا مقابلہ کامیاب نہ ہونے دینے کا فیصلہ کیا گیا تو اتحاد کی کوئی اور جماعت بھی اپنا امیدوار کھڑا کرنے پر تیار نہ تھی، ۱۹۷۰ء کے انتخاب میں اس حلقہ سے مسلم لیگ کا امیدوار دوسرے نمبر پر رہا تھا اس لئے مسلم لیگ سے کہا گیا کہ بھٹو کا مقابلہ وہ کرے مگر اس نے معذرت کر لی جب کوئی تیار نہ ہوا تو جمعیت علمائے پاکستان نے کہا کہ ان کا ایک آدمی وہاں ہے اسے کھڑا کر دیتے ہیں جب پوچھا گیا کہ کیسا آدمی ہے تو انہوں نے کہا کہ آدمی تو "پاگل" ہی ہے اس پر میاں طفیل محمد نے کہا کہ اگر وہ "پاگل" ہی ہے تو اس کا کیا بھروسہ کہ وہ کاغذات واپس نہیں لے لے گا بھٹو کو بلا مقابلہ نہیں کامیاب ہونا چاہئے اور اس کے مقابلہ میں ٹھیک ٹھاک امیدوار کھڑا کرنا چاہئے جب اور کوئی ٹھیک ٹھاک آدمی نہ ملا تو انہوں نے شوریٰ کی ہدایت کے برخلاف مولانا جان محمد عباسی کو اس آزمائش میں ڈال دیا تھا۔

بائیں بازو کے مشہور اخبار نویس حسین نقی نے جس کے بارے میں مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ حکومت کی سروے کمیٹی کا رکن ہے ایک روز مجھ سے پوچھا "دیہات کے لوگ ووٹ کسے دیں گے؟" میں نے کہا تم یہ بتاؤ بھٹو انتخابات کیوں کروا رہا ہے جب کہ اسے معلوم ہے کہ وہ ہار جائے گا اس نے تھوڑی دیر سوچ کر جواب دیا "تمام ایجنسیوں نے بھی اسے بتایا تھا کہ لوگ تمہارے ساتھ نہیں وہ اس وقت انتخابات کرانا بھی نہیں چاہتا تھا مگر بڑے حکمرانوں نے اندرا گاندھی اور بھٹو دونوں سے کہا کہ نئے سرے سے مینڈیٹ لے کر آؤ اس لئے دونوں مجبور ہیں جمی کارٹر نے یہ کہا ہے کہ ہمارے پانچ دوست ممالک میں Immoral حکومتیں ہیں ان میں چلی بھارت اور پاکستان کا نام شامل ہے" پھر وہ مجھے ایک طرف لے گئے "میں تمہیں ایک خبر بتاتا ہوں مگر کسی کو بتانا نہیں کہ میں نے تجھے بتائی ہے جس روز بھٹو لاہور آیا تھا اسی روز فارلینڈ بھی دہلی سے لاہور آیا تھا اس کا طیارہ ہوائی اڈے پر دور کھڑا تھا میں نے دیکھا تو شبہ ہوا کہ عام حالات میں تو کوئی طیارہ وہاں کھڑا نہیں ہوتا متعلقہ آدمیوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ فارلینڈ ہے۔"

اس طرح جان محمد عباسی کو اس آزمائش میں میاں طفیل محمد نے اور ذوالفقار علی بھٹو کو جمی کارٹر نے ڈالا تھا' حالانکہ دونوں ہوا کے رخ سے اچھی طرح آگاہ تھے۔

20

آخری جلوس

6 سال اور 5 روز بعد قائد عوام ایک بار پھر مینار پاکستان کے سامنے کھڑے تھے 28 فروری 1971ء کی سہ پہر مینار پاکستان کے زیر سایہ سٹیج پر ان کے ساتھ میاں محمود علی قصوری اور مصطفیٰ کھر تشریف رکھتے تھے 5 مارچ 1977ء کے آخری لمحوں میں مینار پاکستان اور شاہی مسجد کے درمیان سے گزرنے والی سڑک پر کھڑے ٹرک پر ان کے پہلوؤں میں نواب صادق قریشی اور خالد ملک تشریف فرما تھے 6 سال پہلے انہوں نے قومی اسمبلی کے اجلاس میں شرکت کرنے والوں کی ٹانگیں توڑ دینے کی دھمکی دے کر کہا تھا "شاہی مسجد کے ان میناروں کی قسم میں پاکستان نہیں ٹوٹنے دوں گا" 6 سال بعد جب وہ ایک بار پھر شاہی مسجد کے میناروں کے زیر سایہ کھڑے تھے تو پاکستان ٹوٹے ہوئے 5 سال ساڑھے تین ماہ ہو چکے تھے 6 سال پہلے ان کے جلسہ میں پاکستان پیپلز پارٹی کے جیالے کارکنوں کا ہجوم تھا 6 سال بعد نصف رات گئے جب وہ شاہی مسجد کے میناروں کا ذکر کئے بغیر ٹرک پر کھڑے اپنی گذشتہ 6 سال کی خدمات کا ذکر کر رہے تھے تو سڑک پر ایف ایس ایف، پولیس، اخبار نویسوں اور ریڈیو ٹیلی ویژن کے نمائندوں کے علاوہ شائد ہی کوئی جیالا کارکن ہو گا۔

اس روز وہ انتخابی مہم ختم کرنے لاہور آئے تھے صبح جب گورنر ہاؤس سے ان کا جلوس شروع ہوا تو اس کے ساتھ وزراء سابق ارکان امیدواران اسمبلی اور ان کے جمع کردہ جیالوں کا جلوس تھا بھٹو گولیاں کھا کھا کر اور گالیاں دے دے کر تیرہ گھنٹے میں اس مقام تک پہنچے تو

مختلف قسم کے قائدین مختلف مقامات پر الگ ہو چکے تھے ہم پھر بھی ان کے ساتھ تھے ہمارے اور ان کے ٹرک کے درمیان کوئی اور گاڑی یا سواری نہیں تھی ٹیلی ویژن کے کیمرے اور عملہ چونکہ ہمارے ٹرک پر تھا اس لئے ہم ان کے آگے چل رہے تھے اس طویل سفر میں انہیں گولیاں لیتے اور گالیاں دیتے سب سے بہتر طور پر دیکھ اور سن سکتے تھے اخباری ضروریات اور مصروفیات کی بدولت میں نے ان چھ سات سالوں کے دوران بھٹو کو بہت قریب اور بہت تفصیل سے دیکھا تھا لیکن اس سفر میں ان کی شخصیت اور سیاست کے نئے پہلو دیکھنے کو ملے وزیر اعظم پاکستان کا جلوس مال سے لوئر مال پر مڑ رہا تھا تو سیکرٹریٹ کی جانب سے قومی اتحاد کا جلوس آ رہا تھا پولیس نے قومی اتحاد کے جلوس کو راستہ تبدیل کر لینے کا مشورہ دیا جلوس کے قائدین نے راستہ تبدیل کر لیا لیکن اس کا ایک حصہ ابھی تک لوئر مال پر سیکرٹریٹ کی طرف موجود تھا دونوں جلوسوں کے درمیان پولیس کی دیوار حائل تھی وزیر اعظم کا ٹرک ان کے قریب پہنچا تو قومی اتحاد کے کارکنوں نے پاؤں سے جوتے نکال کر انہیں دکھائے ذوالفقار علی بھٹو نے بابلند آواز میں کہا ہاں میں جانتا ہوں جوتے مہنگے ہو گئے ہیں ان کا جلوس نہایت نظم و ضبط سے آگے بڑھتا رہا وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو تھوڑا چل کر تھوڑا تھوڑا خطاب فرماتے آ رہے تھے بھاٹی گیٹ کے سامنے کھلے چوک میں انہوں نے کافی تفصیل سے خطاب فرمایا پھر اچانک رک گئے اپنے اردگرد پھیلے عوام اور مکانوں کی چھتوں پر کھڑے خواتین و حضرات کو دیکھا اور کہا "اندھیرا ہو رہا ہے مکانوں پر میری مائیں بہنیں بھی موجود ہیں لیکن ہمارے بھی جذبات ہیں یہ اتحاد والے میرے ساتھیوں کو گالیاں دیتے ہیں میں انہیں بتا دینا چاہتا ہوں کہ آئندہ جو میرے ساتھیوں کو گالی دے گا اتنا کہہ کر وہ پھر رک گئے جھک کر اپنے دونوں طرف بیٹھے اپنے ساتھیوں کے منہ سے باری باری اپنا کان لگایا اور پھر مائیک منہ سے لگا کر بلند آواز میں پنجابی میں کہا اوہدی ماں دی ...... اوہدی ماں دا ...... اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر اعظم اور اسلامی سربراہی کانفرنس کے چیئرمین کے منہ سے یہ سنتے ہی پارٹی کے کارکنوں نے ناچنا اور راہنماؤں نے تالیاں پیٹنا شروع کر دیا اردگرد کے مکانوں کی چھتوں پر موجود ان کی ماؤں اور بہنوں نے شرم سے منہ ڈھانپ لئے۔

سرکلر روڈ سے چیونٹی کی چال چلتا ہوا جلوس دہلی دروازے سے آگے کوتوالی کے سامنے رکا

تو وہاں پر بھی قائد عوام نے ذرا تفصیلی خطاب فرمایا سرچ لائٹوں کی چکاچوند روشنی میں انہوں نے پاکستان قومی اتحاد میں شامل تحریکِ استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئرمارشل اصغر خاں کو بزبان انگریزی گالیاں دیں اور پھر مینار پاکستان اور شاہی مسجد کے میناروں کو گواہ بنا کر پروفیسر غفور احمد اور پروفیسر شاہ فرید الحق کے نام بگاڑ کر بزبان اردو "غفوراں" اور "فریدہ" کو گالیوں سے نواز اور فرمایا کہ یہ کہاں کی پروفیسر ہیں؟ ٹیوشن پڑھاتی پڑھاتی پروفیسر بن گئی ہیں اس سے پہلے ساہیوال کے سٹیڈیم میں پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں مولانا مودودی سے مفتی محمود اور مولانا شاہ احمد نورانی تک کے نام بگاڑتے اور ان کا تمسخر اڑاتے میں انہیں دیکھ چکا تھا وہ ان سب کے نام کا آخری حصہ لمبا کر کے پکارتے اور فرماتے کہ ان سب کی "ایں" نکلتی ہے پریس ٹرسٹ کے اخبارات کے رپورٹروں کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ وزیراعظم کے ان ارشادات عالیہ کو اصل صورت میں عوام تک کیسے پہنچائیں لاہور بلکہ پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی 5 مارچ والی آخری Public Appearance تھی رات کے اندھیرے میں ایف ایس ایف کے ارکان، اخبار نویسوں، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے نمائندوں اور بادشاہی مسجد کے میناروں کو جب وہ آخری خطاب سے نواز کر فارغ ہوئے تو انتخابی مہم بند کرنے کے قانونی عرصہ کے چند لمحے باقی تھے ہم جلسہ کے خاتمہ پر واپس آ رہے تھے تو پاکستان پریس انٹرنیشنل کے لاہور بیورو کے اس وقت کے چیف حسین نقی ہم سے آ ملے تھے پاکستان قومی اتحاد کا جلوس اپنی آنکھوں اور کانوں کی مدد سے خود دیکھ کر وہ وزیراعظم کا جلسہ دیکھنے آئے تھے انہوں نے مجھ سے پوچھا "دونوں جلسے اور لوگوں کو جوش و خروش دیکھنے کے بعد آپ ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟" میں نے کہا "دونوں جلوس تو آپ نے دیکھے ہیں میں تو دن بھر ایک ہی جلوس کے ساتھ رہا ہوں" انہوں نے کہا "جلوس یہ بڑا تھا جوش ادھر زیادہ تھا" میں نے پوچھا جلوس کتنا بڑا ہو گا؟ انہوں نے جواب دیا "بس انیس بیس کہہ لیں" پھر ہم انتخابی مہم اور ملک بھر سے پوری انتخابی مہم سے دونوں فریقوں کی سیٹوں کا جائزہ لینے لگے تو حسین نقی نے "انیس بیس" کی ہی پیشین گوئی کی مجھے اس "انیس بیس" سے بھی اتفاق تھا۔

انیس بیس کے امکانات کے اس مقام تک پہنچنے کے لئے دونوں فریقوں نے دس جنوری سے 4 اپریل تک نہایت محنت سے کام کیا تھا حکمران پارٹی ڈیڑھ سال پہلے سے انتخابی تیاریاں

کر رہی تھی سرکاری وسائل کے علاوہ پیپلز پارٹی اس مہم کے لئے غیر سرکاری سطح پر بھی سرمایہ جمع کرتی رہی تھی مسٹر ذوالفقار علی بھٹو If I am assassinated میں لکھتے ہیں "ہر کاغذ جو مجھ تک پہنچتا تھا میرے سیکرٹری کے ذریعے پہنچتا تھا ہر وہ کاغذ جو میری میز سے باہر کسی اور تک جاتا تھا وہ بھی میرے سیکرٹری کے ذریعے ہی باہر جاتا تھا۔ میرے سیکرٹری مسٹر افضل سعید نے میری طرف سے ایک غیر ملکی حکومت کے سربراہ سے انتخابات کے لئے اچھی خاصی رقم وصول کی تھی وہ چیکوں پر دستخط کرتا تھا میں جہاں بھی کہیں جاتا وہ لازمی طور پر میرے ساتھ ہوتا تھا" انتخابی مہم کے راہنما اصول بہت پہلے سے تیار کر لئے گئے تھے کن کن موضوعات کو انتخابی مہم میں اٹھانا ہے کیا کیا خدمات گنوانا ہیں اور کس کس چیز سے بچنا ہے یہ سب کچھ اسمبلیاں برخاست کرنے سے پہلے طے ہو چکا تھا لیکن حزب اختلاف کی جماعتیں نہ صرف انتخابات کے لئے تیار نہیں تھیں بلکہ بعض کو تو وزیراعظم کے سات جنوری کے اسمبلی میں اعلان سے معلوم ہوا تھا کہ انہیں انتخابات لڑنا پڑ گئے ہیں اس کے باوجود انہوں نے وقت کی نزاکت اور جمہوری عمل کی بحالی میں انتخابات کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے بہت جلد انتخابی اتحاد پاکستان قومی اتحاد قائم کر لیا اس اتحاد کے قیام کے بارے میں وزیراعظم اور ان کی پارٹی نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اسی لئے جب پاکستان قومی اتحاد بن گیا تو حکمران پارٹی اور بھی زیادہ پریشان ہو گئی اس نے اتحاد میں رخنہ ڈالنے اور اس میں شامل جماعتوں کے بارے میں قسم قسم کی افواہ بازی شروع کر دی۔

لاہور میں ایک خصوصی شعبہ قائم کیا گیا تھا جس کے ذمہ حزب اختلاف کے راہنماؤں ان کے اجداد اور احباب کے بارے میں ایسا مواد جمع کرنا تھا جو انتخابات کے دوران استعمال کیا جا سکے سرکاری خرچ پر اس شعبہ نے لندن کی آل انڈیا لائبریری تک چھان ماری اس کی تحقیق پارٹی کے اخبار اور ذرائع ابلاغ کو فراہم کی جاتی تھی اس بنیاد پر پیر صاحب پگاڑہ کے خاندان کی قربانیوں کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کے لئے پراپیگنڈہ مواد شائع بھی کیا گیا 1988ء میں ایک روز ایک آدمی ایک دوست کی چٹ لے کر آیا اسے میری ایک کتاب چاہیئے تھی ڈیڑھ دو ماہ بعد پھر ایک اور کتاب لینے آیا اور کہا کہ آپ کو بہت پہلے سے جانتا ہوں پھر اس نے بتایا کہ وہ وفاقی وزارت داخلہ کے زیر انتظام قائم اسی شعبہ میں ایڈیٹر تھا

وزارت داخلہ نے جن جن سیاستدانوں اور افراد کی انہیں فہرست دی تھی ان کے بارے میں مختلف ایجنسیاں مختلف قسم کی معلومات جمع کرتی تھیں خاندانی پس منظر جائیداد کی تفصیل عادات' کردار وغیرہ ان ایجنسیوں کو ہر جگہ سے یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے خصوصی کارڈ جاری کئے گئے یہ ساری معلومات اس کے پاس آتی تھیں اور وہ انہیں ایڈٹ کر کے کمپوٹر میں فیڈ کرنے بھیج دیتا تھا اس نے بتایا کہ میاں سعد اللہ کے زیر راہنمائی کام کرنے والے اس شعبہ کے کارکنوں کی بھی سخت نگرانی کی جاتی تھی انہیں چھٹی ملتی تھی نہ نوکری چھوڑنے کی اجازت تھی مارشل لاء کا فائدہ اٹھا کر وہ سعودی عرب بھاگ گیا تھا اور اب واپس آیا ہے اور اس وقت سے مجھے جانتا ہے اس نے بتایا کہ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد وہ سارا ریکارڈ جنرل رحیم لے گیا تھا میں نے پوچھا آپ نے سب کا نامہ اعمال دیکھا کس کو بہتر پایا اس نے بتایا کہ جماعت اسلامی اور نیپ کے بیشتر راہنماؤں کا ذاتی کردار بہتر نکلا میاں سعد اللہ کو حکومت پنجاب سے ریٹارمنٹ کے بعد اس قومی خدمت پر لگایا گیا تھا اور حکومت نے ان کی اس خدمت سے خوش ہو کر انہیں بھی کافی خوش کر دیا تھا وزارت اطلاعات کی نگرانی میں پارٹی کی پبلسٹی کے لئے ایک اعلیٰ سطح کی کمیٹی قائم کی گئی جس میں بعض اخبارنویسوں کو بھاری معاوضہ پر شامل کیا گیا ایک اور کمیٹی کے ذمہ حزب اختلاف کے راہنماؤں کے مزاحیہ کارٹون اور پوسٹر تیار کرنے اور عوام میں پھیلانے کا کام لگایا گیا افواہیں اور لطیفے پھیلانے کے ساتھ ساتھ یہ لائن بھی دی گئی کہ حزب اختلاف کی جماعتون کو باہر سے امداد مل رہی ہے اس لائن پر پریس ٹرسٹ کے اخبارات میں بعض معروف کالم نگاروں نے کالم بھی لکھے کہ ڈالر کی قیمت گر گئی ہے اور پاکستانی روپیہ کی قیمت بڑھ گئی ہے حکومت کے فکری اور نشری سیل کے اس پراپیگنڈہ کا اثر بڑے بڑے اہم لوگوں پر نظر آنے لگا تھا پاکستان نیشنل سنٹر لاہور میں 15 جنوری کو جشن اقبال کے سلسلہ میں تقریب منعقد ہوئی لاہور ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس ذکی الدین پال صاحب صدارت کر رہے تھے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ صحافت کے سربراہ ڈاکٹر عبد السلام خورشید مقررین میں شامل تھے تقاریر کے خاتمہ پر نیشنل سنٹر کے ڈائریکٹر سید جوہر حسین ہمیں اپنے کمرہ میں چائے پلانے لے گئے چائے پر پال صاحب اور خورشید صاحب پاکستان قومی اتحاد کے قیام پر تبادلہ خیال کرنے لگے وہ کہتے تھے کہ اتحاد والے اگر کامیاب بھی ہو گئے تو وہ مستحکم

حکومت نہیں بنا سکیں گے اور ملک کو نقصان پہنچے گا ان سے دور اپنی میز کے پیچھے سید جوہر حسین بیٹھے خاموشی سے باتیں سن رہے تھے میں سگریٹ کی راکھ میز پر پڑی ایش ٹرے میں گرانے اٹھا تو وہ پیڈ میز کے نیچے چھپا کر اس گفتگو کے نوٹس لے رہے تھے مجھے حیرانی بھی ہوئی اور غصہ بھی آیا ہم تین چار ہی آدمی تھے جج صاحب اور ڈاکٹر صاحب نے اجازت لی تو میں رک گیا اور پروفیسر کرار حسین کے صاحبزادے کو جو میرا دوست تھا' دو چار سنا کر پوچھا کہ تم کیا کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے مخصوص انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "خاموش رہو یار یہ میں ڈیوٹی دے رہا تھا" بعد میں معلوم ہوا کہ ملک بھر میں بعض اہم افراد کے ذمہ جن میں اے پی پی اور پی پی آئی کے بیورو چیفس بھی شامل تھے' یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ باقاعدگی سے رائے عامہ اور لوگوں کی سوچ کے بارے میں انتخابی کمیٹی کو رپورٹیں بھیجیں۔ ذکی الدین پال اور ڈاکٹر عبدالسلام خورشید کو اب تک علم نہیں ہو گا کہ ان کی پرائیویٹ گفتگو کہاں پہنچی تھی۔ بھٹو حکومت کے خاتمہ پر مارشل لاء حکومت نے جو وائٹ پیپر شائع کئے ان میں حکومتوں کی طرف سے یہ ہدایت شامل تھی کہ لوگوں میں یہ تاثر پھیلایا جائے کہ یہ جو نو جماعتیں بھٹو کی مخالفت میں اکٹھی ہو گئی ہیں وہ جیت بھی گئیں تو زیادہ دیر اکٹھی نہیں رہ سکیں گی۔ اسی طرح ڈالر کی قیمت گرنے اور پاکستانی روپیہ کی قیمت بڑھ جانے کے بارے میں خبریں اور کالم شائع کرنے کی ہدایت بھی ان دستاویزات میں شامل ہے۔ کاغذات نامزدگی داخل کرنے سے پہلے اور بعد لوگ اپنے ہزاروں ساتھیوں سمیت قائد عوام کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے ان پر اعتماد کا اظہار کر کے پیپلز پارٹی میں شامل ہوتے رہے دوسرے مرحلہ میں کاغذات داخل کرانے والوں کو اظہار اعتماد کے بعد کاغذات واپس لینے پر مجبور کیا جاتا رہا۔ حد یہ کہ پیپلز پارٹی نے اپنے اتحادی وزیر داخلہ قیوم کی جماعت کے امیدواروں کو بھی نہیں چھوڑا۔ انہیں بھی عملی اعتماد کے باوجود اظہار اعتماد اور شمولیت پر مجبور کر دیا گیا جس وجہ سے قیوم خان بھی ان سے الگ ہو گئے۔ مسٹر بھٹو نے اس مرحلہ پر بھی "..... آکی رہے نہ کو" کی پالیسی ترک نہیں کی۔

وزیر اعظم کو بلا مقابلہ منتخب کرانے کے لئے پاکستان قومی اتحاد کے نامزد امیدوار جان محمد عباسی کو لاڑکانہ کی انتظامیہ نے کاغذات نامزدگی داخل نہ کرانے دیئے جب انہوں نے الیکشن

کمیشن کو باقاعدہ درخواست دی کہ انہیں اغواء کر کے حراست میں رکھا گیا تھا اور کاغذات نامزدگی داخل نہیں کرانے دیئے تھے تو "آزادانہ انتخابات کے اعلانات کے باوجود الیکشن کمیشن نے ان کی درخواست مسترد کردی۔ جب ان کے صوبائی وزرائے اعلیٰ نے دیکھا کہ قائد عوام کو خود بلا مقابلہ کامیاب ہو گئے ہیں تو وہ بھی بلا مقابلہ منتخب ہونے میں کامیاب ہو گئے۔"

حکومت اور اس کی ساری مشینری کی جملہ کوششوں کے باوجود پاکستان قومی اتحاد کے جلسے اور جلوس اتنے کامیاب جا رہے تھے وہ حکومت کے علاوہ خود قومی اتحاد کی اپنی توقعات سے بہت بڑھ چڑھ کر تھے۔ پاکستان پیپلزپارٹی کے منہ زور اقتدار اور غیر جمہوری طرز حکومت کے ستائے ہوئے لوگ خود میدان میں نکل آئے تھے۔ ملک کے اس حصہ میں اس وقت سب سے بڑے اور بااعتماد اخبار نوائے وقت کے رپورٹروں کو ہر قسم کے جلسوں اور جلسوں کے علاوہ حکومت اور حزب اختلاف کی سوچ اور منصوبہ بندی سے بھی آگاہ رہنا پڑتا تھا پاکستان قومی اتحاد کے جلسہ کے علاوہ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساہیوال سے گوجرانوالہ اور فیصل آباد تک کے انتخابی جلسوں کی ٹھیک ٹھیک رپورٹنگ کے لئے وہاں پر نمائندوں کے باوجود لاہور سے جانا پڑتا تھا۔ ممتاز بھٹو کا شالامار باغ اور عبدالحفیظ پیرزادہ کا لوہاری گیٹ میں جلسہ بھی میں نے خود Cover کیا ان جلسوں کی حاضری اور سامعین کے جوش و جذبہ سے اندازہ ہوتا تھا کہ قومی اتحاد کی انتخابی مہم نے حکمران پارٹی کو نروس کردیا ہے۔ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے قومی اتحاد کے راہنماؤں کو پنجابی انگریزی اور اردو میں گالیاں دیں تو عبدالحفیظ پیرزادہ نے ایئرمارشل اصغر خان کو گولیوں سے چھلنی کرنے کی دھمکی دے ڈالی۔ ایئر مارشل اصغر خان نے ٹھیک ٹھیک نشانے لگا کر قومی اتحاد کے کارکنوں کے حوصلے بڑھائے۔ لوگوں میں 1965ء کی جنگ والا جوش و جذبہ لوٹ آیا تھا۔ اس وقت وہ حملہ آور بھارت کے خلاف لڑ رہے تھے اور 1977ء میں 1965ء کی جنگ میں بائیں بازو کے ہیرو کے خلاف برسر پیکار تھے۔ پاکستان قومی اتحاد کے کارکنوں اور حامیوں کا جذبہ اور حکمران پارٹی کی دفاعی منصوبہ بندی دیکھ کر میں خدا سے دعا کیا کرتا تھا کہ الٰہی جیت کوئی بھی جائے عوام کا بیلٹ اور بکس پر اعتماد مجروح نہ ہو اگر قوم ایک دفعہ کامیابی سے اس مرحلہ سے گزر گئی تو اس میں اپنی قوت اور

صلاحیتوں پر اعتماد آ جائے گا۔

5 اپریل 1977ء کی نصف شب میں وزیراعظم پاکستان کے آخری جلوس کے خاتمہ پر دفتر آتے ہوئے دن بھر کے ان کے رویہ پر غور کرتا تو کچھ خوف سا پیدا ہو جاتا ان کی جوتے مہنگے ہو جانے والی بات ذہن میں آتی تو جمہوری تحمل سے دل کو تسلی ہوتی۔

21

دھاندلی

انتخاب کے روز ہم بہت مصروف رہے۔ رپورٹر کو وہاں بھی جانا ہوتا ہے جہاں ہر کوئی نہیں جا سکتا ہے۔ وہ خبر بھی دینا ہوتی ہے جو سب چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ 7 مارچ 1977ء کو جو کچھ کھلے عام اور پس پردہ ہوا دن بھر اس کا تماشہ کرنے اور ملک بھر سے دفتر میں موصول ہونے والی قابل اشاعت اور ناقابل اشاعت خبروں کے بعد اس رات گئے میں نے اپنی ڈائری میں لکھا تھا۔ "جس انداز میں پیپلز پارٹی جیت رہی ہے ایسی شرمناک جیت شاید ہی دنیا میں کسی پارٹی کو نصیب ہوئی ہو۔ میں سوچتا ہوں آخر یہ کئی ایکٹ کا انتخابی ڈرامہ رچایا ہی کیوں گیا تھا؟ ایسا انتخاب کرانا تھا تو اس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ اس دھاندلی نے عوام کا بیلٹ اور بکس پر سے اعتماد ختم کر دیا ہے اور بھٹو نے بلٹ کا راستہ ہموار کر دیا ہے۔ میں سمجھتا تھا ذوالفقار علی بھٹو عقلمند ہے ہوشیار ہے کوئی سمجھدار آدمی اتنی کثریت اور ڈھٹائی سے دھاندلی نہیں کر سکتا۔ اس نے اپنے اقتدار اور ملک کی جڑوں میں تیزاب ڈال دیا ہے۔ خدا ہم پر رحم کرے۔ آمین۔"

ذوالفقار علی بھٹو نے اسمبلیاں برخاست کر کے ملک میں نگران کونسل کے زیر انتظام نئے سرے سے انتخابات کرانے کا مطالبہ تسلیم کر کے اس دھاندلی کو خود تسلیم کر لیا تھا۔ پہلے انہوں نے کہا دھاندلی میں نے نہیں کرائی۔ میرے کچھ ساتھیوں نے کی ہے پھر پاکستان قومی اتحاد کو بلا مقابلہ پچاس تک سیٹیں دینے پر بھی آمادہ ہو گئے اگر وہ دھاندلی نہ کراتے تو ان کے خیال میں پاکستان قومی اتحاد کو اتنی ہی مزید سیٹیں مل سکتی تھیں۔ ان دھاندلیوں کی تفصیل پر

ایک الگ کتاب لکھنا پڑتی ہے۔ میں یہاں پاکستان پیپلز پارٹی کے ایک بہت ہی بڑے راہنما کے انتخابی مہم کے انچارج کی زبان سے اس جیت کی صرف ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ اس پولنگ انچارج نے خود مجھے اکتوبر 1979ء میں بھاری ووٹوں سے اس راہنما کی کامیابی کا راز بتایا تھا۔ "بیلٹ بکس" ایک ریسٹ ہاؤس میں جمع کئے گئے شام کے بعد ان بیلٹ بکسوں کی مہریں توڑ کر ان میں ہم نے پہلے سے نشان زدہ اتنے ووٹ ڈالے کہ جیت یقینی ہو جائے معلوم نہیں کہ کیسے مخالف امیدوار کو اس کا علم ہو گیا اس نے مسلح آدمیوں کے ساتھ ریسٹ ہاؤس پر دھاوا بول دیا اور متعدد بیلٹ بکس اٹھا لے گیا۔ پولیس نے بروقت بکسوں کی حفاظت کے لئے کارروائی کی اور ہم بچ جانے والے بیلٹ بکسوں کی گنتی سے ہی بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ یہ تحریک پاکستان کے ایک کارکن کی جیت کا حال تھا باقی جو پیپلز پارٹی کے کارکن تھے ان کے کارناموں کا اس سے اندازہ کر لیں۔

یہ دھاندلی اتنی بھرپور تھی کہ حکمران پارٹی کے لئے اسے ہضم کرنا ممکن نہیں تھا ملک میں پوری قوم دو فریقوں میں بٹ چکی تھی۔ شہر اور دیہات میں ہر قابل ذکر فرد اس انتخابی عمل میں بڑی شدت سے Involve ہو چکا تھا۔ اپنے ووٹروں اور ووٹوں کی تعداد کا سب کو احساس تھا اس لئے جب پاکستان قومی اتحاد کو ہر جگہ سے ہرا دیا گیا تو کسی کے دل میں شبہ نہ رہا کہ دھاندلی کی گئی ہے لوگوں میں شدید غصہ اور غم تھا جس کا ثبوت انہوں نے صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب کے روز فراہم کر دیا۔ جب پولنگ سٹیشنوں پر صرف حکمران پارٹی کے کارکن ہی دن بھر ووٹ ڈالتے رہے۔ اس کے حامی ووٹر بھی گھروں سے باہر نہیں آئے۔ جب جیت تو جانا ہی ہے تو مشقت کیوں برداشت کی جائے پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے صوبائی انتخابات کے بائیکاٹ کے اعلان کے بعد آزاد امیدواروں نے بھی بائیکاٹ کر دیا۔ لاہور میں صرف ایک آزاد امیدوار نے بائیکاٹ نہیں کیا تھا اور وہ تھے مشہور قانون دان ایس ایم ظفر جو صوبائی اسمبلی کا انتخاب لڑ رہے تھے۔ انہیں ہارنا ہی تھا وہ بھی ہار گئے اس طرح اس گروہی تقسیم میں کوئی فرد بھی غیر جانبدار نہ رہ سکا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے ایسا کیوں کیا؟ مقررہ وقت سے بھی پہلے انتخابات کرانے کی مجبوری تو مان لیتے ہیں امریکہ نے نیا مینڈیٹ لئے بغیر امداد روک دینے کی دھمکی دی تھی تو اس نے حکم دیا تھا نہ کہ دھاندلی کا مشورہ' ذوالفقار علی بھٹو کی نفسیات اور خواہشات کا تجزیہ کیا جائے

تو یہ سمجھنا مشکل نہیں اس نے ایوب خان کے مارشل لاء میں کچی عمر میں وزارت اور اقتدار سے آشنائی حاصل کی تھی۔ ایوب خان شروع میں اس پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو ضرورت سے بھی زیادہ ایوب خان سے محبت کرتے تھے۔ ان کے سامنے نمونہ اور ہیرو ایوب خان تھا۔ پورے ملک کا مختار کل صدارتی نظام کے تحت ہر قسم کے اختیارات کا مالک ایوب خان وزارت سے نکال دیئے جانے کی وجہ سے اس کے خلاف سارے غم و غصہ اور تحریک کے باوجود بھٹو کے دل میں خواہش ایوب خان بننے کی ہی پوشیدہ تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے ذہن میں ایوب خان کے علاوہ انڈونیشیاء کے سوکارنو اور مصر کے جمال عبدالناصر بننے کا بھی خواب تھا۔ یہ خواب صدارتی نظام کے ذریعے ہی پورا ہو سکتا تھا چنانچہ یحییٰ خان سے اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے جو مسودہ آئین تیار کروایا تھا وہ صدارتی طرز کا ہی تھا لیکن میاں محمود علی قصوری کی مخالفت اور وزارت سے الگ ہو جانے کے فیصلہ کے بعد انہوں نے عبدالحفیظ پیرزادہ سے کہہ کر مسودہ آئین میں صدر کے لئے رکھے گئے اختیارات وزیر اعظم کو دے دیئے اور مجبوراً صدر سے وزیر اعظم بننا پڑ گیا مگر ان کے ذہن میں وہی صدارتی نظام تھا اس نظام کے خواب کو پورا کرنے کا صرف ایک طریقہ تھا قومی اسمبلی سے آئین میں ترامیم کے ذریعے یہ مقصد حاصل کرنے کا طریقہ اس کے لئے اس نے تین چوتھائی اکثریت حاصل کرنے کا پروگرام بنایا تھا یہ سب مشقت اسی پروگرام پر عمل در آمد کے لئے برداشت کی گئی تھی۔

مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پرائم منسٹر ہاؤس سے فوجی حکام کو کئی درجن افراد کے بارے میں وزیر اعظم کی تیار کردہ خفیہ فائلیں ہاتھ آئی تھیں ان فائلوں میں ذوالفقار علی بھٹو نے ان افراد کے کردار کی خامیوں' کمزوریوں' بے اصولیوں اور ناجائز مفادات کے حصول کے کارناموں کی تفصیل درج کرا رکھی تھی کون مولوی شراب پیتا ہے' کون کمیشن وصول کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جن افراد کی یہ فائلیں تھیں وہ سب اس کی اپنی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ وزراء' ارکان اسمبلی' گورنر' وزرائے اعلیٰ حدیہ کو اس نے اپنے خاندان کے بعض افراد کی بھی فائلیں کھلوا رکھی تھیں۔

ایک خیال یہ تھا کہ وہ اپنے سب ساتھیوں کی کمزوریوں اور خامیوں کا ریکارڈ اس لئے رکھتے تھے تاکہ کوئی ان کے سامنے سر اٹھانے اور بولنے کی جرات نہ کر سکے۔ مارشل لاء لگنے

کے کئی سال بعد میں نے ذوالفقار علی بھٹو کے ایک نہایت معتمد وزیر اور ساتھی کوثر نیازی سے پوچھا تھا کہ بھٹو صاحب نے آپ کا یہ اعمال نامہ کیوں تیار کر رکھا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ انتخابات کے بعد ملک اور اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط کرنے اور پاکستان کا مارشل ٹیٹو بننے کے لئے بھٹو صاحب نے ایک سکیم تیار کر رکھی تھی یہ سکیم تھی عوامی عدالتوں کی وہ ان عدالتوں کے ذریعے اپنی ہی پارٹی کے ارکان وزراء اور ساتھیوں کو کڑی سزائیں دلوا کر عوام میں یہ پراپیگنڈہ کرنا چاہتا تھا کہ عوام دشمن کوئی بھی ہو اسے برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے ملک اور عوام کے دشمنوں کو عوامی عدالتوں میں پیش کر دیا ہے۔ میں اب تک عوام کے لئے جو کرنا چاہتا تھا ان کرپٹ افراد کی وجہ سے نہیں کر سکا تھا یہ ہیں میرے وعدے پورے نہ کرنے کے اصل مجرم اس طرح وہ عوام کے جذبات سے کھیلنا اور اس کھیل کے ذریعے پاکستان کا سوئیکار نو بننے کا خواب پورا کرنا چاہتا تھا' بھٹو کو یقیناً یہ اندازہ نہ ہو گا کہ ملک میں اپنی سب مخالف قوتوں کو انتخابات کے ذریعے متحد کر کے وہ ان کے سامنے بے بس ہو جائے گا اور ملک میں تاریخ کی ایک مثالی تحریک جنم لے سکے گی۔

ایک روز جب شہر کی سڑکوں کے علاوہ بازاروں اور گلیوں میں بھی مسلح افواج کے چاک و چوبند دستے جیپوں پر مشین گنیں نصب کئے گشت کرتے پھر رہے تھے۔ ایف ایس ایف' رینجرز اور گھوڑ سوار دستے' پولیس اور پی آر پی خوفناک انداز میں لوگوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے شہر میں داخل ہو گئے تھے۔ میں پاکستان قومی اتحاد کے قائدین کے جیل جانے کے نتیجہ میں سیکرٹری اطلاعات بننے والے ابو سعید انور کے پاس بیٹھا تھا ایک صاحب آئے اور ضلع قصور کے دور دراز دیہات کے ان کارکنوں کی فہرست پیش کی جو گرفتاریاں دینا چاہتے تھے پھر اس نے پوچھا "آپ کو چندہ کتنا چاہئے؟" میں نے ان کے مذاکرات میں مداخلت کی "دیہات میں بھی اتحاد کی تنظیم قائم ہے؟" "ہر جگہ ہے" اس نے جواب دیا دو روز پہلے میں شیخوپورہ میں تھا۔ وہاں اتحاد کے عہدیداروں نے بتایا کہ ان کے پاس گرفتاریاں دینے کے خواہشمند کارکنوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس روز تک شہر کے کارکنوں کی ابھی باری نہیں آئی تھی اور ریزرو میں دیہات کے دو ہزار کارکن ابھی باقی تھے۔ منڈی بہاؤ الدین سے ایک ہمارے پرانے اخبار نویس دوست لاہور آئے۔ انہوں نے بتایا کہ وہاں پر بھی 20 مارچ تک گرفتاریاں دینے والے سب دیہات کے لوگ تھے بلکہ بعض جگہوں پر جھگڑے بھی ہوئے

لوگوں کو شکایت تھی انہیں گرفتاری کا موقع کیوں نہیں دیا جاتا۔ ایک روز ایک چودہ سالہ لڑکا گرفتاری دینے والوں میں شامل ہو گیا۔ پولیس نے اس کی عمر کم ہونے کی وجہ سے اسے گرفتار نہ کیا تو اس نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ پولیس کو مجبوراً اسے بھی گرفتار کرنا پڑا۔

اس جوش و جذبہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ چیز بیٹھ گئی تھی کہ بھٹو کی موجودگی میں اسلام اور پاکستان خطرہ میں ہیں۔ تمام مذہبی فرقے اپنے تعصبات اور اختلافات بھول کر اس کے خلاف متحد ہو گئے تھے اور اس لڑائی کو انہوں نے اسلام اور کفر کی لڑائی بنا لیا تھا۔ انتخابی مہم کے دوران پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے علماء کے خلاف جو مہم چلائی تھی جو زبان استعمال کی تھی اور شعائر اسلام کا جس طرح مذاق اڑاتے رہے تھے، پیپلز پارٹی کے دور میں علماء کے ساتھ جیلوں اور حوالاتوں میں جو سلوک کیا گیا تھا اس نے اس تاثر کو مزید گہرا کر دیا تھا کہ بھٹو اسلام کا دشمن ہے پھر لوگوں نے ہر جگہ دھاندلیاں ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھی تھیں انہیں کوئی ثبوت فراہم کرنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ پنجاب کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ اتنی منظم اور وسیع تحریک نہ کبھی چلی تھی نہ شاید چل سکے گی۔ اس تحریک کے دوران لوگوں نے بعض چھوٹے قصبوں کا انتظام تک اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا لاہور کے ایک بہت بڑے بدمعاش نے اس تحریک سے خوفزدہ ہو کر اخباری بیان جاری کیا کہ وہ پیپلز پارٹی چھوڑ کر قومی اتحاد میں شامل ہو گیا ہے۔ ہم نے دو روز تک اس کا بیان شائع نہیں کیا تو وہ امیر جماعت اسلامی لاہور شہر کی سفارش لے کر آیا کہ اس کی پیپلز پارٹی سے علیحدگی کی خبر شائع کر دی جائے جو لوگ پیپلز پارٹی کے دور اقتدار میں اور انتخابی مہم کے دوران مخالفوں پر اپنی بدمعاشی سے زندگی اجیرن بنانے میں آگے تھے۔ پیپلز پارٹی چھوڑنے اور پاکستان قومی اتحاد کے ہاں پناہ ڈھونڈنے میں بھی وہ سب سے آگے تھے۔

دوسری طرف حکومت اس تحریک کو قوت کے ذریعے دبانے کی پوری کوشش کرتی رہی۔ پولنگ کے دن سے انسانی جانوں سے کھیلنے کا جو اس نے کھیل شروع کیا تھا، وہ مسلسل جاری تھا۔ اس روز ملک بھر میں 28 افراد ہلاک ہوئے تھے۔ جو چند کے علاوہ سب پاکستان قومی اتحاد کے کارکن تھے۔ قومی اتحاد کی اپیل پر کی جانے والی پہلی ہی عام ہڑتال کے روز دس افراد ہلاک کر دیئے گئے۔ پاکستان قومی اتحاد کے جملہ مرکزی رہنماؤں کو گرفتار کر کے جیلوں میں بند کر دیا گیا تھا مگر تحریک پھر بھی تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ 20 مارچ کو صرف کراچی میں 20 افراد کو

ہلاک کردیا گیا۔ ذوالفقار علی بھٹو ایک طرف مذاکرات کی دعوت دے رہے تھے اور دوسری طرف سخت رویہ اختیار کر کے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ انہیں تحریک کی کوئی پرواہ نہیں۔ 26 مارچ کو جب وہ نئے سرے سے متنازعہ اسمبلی سے اعتماد کا ووٹ حاصل کر رہے تھے تو ملک بھر میں فوج اور ایف ایس ایف احتجاج کرنے والوں کے سینے گولیوں سے چھلنی کر رہی تھی۔ 31 مارچ کو لاہور میں لوہاری دروازہ کے سامنے مسلم مسجد میں جمع ہونے والے علماء اور نمازیوں پر اس انسانیت سوز طریقے سے لاٹھی چارج کیا گیا کہ مسجد کی چٹائیاں اور فرش انسانی خون میں دھل گئے۔ اس رات جب ملک اور شہر میں فضا انصاف مانگنے والوں کے خون سے معمور تھی لاہور پریس کلب میں انسانی حقوق کے چیمپئن صفدر میر اور ان کے شاگرد ٹیلی ویژن کے پروڈیوسر محمد عظیم جو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد علماء کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسلامی تعلیمات کے پروگرام پیش کیا کرتے تھے خوشی سے ناچ رہے تھے۔ "آج مولویوں کو وہ مارا کہ تاریخ میں کسی نے نہ مارا ہو گا۔" مارشل لاء کے دور میں انسانی حقوق اور تشدد کے خلاف جہاد کرنے والے بائیں بازو کے کسی چیمپئن کو انسانوں پر یہ غیر انسانی ظلم نظر نہ آیا۔ اس کی وجہ بھی شاید ان کا نظریاتی خلوص تھا ان کے نظریہ کی حکومت آزاد جمہوری طریقوں سے تو قائم ہو نہیں سکتی۔ سازش اور تشدد کی بھی وہ مخالفت کریں تو یہ حکومت قائم کیسے ہو گی؟ اس دھاندلی تشدد اور لاٹھی گولی کے ذریعے اقتدار پر قابض رہنے کی کوشش میں ذوالفقار علی بھٹو کو ان سب کا قلبی تعاون حاصل تھا ملک بھر کے جاگیردار اور ان کے دشمن سوشلسٹ اور کمیونسٹ سب عوام کے خلاف اور بھٹو کے ساتھ تھے۔ نظریات اور انقلاب پسندی کے نعروں میں مسخ شدہ سب چہرے بے نقاب ہو گئے تھے۔ مگر عوام کو اس سے کوئی فرق نہ پڑا۔ ہمارے دوست سرور سکھیرا نے دھنک کے ذریعے خوب نیک نامی اور بدنامی کمائی ہم بھی مقدور بھر اس نیکی میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے۔ پھر ایک مرحلہ وہ آگیا جب وزیراعظم ہاؤس میں اس کا شدید رد عمل ہوا اور سکھیرا دھنک سمیت پیپلز پارٹی میں شامل ہو گیا۔ 1977ء کے انتخابات کے دوران انہوں نے پارٹی اور قائد عوام کی بہت خدمت کی۔ ایک روز میرے پاس آیا۔ "پرسوں شب میرے گھر پر محدود دوستوں کی دعوت ہے ضرور آنا" میں نے مصروفیت کا بہانہ بنایا مگر وہ مانا نہیں۔ دفتر سے فارغ ہو کر اس کی کوٹھی پر پہنچا تو پاکستان پریس انٹرنیشنل کے بیورو چیف حسین نقی ایسوسی ایٹڈ پریس آف پاکستان کے بیورو چیف فاروق نثار اور عطاء الحق قاسمی پہلے

سے موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد وفاقی وزیر اطلاعات و نشریات طاہر محمد خان اور ان کے دوست عبدالرحمان میاں بھی آگئے۔ جن کے گھر ان کا اس رات قیام تھا۔ بتایا گیا کہ صوبائی وزیر اطلاعات مسٹر اعتزاز احسن کسی غیر ملکی صحافی سے اچانک مصروفیت کی وجہ سے نہیں آسکے۔ طاہر محمد خان نے ادب اور ٹیلی ویژن سے بات شروع کی۔ عطاء الحق قاسمی سے ایک آدھ غزل سنی اور پھر بات کا رخ پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کی طرف موڑ دیا۔ ان کی گفتگو کا خلاصہ یہ تھا کہ کچھ بھی تو نہیں ہو رہا چند روز میں سب ٹھیک ہو جائے گا بلکہ ٹھیک کر دیا جائے گا۔ پھر کوئی جلوس میں شرکت کرنے نہیں آئے گا۔ میں اور قاسمی ان سے اختلاف کرتے اور تحریک کی شدت بڑھ جانے اور لوگوں کی جائز شکایات کا ذکر کر کے ان کے دلائل کو رد کرنے لگے۔ فاروق نثار بہت نیک اور نمازی اخبار نویس ہے۔ پکا رائٹسٹ مجھے یہ ہمیشہ لیفٹسٹ قرار دیتا کیونکہ میں یونین میں ہمیشہ اس گروپ میں رہا جسے برنا گروپ کہہ کر معتوب کیا جاتا تھا لیکن اس روز میں جو بھی بات کرتا فاروق نثار فوراً کہتا "نہیں ڈوگر صاحب آپ کی اس بات سے میں اتفاق نہیں کر سکتا"۔ جب انہوں نے تیسری بار میری اس بات سے عدم اتفاق کا اعلامیہ جاری فرمایا تو میں نے کہا "فاروق صاحب آپ کے بہتر مستقبل کے لئے لازم ہے کہ آپ اس محفل میں میری ہر بات سے عدم اتفاق کریں" اس کے بعد وہ نرم پڑ گئے۔ حسین نقی زیادہ وقت خاموش رہے مگر جب طاہر محمد خان پھنس جاتا تو وہ اس کو گارے سے نکال کر پھر خاموش ہو جاتے۔ محفل بدمزہ ہونے لگی تو سکھیرا نے کھانے کا اعلان کر دیا۔ کھانے کے بعد کی نشست میں نقی نے طاہر محمد خان کو ایک نکتہ دیا اور طاہر محمد خان نے اس کی تفصیل شروع کر دی۔ جو اس طرح تھی کہ امریکہ اور روس اس خطہ میں اپنے زیر اثر علاقوں کی نئے سرے سے تقسیم پر متفق ہو چکے ہیں۔ امریکہ شاہراہ ریشم تھرڈ ورلڈ کانفرنس اور ری پراسسنگ پلانٹ کی وجہ سے بھٹو سے ناراض ہے۔ اگر بھٹو اپنا موقف تبدیل کر لے تو کل ہی سب ٹھیک ہو سکتا ہے اور یہ کہ نئی تقسیم کے اصول کے تحت یہ بڑے بلوچستان اور صوبہ سرحد افغانستان کو دینا چاہتے ہیں اور پنجاب اور سندھ بھارت کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان کی اس بندر بانٹ کی راہ میں واحد رکاوٹ ذوالفقار علی بھٹو ہیں۔ طاہر محمد خان کا کہنا تھا کہ قومی اتحاد میں صرف دو ہی پارٹیاں ہیں۔ نیپ اور جمعیت علمائے اسلام۔ باقی کچھ نہیں اور یہ دونوں پاکستان کی اس تقسیم کی حامی ہیں۔ گویا اول تو تحریک کل ہی ختم ہو جائے گی لیکن اگر

بالفرض محال کسی وجہ سے نہ ہوئی اور قومی اتحاد اقتدار میں آگیا تو پھر نیپ اور جمیعت علمائے اسلام اس منصوبہ کو مکمل کرنے میں تعاون کریں گی۔ ان حالات میں امید کی واحد کرن ذوالفقار علی بھٹو ہیں جنہیں پی این اے والے پھونکیں مار رہے ہیں۔ حسین نقی دبے لفظوں طاہر محمد خان کے ان انکشافات کی تائید کر رہا تھا۔ بات غزل اور ادب سے بہت آگے بین الاقوامی سرحدوں کی توڑ پھوڑ کے منصوبوں اور شاہ ایران کی فوجوں تک پہنچی تو قاسمی بھی رک رک کر بولنے لگا۔ عبدالرحمان میاں اس بارے میں سوالات اٹھاتا رہا اور میں حسب توفیق بحث اور اختلاف کرتا رہا ایک بجے شب جب کی سویٹ ڈش اور خشک میوہ کی شیرینی بھی بات کی تلخی میں بدلنے لگی تو محفل شب برخاست کردی گئی۔ ہم واپس آرہے تھے تو قاسمی نے پوچھا۔ "طاہر محمد خان چاہتا کیا ہے؟" "ڈرانا" میں نے جواب دیا۔ "کس بات سے؟" "اسی روس امریکہ نیپ اور جمیعت کے مشترکہ منصوبہ سے" مگر ہم دونوں کو ڈرانے سے کیا ہوتا ہے؟" "ان کا خیال ہے کہ ہم ڈر کر یہ بات آگے بتائیں گے پھر آگے جائے گی پھر اور آگے اور پی این اے کی مرکزی قیادت ملک کی سالمیت کے تحفظ کی خاطر بھٹو صاحب سے مذاکرات اور سمجھوتہ پر راضی ہو جائے گی۔ قاسمی نے کچھ سوچ کر کہا "یار اس کا مطلب ہے کہ یہ سب کچھ پہلے سے سوچا سمجھا پروگرام تھا مگر یہ بتاؤ یہ ہمیں بے وقوف سمجھتا تھا یا خدانخواستہ کچھ گڑبڑ ہے۔" "حکمران ہمیشہ دوسروں کو ہی بے وقوف سمجھتے ہیں اور طاہر محمد خان فی الحال حکمران ہے جس کا ثبوت فاروق نثار کا ہم سے عدم اتفاق تھا۔" رات کی خاموشی میں قاسمی کا قہقہہ گونجنے لگا۔

ایک شام بی بی سی نے خبر نشر کی پاکستان مسلم لیگ کے صدر پیر پگاڑا نے اور پاکستان قومی اتحاد کے قائم مقام سربراہ نوابزادہ نصراللہ خان نے اچھرہ میں جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی سے ملاقات کی ہے اور ان سے حکومت کے مذاکرات کی دعوت کے بارے میں تبادلہ خیال کیا ہے۔ عارف صاحب نے خبر سننے کے بعد کہا کہ اس ملاقات کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہئے۔ میں نے مولانا کے ہاں ٹیلی فون کیا ان کے صاحبزادے حسین فاروق لائن پر آئے تو میں نے پوچھا کیا یہ خبر درست ہے انہوں نے جواب دیا۔ اپنے ایڈیٹر سے پوچھ لیں۔ مجید نظامی صاحب کو کوئی خبر معلوم بھی ہو تو وہ کبھی رپورٹر کو اس کا اشارہ نہیں دیتے۔ خاص طور پر ایسی خبر جس میں اعتماد کا پہلو ہو۔ میں نے زور دے کر پوچھا تو اس نے بتایا کہ خبر درست ہے اور

مولانا نے ملاقات کے بعد حکومت کو مذاکرات کے سلسلہ میں جو شرائط پیش کی ہیں وہ میں ہی مجید نظامی صاحب کو ہوائی جہاز میں پہنچا کر آیا تھا۔

جماعت اسلامی کے بیرون جیل رہنماؤں کے علاوہ پاکستان قومی اتحاد کے دیگر رہنما اور کارکن مولانا مودودی کی طرف سے مذاکرات کے لئے شرائط پیش کرنے پر بہت غصہ میں تھے۔ ان کا موقف تھا کہ مولانا مودودی کا پاکستان قومی اتحاد اور اس کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اس اتحاد میں شامل ایک جماعت کے بانی ہیں۔ سربراہ بھی نہیں۔ اتحاد اور تحریک سے باہر کے کسی آدمی کو مذاکرات کی بات کرنے اور شرائط پیش کرنے کا کوئی حق نہیں۔ ان کا خیال تھا کہ مولانا کی شرائط اور مذاکرات پر آمادگی سے تحریک پر برا اثر پڑے گا۔

میں نے مزید تحقیق کی تو بتایا گیا کہ گزشتہ دو ہفتے سے فوج اور سول کے اعلیٰ حکام کئی بار مولانا کے پاس آئے تھے اور ان سے درخواست کرتے رہے تھے کہ وہ ملک اور پنجاب کی خاطر اس تعطل میں مداخلت کریں اور پاکستان قومی اتحاد کو مذاکرات پر آمادہ کریں لیکن مولانا مودودی مسلسل اس سے انکار کرتے رہے اس کے بعد سے مجید نظامی صاحب نے اسی مقصد کے لئے مولانا سے رابطہ قائم کیا تھا انہوں نے بھی کہا کہ ذوالفقار علی بھٹو آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں وہ پوچھتے ہیں میں حاضر ہو جاؤں یا آپ کسی مقررہ مقام پر آ سکتے ہیں مولانا مودودی اس ملاقات کے بارے میں کوئی وعدہ کرنے سے بھی کنی کتراتے رہے ایک رات نو بجے نظامی صاحب خود مولانا کے ہاں گئے اور پوچھا کہ بتائیں میں بھٹو کو کیا جواب دوں وہ بار بار ٹیلی فون کر رہا ہے مولانا نے سوچنے کے لئے دو روز مانگے اور پھر مذاکرات کے لئے چار شرائط تیار کیں اور نظامی صاحب سے کہا کہ میں یہ شرائط اپنے ہاتھ سے لکھ کر نہیں دوں گا بتا دیتا ہوں آپ خود لکھ لیں نظامی صاحب نے رات کا کھانا مولانا کے ساتھ کھایا اور چاروں شرائط لکھ لیں مولانا نے نظامی صاحب سے کہا کہ یہ آپ کے کہنے پر لکھوا رہا ہوں ورنہ مجھے معلوم ہے کہ آئین سازی کے مرحلہ میں حکومت اور حزب اختلاف کے درمیان تعطل کے موقعہ پر میرے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس دفعہ بھی وہی ہو گا اور آپ مجھے مروائیں گے لیکن اگر آپ سمجھتے ہیں کہ ملک کو اس سے فائدہ ہو گا تو میں یہ بھی برداشت کر لوں گا رات کو مولانا کے ذہن میں ایک اور بات آئی انہوں نے ٹائپسٹ کو بلایا اور پانچوں شرائط ٹائپ کرا کر صبح ہی حسین فاروق کے ہاتھ نوائے وقت کے دفتر بھجوا دی دفتر سے معلوم ہوا کہ نظامی صاحب دفتر آئے

ہی نہیں حسین واپس گھر چلا گیا وہاں سے نظامی صاحب کے گھر ٹیلی فون کیا تو معلوم ہوا نظامی صاحب ہوائی اڈہ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں اور وہ سوا گیارہ بجے کی پرواز سے اسلام آباد جا رہے ہیں حسین یہ تجاویز لے کر ہوائی اڈہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ سوا گیارہ بجے تو اسلام آباد کی کوئی پرواز ہی نہیں البتہ کراچی کے لئے پرواز تیار ہے انہوں نے اس پرواز کے مسافروں کی فہرست دیکھی تو اس میں درج تھا مسٹر مجید نظامی وی آئی پی پرائم منسٹر ڈیوٹی سیٹ نمبر 4 مگر وہ طیارے میں سوار ہو چکے تھے حسین فاروق نے وہاں انتظامیہ سے رابطہ قائم کیا سیڑھی الگ کی جانے والی تھی انہوں نے سیڑھی الگ نہ کرنے کا پیغام دیا اور مولانا مودودی کا خط تحریری صورت میں مجید نظامی صاحب کو پہنچا کر اس کی تصدیق کر دی ذوالفقار علی بھٹو اس روز کراچی میں تھے۔

مولانا مودودی نے تجویز کیا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو وزارت سے علیحدہ ہو جائیں' ایک عبوری حکومت قائم کی جائے جو فوج اور عدلیہ کی نگرانی میں ملک میں نئے سرے سے انتخابات کرائے اور اکثریتی پارٹی کو اقتدار منتقل کر دے پندرہ اپریل کی شب رات نو بجے ذالفقار علی بھٹو نے مولانا مودودی کی رہائش گاہ پر ان سے ملاقات۔کے لئے آئے تو مولانا نے ایک دفعہ پھر وہی تجاویز دہرا دیں میں نے پوچھا بھٹو صاحب نے اس طویل ملاقات میں خود کیا کہا تھا؟ "وہ بیشتر وقت ایشیا یورپ اور افریقہ کے ممالک میں ہی گھومتے رہے میں پاکستان کی بات کرنا چاہتا تھا وہ مجھے ان ممالک کی صورت حال بتانا چاہتے تھے۔" مولانا نے جواب دیا

مولانا مودودی کی بھٹو کے لئے تجاویز اور مودودی بھٹو ملاقات کے درمیانی عرصہ میں حالات بہت آگے جا چکے تھے تحریک اور تشدد دونوں بہت زور پکڑ چکے تھے جس شب ذوالفقار علی بھٹو مولانا مودودی سے ملاقات کر رہے تھے اسی روز لاہور میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے قومی اتحاد کے جلوس پر فائرنگ کی تھی ملک گیر ہڑتال اور لاہور میں وکلاء کے کنونشن کے ساتھ ہی پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے بھی یہ مطالبہ پیش کیا جا چکا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو مستعفی ہو جائیں اور فوج اور عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات کرائے جائیں اور پھر پندرہ اپریل آتا بھی نو اپریل کے بعد ہے جب لاہور میں شہریوں نے اپنی جانوں کی قربانی دے کر ثابت کر دیا تھا کہ وہ دھاندلی نہیں چلنے دیں گے۔

22

انٹیلی جنس ایجنسیوں کی شکست

حکمرانوں کی "آنکھ" اور "کان" انٹیلی جنس ایجنسیاں ہوتی ہیں جن حکمرانوں کا عوام اور اہل شعور سے رابطہ جتنا کمزور ہو گا وہ ان "آنکھوں" اور "کانوں" پر اتنا ہی زیادہ بھروسہ کرتے ہیں یہ ایجنسیاں کئی قسم کی ہیں اور مختلف سطحوں پر مختلف مقاصد کے تحت کام کرتی ہیں لیکن بنیادی طور پر ان سب کو دو گروپوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (1) سول انٹیلی جنس ایجنسیاں اور (2) فوجی انٹیلی جنس ایجنسیاں اپنے بنیادی مقاصد کے حوالے سے سول ایجنسیاں ملک کے اندرونی سول معاملات سے متعلق ہوتی ہے اور فوجی انٹیلی جنس ایجنسیاں ملک کے دفاع اور فوجی امور سے تعلق رکھتی ہیں ایوب خان کے مارشل لاء کے بعد فوجی ایجنسیوں کو سیاسی اور اندرونی معاملات بھی سونپ دیئے گئے وہ چونکہ خود فوجی تھے اس لئے فوجی ایجنسیوں سے ان کا براہ راست رابطہ رہا تھا وہ انہیں سول ایجنسیوں کی نسبت زیادہ قابل اعتماد سمجھتے تھے عوام اور اہل شعور سے اپنی دوری کی وجہ سے وہ ان اپنی ایجنسیوں سے وہ کام بھی لینے لگے جو ان کا بنیادی مقصد نہیں تھا فوجی انٹیلی جنس ایجنسیوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا کام دوسرے باقاعدہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر آغا محمد یحییٰ خاں قزلباش کے دور میں بھی جاری رہا ذوالفقار علی بھٹو' ایوب خاں کے بھی ساتھی تھے اور یحییٰ خاں کے بھی سیاسی اتحادی اور مشیر' وہ اقتدار میں آئے بھی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن کر تھے اس لئے اپنے دونوں پیش روؤں کی اس روایت کو انہوں نے نہ صرف جاری رکھا بلکہ فوجی ایجنسیوں کو انتخابات میں باقاعدہ ملوث کیا ملک میں انتخابات کرانے سے پہلے انہوں نے

اپنی کامیابی کے بارے میں کور کمانڈروں کے ذریعے بھی سروے کرایا جو چیف آف آرمی سٹاف نے نہیں خود پیش کیا تھا آئی ایس آئی کو بھی یہ خدمت سپرد کی گئی جس نے نہایت وفاداری سے ملکی دفاع اور سلامتی کا یہ مشن انجام دیا اس خدمت قوم سے اس کے اصل مقاصد اور کام کہاں تک متاثر ہوئے اور دفاع اور ملک کی سلامتی کے لئے مختص وسائل کو حاکم وقت کی سیاسی اور انتخابی خدمت میں صرف کرنے سے دفاع کہاں تک کمزور یا مضبوط ہوا یہ الگ پہلو ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ آئی ایس آئی نے 1977ء کے انتخابات کے دوران بہت زیادہ محنت کی اور پورے ملک کے ایک ایک انتخابی حلقہ اور امیدوار کے بارے میں نہایت اہم اور مفید معلومات جمع کر کے ذوالفقار علی بھٹو اور ان کی پارٹی کی متوقع کامیابی کے بارے میں تجزیئے پیش کرتی رہی اپنے طور پر یہی کام انٹیلی جنس بیورو بھی کر رہا تھا اس سلسلے میں دونوں ایجنسیوں کی تجزیہ رپورٹوں کے موازنہ کے لئے جو پہلا اجلاس ہوا اس کی صدارت خود ذوالفقار علی بھٹو نے کی آئی ایس آئی کی طرف سے جنرل غلام جیلانی خان اور کرنل عطاء تجزیہ رپورٹ لیکر آئے اور انٹیلی جنس بیورو کی طرف سے ایم اکرام شیخ نے رپورٹ پیش کی لیکن ان دونوں کی ابتدائی رپورٹوں میں فرق تھا آئی ایس آئی ذوالفقار علی بھٹو کو ایک دو سیٹیں زیادہ دے رہی تھی جبکہ انٹیلی جنس بیورو تھوڑا پیچھے تھا اس عدم اتفاق کی وجہ سے اجلاس کو برخاست کر دیا گیا اور مزید "احتیاط" اور "محنت" کے بعد پیپلز پارٹی کی کامیابی کے امکانات کا تجزیہ پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔

اس قسم کے کتنے مشترکہ اجلاس ہوئے اور الگ الگ تجزیئے پیش کئے گئے اس کا ٹھیک طور پر علم نہیں ہو سکا لیکن قومی اسمبلی کے الیکشن سے اٹھارہ روز پہلے انیس فروری اور تین روز پہلے چار مارچ کو پیپلز پارٹی کے قومی اسمبلی کے امیدواروں کی کامیابی کے بارے میں آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو نے جو دو مشترکہ رپورٹیں بھیجی تھیں ان کا تجزیہ قابل غور ہے۔

انیس فروری 1977ء کی "خفیہ" اور "فوری" تجزیہ رپورٹ 'انتخابات' نیشنل اسمبلی' جیسا کہ آج انیس فروری 1977ء کو ہے" کے کورنگ لیٹر میں انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کریم شیخ لکھتے ہیں "1 حسب ہدایات سات مارچ 1977ء کو ہونے والے قومی اسمبلی کے انتخابات کے بارے میں ایک بہت ہی تفصیلی تجزیہ رپورٹ وزیر اعظم کے غور کے لئے بھیجی جا

رہی ہے۔

2...... ہر صوبہ کے بارے میں رپورٹ الگ الگ ہے جس کے ساتھ سمری رپورٹ بھی ہے

3...... ہر صوبہ کا آج کی صورت حال کے مطابق تجزیہ ضمیمہ الف میں ہے۔

4...... وزیراعظم دیکھیں گے کہ ہر انتخابی حلقہ کے لئے امیدواروں کے مثبت اور کمزور پہلوؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے جہاں کہیں پارٹی کی پوزیشن مضبوط کرنے کے لئے مزید کوششوں کی ضرورت ہے وہاں وہاں اس سلسلے میں تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔

5...... یہ تجزیہ ڈائریکٹر جنرل آئی ایس آئی اور ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو نے مل کر تیار کیا ہے

اس تجزیہ رپورٹ میں صوبہ سرحد کی قومی اسمبلی کی کل چھبیس سیٹوں میں سے صرف تین پر پیپلزپارٹی کے امیدواروں کی یقینی کامیابی بتائی گئی ہے پانچ سیٹوں پر پارٹی کی یقینی شکست دس پر اس کے امیدواروں کے حق میں حالات بہتر تین پر اس کے امیدواروں کی حالت خراب اور پانچ پر کسی بھی پارٹی کے امیدوار کے جیت جانے کی رپورٹ دی گئی ہے۔

اس صوبہ میں پارٹی کی پوزیشن مضبوط بنانے کے لئے آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو نے مشترکہ طور پر تجویز کیا "اس صوبہ پر توجہ دینے کی ضرورت ہے تمام کوششیں مجتمع کر کے پارٹی اس صوبہ سے قومی اسمبلی کی تیرہ سیٹیں جیت سکتی ہے اور بہت زیادہ کوشش کر کے ان سیٹوں میں سے بھی بعض پر کامیابی حاصل کر سکتی ہے جن پر صورت حال واضح نہیں اس طرح پارٹی اس صوبہ سے پچاس فیصد سے زیادہ سیٹوں پر کامیابی کی توقع کر سکتی ہے"

پنجاب اور وفاقی علاقہ اسلام آباد سے قومی اسمبلی کی کل ایک سو سولہ (116) سیٹوں میں سے تینتیس (33) پر پیپلزپارٹی کے امیدواروں کی یقینی جیت دکھائی گئی ہے جبکہ بتیس سیٹوں پر پیپلزپارٹی کی شکست اور پی این اے کے امیدواروں کی یقینی جیت بتائی گئی ہے تجزیہ رپورٹ میں چوبیس سیٹوں پر پیپلزپارٹی کے امیدواروں کی پوزیشن مقابلتاً" بہتر اور بارہ پر خراب بتائی گئی ہے پندرہ سیٹوں کے بارے میں آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کی متفقہ رائے ہے کہ وہاں صورتحال واضح نہیں اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے دونوں انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ماہرین نے وزیراعظم کو لکھا کہ "پنجاب پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے" اور کہا کہ بہت زیادہ توجہ اور مجتمع کوششوں سے پیپلزپارٹی پنجاب اور وفاقی علاقہ کی ایک سو سولہ سیٹوں میں سے ستاون جیت سکتی ہے اور اگر اور بھی زیادہ کوشش کی جائیں تو مجموعی طور پر پیپلزپارٹی

یہاں سے ساٹھ فیصد سیٹیں حاصل کرنے کی امید کر سکتی ہے مگر اس تناسب کے لئے اسے پنجاب میں بہت زیادہ کوشش کرنا ہوگی۔

صوبہ سندھ میں قومی اسمبلی کی کل تینتالیس (43) سیٹیں تھیں ان میں سے: بچیس پر پیپلزپارٹی کی یقینی جیت اور چار پر یقینی ہار دکھائی گئی تھی تین سیٹوں پر پیپلزپارٹی کا اور چار پر پی این اے کا پلہ بھاری دکھایا گیا ہے سات سیٹوں پر صورت حال غیر واضح ہے۔

تجزیہ کرنے والے ماہرین نے وزیر اعظم کے لئے رپورٹ میں لکھا کہ کوشش مجتمع کر کے پیپلزپارٹی سندھ سے اٹھائیس سیٹیں جیت سکتی ہے اور اگر اور بھی زیادہ محنت کرے تو جن سات سیٹوں پر صورت حال واضح نہیں ان میں سے ایک آدھ سیٹ جیت کر مجموعی طور پر سندھ سے اسی فیصد کے قریب سیٹیں جیتنے کی امید کر سکتی ہے۔

بلوچستان کی کل سات سیٹوں میں سے چار پیپلزپارٹی کو مل چکی تھیں باقی تین میں سے دو پر پیپلزپارٹی کی اور ایک پر پی این اے کی پوزیشن بہتر بتائی گئی ہے تجزیہ میں کہا گیا ہے کہ کوشش کر کے پیپلزپارٹی اس صوبہ سے چھ سیٹیں حاصل کر سکتی ہے......

قومی اسمبلی کے لئے پولنگ سے تین روز پہلے چار مارچ کو آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کی تیار کردہ تجزیہ رپورٹ کے کورنگ لیٹر میں پہلی رپورٹ میں مزید یہ اضافہ کیا گیا تھا (1) پنجاب میں پارٹی کی پوزیشن بہتر بنانے کیلئے آخری لمحہ تک غیر معمولی کوششوں کی ضرورت ہے (2) اس تجزیہ رپورٹ کی نقول متعلقہ چیف سیکرٹریوں کو بھی بھیج دی گئی ہیں

بلوچستان کے علاوہ چیف سیکرٹریوں کو تجزیہ رپورٹ کی نقول بھیجنا قابل غور ہے۔

رپورٹ میں صوبہ سرحد میں پارٹی کے امیدواروں کی قومی اسمبلی کی پانچ سیٹوں پر یقینی جیت اور سات پر یقینی ہار دکھائی گئی ہے پانچ سیٹوں پر پیپلزپارٹی کے امیدواروں کی پوزیشن بہتر اور تین پر خراب بتائی گئی ہے چھ سیٹوں پر صورت حال غیر واضح دکھائی گئی ہے۔

اپنی سفارشات میں آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کے ماہرین نے وزیر اعظم کو لکھا کہ صوبہ سرحد میں پیپلزپارٹی کی پوزیشن معمولی سی بہتر ہوئی ہے ہمارے اندازہ کے مطابق پانچ پر اس کی کامیابی یقینی ہے جن چھ سیٹوں پر صورت حال واضح ہے ان میں سے بھی تین سیٹیں جیتی جا سکتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ آخری لمحہ پر غیر متزلزل کوشش کی جائے اس طرح پارٹی اس صوبہ کی چھبیس سیٹوں میں سے تیرہ یعنی پچاس فیصد سیٹیں جیتنے کی امید کر سکتی ہے۔

پنجاب اور وفاقی علاقہ اسلام آباد کی ایک سو سولہ سیٹوں میں سے پچیس پر پیپلز پارٹی کے امیدواروں کی یقینی جیت دکھائی گئی ہے جو پہلی تجزیہ رپورٹ کی نسبت آٹھ سیٹیں کم ہے اسی طرح چوبیس سیٹوں پر پی این اے کے امیدواروں کی یقینی جیت دکھائی گئی ہے تیس سیٹوں پر پیپلز پارٹی کی پوزیشن بہتر اور تیرہ بہت خراب دکھائی گئی ہے جبکہ چوبیس سیٹوں پر صورت حال غیر واضح بتائی گئی ہے۔

ماہرین نے اس تجزیہ کے ساتھ اپنے نوٹ میں وزیر اعظم کو لکھا کہ ہمارے اندازے کے مطابق پیپلز پارٹی پنجاب اور وفاقی علاقہ سے مجموعی طور پچپن سیٹیں جیت لینے کی امید کر سکتی ہے جن چوبیس سیٹوں پر صورت حال واضح نہیں ان میں سے اسے کم از کم سولہ سیٹں ضرور جیت لینا چاہیں اس طرح مجموعی طور پر پارٹی اکہتر (71) سیٹیں حاصل کر لے گی

اور سب سے اہم یہ مشورہ دیا کہ "چونکہ یہ صوبہ سب سے اہم ہے اس لئے یہاں کوئی چیز بھی چانس پر نہیں چھوڑی جا سکتی۔ Nothing should be left to chance. ....

سندھ سے قومی اسمبلی کی تینتالیس (43) سیٹوں میں سے پچیس پیپلز پارٹی کو دی گئی ہیں جبکہ آٹھ پر پی این اے کی جیت یقینی بتائی گئی ہے تین سیٹوں پر پیپلز پارٹی کی پوزیشن بہتر اور ایک پر پی این اے کی بہتر پوزیشن دکھاتے ہوئے چھ سیٹوں پر صورت حال غیر واضح بتائی گئی ہے بلوچستان میں پانچ سیٹوں پر پیپلز پارٹی کی یقینی جیت ایک پر پوزیشن بہتر اور ایک پر خراب بتائی گئی ہے.........

ان تجزیہ رپورٹوں میں پیپلز پارٹی نے جو "بلا مقابلہ" سیٹیں پہلے ہی روز جیت لی تھیں وہ پارٹی کی یقینی جیت والی سیٹوں میں دکھائی گئی تھیں۔ تین روز بعد الیکشن کے نتائج کیا آتے ہیں؟ پیپلز پارٹی قومی اسمبلی کی کل 192ء سیٹوں (قبائلی علاقہ' خواتین اور اقلیتوں کی سیٹیں چھوڑ کر) میں سے ایک سو پچپن سیٹیں جیت جاتی ہے آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کے مشترکہ تجزیئے اور سروے بھی شکست کھا گئے تین روز پہلے کے تجزیہ میں پارٹی کی یقینی جیت صرف ساٹھ سیٹوں پر دکھائی گئی تھی انتالیس (39) سیٹوں پر اس کی پوزیشن بہتر دکھائی گئی تھی اس طرح بہتر پوزیشن کو شامل کر کے یہ پارٹی مجموعی طور پر ننانویں 99 سیٹیں جیتنے کی امید کر سکتی تھی اور انٹیلی جنس بیورو اور آئی ایس آئی کے مشوروں پر عمل کر کے اور آخری لمحہ تک "غیر متزلزل" کوششیں کر کے اور کوئی چیز بھی چانس پر نہ چھوڑ کر بھی ان کے تجزیہ کے

مطابق پیپلزپارٹی 192 میں سے زیادہ سے زیادہ ایک سو بائیس سیٹیں جیت سکتی تھی آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کے تجزیہ کے مطابق ملک کے سب سے اہم صوبہ پنجاب اور وفاقی علاقہ ''میں کوئی چیز بھی چانس پر نہ چھوڑ کر بھی یہ زیادہ سے زیادہ اکہتر سیٹیں حاصل کرنے کی امید کر سکتی تھی مگر جیت گئی ایک سو آٹھ سیٹیں یہ کہاں ہوا اور کیسے ہوا؟

پیپلزپارٹی کے اس دور کے ایک صوبائی وزیر نے جو انتخابات کے بعد پارٹی چھوڑ گیا تھا اور ادھر ادھر گھوم پھر کر پھر سے پارٹی میں واپس آ چکا ہے اپنی علیحدگی کے دور میں اپنے چیئرمین کی ہوس اقتدار کا ایک واقعہ خود مجھے بتایا تھا ایک تجزیہ اجلاس کی کارروائی جس میں مختلف انٹیلی جنس ایجنسیوں کے سربراہوں نے وزیراعظم کو اپنی اپنی جائزہ رپورٹیں پیش کی تھیں وزیر موصوف پنجاب کے نوجوانوں کے نمائندے کے طور پر خصوصی شرکت کے لئے گئے تھے انہوں نے بتایا کہ پہلے ایک ایجنسی کے سربراہ نے مختلف نقشوں علاقوں اور امیدواروں کے کوائف کے حوالے سے ملک کی ایک ایک حلقہ کی انتخابی صورتحال سے وزیراعظم کو آگاہ کیا اس کے بعد وزیراعظم نے نوجوان وزیر موصوف سے رائے طلب کی تو ان کے اپنے الفاظ میں ''میں نے حسب دستور چیئرمین کی توصیف و تعریف سے بات شروع کی اور کہا کہ اگر حزب اختلاف یہ انتخاب جیت بھی جائے تو نو پارٹیاں چھ ماہ بھی مل کر حکومت نہیں چلا سکیں گی اور ہم پھر واپس حکومت میں آ جائیں گے'' بقول سابق وزیر یہ سنتے ہی چیئرمین کا رنگ سرخ ہونے لگا اور انہوں نے گرجدار آواز میں کہا ''نہیں ہم یہ سانپ اور سیڑھیوں کا کھیل نہیں کھیل سکتے ہمیں ہر صورت میں جیتنا ہے''

اور بقول سابق وزیر ہی چیئرمین کا موڈ دیکھ کر دوسری انٹیلی جنس ایجنسی کے سربراہ نے اپنے تجزیہ میں نقشوں اور کوائف کی مدد سے پیپلزپارٹی کی پوزیشن بہتر دکھانا شروع کر دی۔

اس حوالے سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو نے اپنی تجزیہ رپورٹوں کی تیاری میں وزیراعظم کے موڈ کو سامنے رکھا ہو گا لیکن اگر یہ بات نہ بھی کہی جائے تو بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان قومی اتحاد' آئی ایس آئی اور انٹیلی جنس بیورو کے سارے ہی اندازے غلط کیسے ثابت ہو گئے جبکہ سارے اندرونی اور بیرونی ذرائع ابلاغ بھی مقابلہ سخت بتا رہے تھے اور ذوالفقار علی بھٹو کے اپنے مشیر انیس بیس کا فرق تسلیم کر رہے تھے۔

23

9 اپریل

پنجاب اسمبلی کے بلامقابلہ منتخب ارکان جب سخت حفاظتی پہرہ میں ایوان میں حلف لے رہے تھے تولاہور کی سڑکوں پر پولیس اور عوام میں شدید دست بدست لڑائی ہو رہی تھی اس لڑائی میں کامیابی عوام کو حاصل ہوئی اس کامیابی کے لئے محتاط اندازے کے مطابق انہیں سولہ جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ ملک وزیر علی نے پریس کانفرنس میں زخمیوں کی تعداد دو سو سے زائد بتائی پاکستان قومی اتحاد کے مطابق ہلاک شدگان میں پانچ لاہور ہائی کورٹ کا احاطہ کے اندر گولیوں سے شہید ہوئے ان میں سے تین ایک جج کے چیمبر کے دروازے پر میں نے بھی دیکھے تھے اس شام جب نواب صادق قریشی اور ان کی کابینہ کے ارکان نئی وزارتوں کی مبارکبادیں وصول کر رہے تھے تولاہور میں ماتم کی فضا تھی۔

9 اپریل 1977ء کو پنجاب اسمبلی کے پہلے اجلاس کے موقعہ پر پاکستان قومی اتحاد نے شہر میں آٹھ احتجاجی جلوس نکالے ان میں خواتین' طلبہ' علماء مشائخ اور دینی مدارس کے طلبہ' وکلاء' مزدوروں اور سیاسی کارکنوں کے جلوس شامل تھے جو شہر کے مختلف حصوں سے نکالے گئے تھے اور ان سب کی منزل اسمبلی ہال تھی خواتین کا جلوس اتحاد کے دفتر 9 شاہراہ فاطمہ جناح سے شروع ہوا اس کے ساتھ نوجوانوں کی بھاری تعداد بھی تھی جو جلوس پر پیپلز گارڈز کے حملہ کے خدشہ کی وجہ سے دونوں طرف ساتھ چل رہے تھے جلوس کی قیادت کرنے والی خواتین میں بیگم مولانا مودودی اور بیگم ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں بھی تھیں۔ پاکستان قومی

اتحاد کا جلوس نیلا گنبد سے شروع ہونا تھا لیکن پولیس نے رات ہی سے اس علاقہ کی ناکہ بندی کر رکھی تھی اس جلوس کی قیادت نوابزادہ نصراللہ خاں نے کرنا تھی۔

لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام پنجاب بھر کے وکلاء کا کنونشن تھا جس میں صوبہ بھر کی بار ایسوسی ایشنوں کے نمائندے اپنی اپنی باروں کی طرف سے تحریک اور احتجاج میں عملی تعاون اور یقین دہانی کرانے آئے تھے لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن ہال میں اس وقت ایم انور مرحوم تقریر کر رہے تھے ہم نے دیکھا چند برہنہ سر خواتین ہال میں داخل ہوئیں اور بتایا کہ شاہراہ فاطمہ جناح پر خواتین کے جلوس پر پولیس اور نتھ فورس لاٹھی چارج کر رہی ہے اور آنسو گیس کی بارش ہو رہی ہے ایم انور نے پیچھے مڑ کر دیکھا جھنڈا اٹھایا اور تقریر درمیان میں چھوڑ کر باہر کی طرف چل دیئے۔ ہائی کورٹ بار کے ہال میں موجود صوبہ بھر کے وکلاء جلوس کی صورت ان کے پیچھے ہائی کورٹ کے احاطہ سے شاہراہ قائداعظم کی طرف نکل آئے۔ ہائی کورٹ اور جی پی او کے سامنے ہر طرف انسان ہی انسان تھے نوابزادہ نصراللہ خاں قومی اتحاد کے جلوس کی قیادت کے لئے نیلا گنبد کی طرف جانا چاہتے تھے پولیس انہیں روکنے کی کوشش کر رہی تھی ہجوم پولیس کو روک رہا تھا جب پولیس پسپا ہونے لگی تو ایک ڈرائیور نے پولیس کی گاڑی نواب صاحب کی گاڑی سے ٹکرا دی ایک اخبار نویس دونوں گاڑیوں کے درمیان پھنس گیا۔ ہجوم نے نوابزادہ کو گاڑی سے نکالا اور ہم نے اپنے ساتھی کو نوابزادہ مڑے اور وہیں سے اسمبلی ہال کی طرف چل دیئے شاہراہ قائداعظم پر انسانوں کا ہجوم تھا پولیس تھی آنسو گیس کے بادل تھے اور گولیاں تھیں لیکن جلوس والوں کی بجائے بھاگ پولیس والے رہے تھے ایک نوجوان سپاہی اپنے ساتھیوں سے الگ ہو گیا وہ جان بچانے کے لئے جدھر رخ کرتا آگے کوئی ٹولی مل جاتی تھک کر وہ منہ کے بل گرا اٹھا اور پھر گر گیا ہم نے چھڑانا چاہا لیکن ہجوم میں کون کسی کی مانتا تھا۔

جلوس آگے بڑھتے رہے پولیس پیچھے ہٹتی گئی۔ گیس اور گولیوں کے طوفان میں عوام نے شاہراہ قائداعظم پر قبضہ کر لیا۔ کانٹے دار تار کی رکاوٹوں اور پولیس کے لاٹھی چارج کے باوجود خواتین بھی فیصل چوک تک پہنچ گئی تھیں۔ پولیس اب اسمبلی ہال کے اردگرد عوام کے "نمائندوں" کو عوام سے بچانے کی جدوجہد میں مصروف تھی جسے گھوڑ سوار رینجرز دستوں کی

مدد بھی حاصل تھی۔ لاہور کے شہریوں نے 9 اپریل کی شام تک لاہور کی سڑکوں' گلیوں اور بازاروں میں جمہوریت کی جنگ جیت لی تھی۔ شاہراہ قائداعظم پر کوئی پولیس کی گاڑی بھی نہیں گزر سکتی تھی۔

سرکاری اعلان کے مطابق اس روز شہر میں 6 بینک جلے اور 40 گاڑیاں مشتعل لوگوں نے دو پولیس والوں کو ہلاک کر دیا۔ پیپلز پارٹی حکومت کے مرکزی پبلسٹی سیل کے ایک اخبار نویس رکن عباس اطہر اسی روز قومی اتحاد کے خلاف تیار کردہ پوسٹر اور اتحاد کے راہنماؤں کے کارٹونوں کے بنڈلوں کے اسلحہ سے مسلح نئی مہم شروع کرنے والے تھے یہ اسلحہ شاہراہ قائداعظم پر لاہور پریس کلب کے ساتھ ہی ایک کمرے میں بھرا ہوا تھا دن بھر سامنے سڑک پر دست بدست لڑائی کا نظارہ کرنے کے بعد انہوں نے یہ گولہ بارود ضائع کرنے کا فیصلہ کر لیا اور اعلان کر دیا کہ "اب بھٹو نہیں رہ سکتا" اس نے وہیں کھڑے مجھے بتایا کہ اس کا ضمیر جاگ اٹھا ہے لیکن حکمرانوں کا ضمیر عوام کی ان قربانیوں اور سرکاری جبر اور ظلم کی مشینری کی ناکامی پر بھی بیدار نہ ہوا دوسرے روز کے اخبار میں بھی شہ سرخی ملک میں بلدیاتی انتخابات کے پروگرام کی خوشخبری کی تھی یہ نسخہ راؤ رشید کی عقل رسا نے بتایا اور سمجھایا تھا کہ لوگ بلدیاتی انتخابات میں لگ کر قومی اسمبلی کے انتخابات کی دھاندلیاں بھول جائیں گے' اور تحریک دم توڑ دے گی لیکن 9 اپریل کو تحریک ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو گئی تھی اس روز لاہور کی سڑکوں' گلیوں اور بازاروں میں جو کچھ دیکھا کئی سال بعد بھی اس کے تصور سے روح کانپ جاتی ہے شاہراہ قائداعظم میدان جنگ کا منظر پیش کر رہی تھی شہر پر اتحاد کے کارکنوں کا قبضہ معلوم ہوتا تھا وزراء کی کوٹھیوں پر پہرہ میں اضافہ کر دیا گیا۔

(24)

بریگیڈیئر مستعفی کیوں ہوئے

بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) محمد اشرف پاکستان قومی اتحاد کی 1977ء کی تحریک کے دوران فوج سے مستعفی ہو گئے تھے لاہور میں متعین ان کے دو ساتھی بریگیڈیئر بھی انہی دنوں مستعفی ہو گئے تھے فوجی کیریئر کی آخری سیڑھی کو چھو کر انہوں نے یہ انتہائی فیصلہ کیوں کیا؟ اس بارے میں انہوں نے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ نومبر 1992ء میں بریگیڈیئر صاحب اس انتہائی فیصلہ کی وجوہات اور اثرات کے بارے میں انٹرویو پر آمادہ ہو گئے۔

س: بریگیڈیئر صاحب 1977ء میں لاہور میں مارشل لاء کے دوران آپ نے فوج سے مستعفی ہونے کا بڑا مشکل اور Extreme فیصلہ کیا تھا آپ بتائیں کہ کن حالات میں اور کس دباؤں کے تحت آپ کو یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا؟

ج: لاہور آنے سے پہلے میں آزاد کشمیر میں ایک بریگیڈ کی کمان کر رہا تھا میں تین سال وہاں رہا اس جگہ ہمارے سامنے دشمن تھا ہماری ساری توجہ دشمن کی طرف ہوتی ہے وہاں پر میں صورتحال کے بارے میں فیصلہ کرنے میں کافی حد تک آزاد تھا حالانکہ میں ایک بریگیڈ کمان کر رہا تھا مگر اعلیٰ کمان وہاں پر ہمارے فیصلوں میں مداخلت کر بھی نہیں سکتی تھی اور نہ ہی کیا کرتی تھی یہ اپریشنل (Operational) ماحول میری طبیعت کے مطابق تھا وہاں سے جب مجھے اچانک لاہور تبدیل کیا گیا تو وہاں صورتحال بالکل ہی مختلف تھی دشمن کی بجائے ہمارے مقابل اپنے لوگ تھے جو الیکشن میں دھاندلی کے

حوالے سے احتجاج کر رہے تھے ڈویژنل کمانڈر اور کور کمانڈر ہمارے سر پر بیٹھے تھے یہاں پر جو فیصلہ بریگیڈ کمانڈر کیا کرتا تھا لاہور میں وہ فیصلہ کور کمانڈر کرتا تھا ساری صورتحال کو خود کور کمانڈر کنٹرول کر رہا تھا ڈویژنل کمانڈر کی پوزیشن بھی بالکل کمزور تھی اسی وجہ سے مسائل پیدا ہوئے۔

س: کمزور کن معنوں میں؟

ج: جب میں راولا کوٹ سے لاہور پہنچا۔ تو میرے ایک دوست جو لاہور میں بریگیڈ کمان کر رہے تھے مجھے سٹیشن سے لینے آئے باتوں باتوں میں وہ کہنے لگے اب راولا کوٹ کو بھول جاؤ لاہور میں صرف ایک کمانڈر ہے اور وہ یہاں کا کور کمانڈر ہے بریگیڈ کمانڈر کی پوزیشن یہاں یونٹ کے ایڈوجوٹنٹ جیسی ہے مجھے تو یہ کمان پیٹرن بڑا عجیب سا لگا ہم کوئی معمولی سے معمولی مسئلہ بھی پیش کرتے تو ڈویژن کمانڈر اس بارے میں خود کوئی فیصلہ کرنے کی بجائے فوراً ہی وہ مسئلہ کور کمانڈر کے سامنے پیش کر دیتے اور خود کوئی جواب دینے کی بجائے کہتے کہ میں کور کمانڈر سے پوچھ کر بتاتا ہوں میں نے اس قسم کے کمانڈ پیٹرن (Pattern) میں اپنے آپ کو مشکل میں محسوس کیا اعلیٰ کمانڈر میں جو اعتماد ہوتا ہے وہ پیدا ہی نہ ہو سکا لاہور میں جو صورتحال تھی وہاں مارشل لاء لگا ہوا تھا اور فوج نے ہر چھوٹا کام خود سنبھالا ہوا تھا جو کام پولیس آسانی سے کر سکتی تھی وہ بھی فوج سے لیا جا رہا تھا جب میں نے ایس ایم ایل اے (سب مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر) کے طور پر چارج لیا تو میں نے اس کی نشاندہی بھی کی ہمارا یہ بھی خیال تھا کہ فوج کا کام امن و امان بحال کرنا تھا اس کے لئے سیاسی جھگڑے میں فریق بن جانا کسی صورت مناسب نہیں یہ سوچ درست نہیں تھی کہ پی این اے کے ساتھ جو لوگ احتجاج کر رہے تھے وہ ملک دشمن ہیں اس وقت یہ عام تاثر تھا کہ الیکشن میں دھاندلی ہوئی ہے۔

س: تو کیا فوج کسی فریق کا ساتھ دے رہی تھی؟

ج: فوج کو سمجھداری سے استعمال نہیں کیا جا رہا تھا۔

Tendency was to sort them out.

س: کس کو Sort out کرو؟

ج: پی این اے والوں کو یا جو بھی نعرے لگاتا ہے شور شرابہ کرتا ہے یا جلوس وغیرہ ہی نکالتا ہے اس طرح کے لوگوں کو ہمارا خیال تھا کہ اگر کچھ لوگ اکٹھے ہو کر حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم ان پر گولی چلا دیں اور انہیں کچل دیں زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ انہیں نعرے وغیرہ لگا کر پرامن طریقے سے منتشر ہو جانے دیا جائے لیکن اگر کوئی آگ لگاتا ہے یا بینک لوٹتا ہے یا اور غیر قانونی کارروائی کرتا ہے تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے عام طور پر ہمارا نقطہ نظر یہ تھا کہ اگر آپ بہت زیادہ طاقت استعمال کریں گے تو اس سے حالات مزید خراب ہوں گے اس طرح آپ حکومت کی مدد نہیں کریں گے بلکہ حالات خراب کر کے حکومت کے خلاف جا رہے ہیں۔

س: جونیئر آفیسروں کا فوج کے اس استعمال کے بارے میں کیا ردعمل تھا اور جوانوں کی سوچ کیا تھی؟

ج: اکثر آفیسروں کا یہی خیال تھا کہ آپس میں کوئی سیاسی سمجھوتہ ہونا چاہئے لاہور میں تو میں تھوڑی دیر رہا لیکن باقی جگہوں پر بھی آفیسروں کی سوچ یہی تھی ان پر بھی اثر تھا وہ کہتے تھے کہ حکومت کو اس سمجھوتے کے لئے کوئی ابتدا کرنی چاہئے یہ آفیسروں کی عام سوچ بتا رہا ہوں میری اپنی سوچ بھی یہی تھی کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے اس کا کوئی سیاسی طریقے سے حل نکالنا چاہئے صورتحال ایسی ہی تھی ان دنوں قریباً ہر روز ڈویژن ہیڈ کوارٹر میں صورتحال کے بارے میں کانفرنس ہوا کرتی تھی میں اور میرے رفقا نے ان میٹنگز میں کئی بار اصرار کیا کہ حکومت کو صحیح صورتحال سے آگاہ کیا جائے اور مسئلہ کو سیاسی طریقہ سے سلجھانے کی کوشش کرنے کے لئے کہا جائے لیکن بدقسمتی سے وقت گزرتا جا رہا تھا اور حالات اور بھی خراب ہو رہے تھے اور جس طرح فوج کو چھوٹے چھوٹے دستوں میں پورے شہر میں متعین کیا ہوا تھا اس طرح تصادم ناگزیر تھا، ہمیں یہ تشویش تھی کہ اگر اصلاح کی کوئی کوشش نہ کی گئی اور حالات مزید خراب ہوئے تو ملک پر مارشل لاء مسلط ہو جائے گا صورتحال پر ہم آپس میں بات کرتے

رہتے تھے ڈویژن کے چار بریگیڈیئرز میں سے ہم تین کی سوچ ایک جیسی تھی اور ہم اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کر رہے تھے چوتھے بریگیڈ کمانڈر اپنی رائے کے اظہار میں کافی محتاط تھے ہماری بات کا کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا اور حالات کی بہتری کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے اس لیئے ہم نے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا تاکہ آرمی کی ہائی کمان اور حکومت مسئلہ کی Gravity سے آگاہ ہو اور اسے فوراً حل کرنے کی کوشش کرے۔

س: ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ کور کمانڈروں کی میٹنگوں کا جو حال مجھے معلوم ہے اس کے مطابق تو جنرل اقبال نے بھی ان میٹنگوں میں یہی کہا تھا کہ کوئی سیاسی سمجھوتہ ہونا چاہئے آپ بھی یہی کہتے تھے کہ سیاسی سمجھوتہ ہونا چاہئے پھر آپ کے اور آپ کے کور کمانڈر کے درمیان سوچ کا تضاد کیسے ہوا؟

ج: اگر وہ بھی یہی سوچتے تھے تو پھر تضاد کوئی نہیں ہو سکتا ہے وہ بھی ایسا ہی سوچتے ہوں گے مگر ہمیں ان کی سوچ کا علم نہیں تھا۔

س: چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق سے بھی تو آپ کی ملاقات ہوئی تھی؟

ج: میرے استعفےٰ دینے کے دوسرے روز جنرل ضیاء الحق لاہور گئے تھے اور مجھ سے پوچھا کہ تم نے کیوں ایسا کیا ہے تو میں نے کہا کہ صورتحال کو جیسے ہینڈل کیا جا رہا ہے اور فوج کو جس طرح استعمال کیا جا رہا ہے مجھے اس سے اختلاف ہے تو انہوں نے کہا کہ جو کچھ تم نے کیا ہے اس سے فوج تباہ ہو جائے گی تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے اور مستعفی نہیں ہونا چاہئے اس سے فوج کے ڈسپلن پر برا اثر پڑے گا "It will destroy the army." جبکہ میری سوچ یہ تھی کہ اس استعفے سے نہیں بلکہ جس طرح سے مارشل لاء کے لئے فوج کو استعمال کیا جا رہا ہے اس سے فوج تباہ ہو گی اور یہ بھی کہ یہ ایک سیاسی مسئلہ ہے یہ صرف فوجی طاقت کے استعمال سے حل ہونے والا مسئلہ نہیں چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے آپ حکومت کو آمادہ کریں کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے وہ سیاسی طریقہ اپنائے جب میں نے یہ کہا تو جنرل ضیاء الحق صاحب نے جواب دیا

"Don't you believe me that I am telling the government but they are not listening to me. Then what should I do."

(آپ یقین کریں کہ میں حکومت سے یہی بات کہتا رہتا ہوں مگر وہ میری بات ہی نہیں سنتے میں کیا کروں؟) تو میں نے کہا کہ

"I am only a brigade commander. I have acted as
" I have acted as I have seen fit. It is for you to make your own judgment and decide."

(میں صرف ایک بریگیڈ کمان کر رہا ہوں اور میں نے وہ فیصلہ کر لیا جو ان حالات میں مجھے مناسب معلوم ہوا آپ خود سوچیں اور ان حالات میں جو مناسب سمجھیں اپنے بارے میں فیصلہ کریں) بہر حال وہ اس بات پر زور دیتے رہے کہ مجھے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنی چاہئے کیونکہ میرا فیصلہ فوج کے لئے بہتر نہیں ہو گا لیکن میں نے انہیں بتایا کہ ان حالات میں یہ فیصلہ میں نے سوچ سمجھ کر کیا ہے اور میں اس کو واپس نہیں لے سکتا تو انہوں نے کچھ ناراض ہو کر کہا کہ اگر تم نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے تو پھر جی ایچ کیو جائیں اور کل وہاں ایم ایس برانچ میں رپورٹ کریں میں نے انہیں سیلوٹ کیا ہاتھ ملا کر رخصت کرتے وقت انہوں نے کہا " I still hope better sense will prevail". (مجھے امید ہے کہ اس بارے میں جب تم مزید غور و فکر کرو گے تو کوئی بہتر فیصلہ ہی کرو گے) بریگیڈیر نیاز اور بریگیڈیئر اشتیاق نے بھی اسی موقع پر استعفے دیئے تھے بریگیڈیئر اشتیاق سے اسی سلسلہ کی ملاقات میں چیف آف آرمی سٹاف نے یہ بتایا کہ میں حکومت کو سیاسی سمجھوتہ کے لئے کہہ رہا ہوں مگر وہ سنتے ہی نہیں اور پوچھا تھا کہ "کیا پھر ہم ملک میں مارشل لاء لگا دیں؟" بریگیڈیئر اشتیاق اور ان کے آفیسروں نے انہیں جواب دیا کہ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے۔

س: جی ایچ کیو کی اعلیٰ کمان اور عام آفیسروں نے آپ کو کیسے Receive کیا؟

ج: جی ایچ کیو کے عام آفیسروں کی اکثریت نے تین بریگیڈیئروں کے فیصلے کو سراہا اور ہمیں بڑی عزت سے دیکھا وہاں ہمارے لئے بہت زیادہ Goodwill تھی۔

س: سینئر آفیسروں کا کیا رد عمل تھا مثلاً سی جی ایس اور دوسرے اعلیٰ افسروں کا؟

ج: سی جی ایس اس وقت جنرل عبداللہ صاحب تھے جب انہوں نے ہم تینوں کو بلایا تو ان سے مختصر سی ملاقات ہوئی تھی جس میں انہوں نے ایک بات پر زور دیا تھا کہ ہم کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے ہم دوسرے فوجی آفیسروں پر اثرانداز ہوں

He did not appear to be very happy with us. (ہمارے اس فیصلے پر وہ ناخوش معلوم ہوتے تھے) اس وقت ایڈجوٹنٹ جنرل جنرل ریاض صاحب تھے میں انہیں پہلے سے جانتا تھا وہ چونکہ ڈسپلن کے انچارج تھے ہمارا کیس وہی کر رہے تھے انہوں نے بھی مجھے بلایا اور پوچھا کہ ہم نے ایسا فیصلہ کیا کیوں؟ اور پھر مجھ سے کہا

"Do you know the consequences of what you have done?" (آپ نے جو کچھ کیا ہے آپ کو اس کے نتائج کا بھی علم ہے) تو میں نے عرض کیا کہ پہلے تو مجھے ایسا کوئی خیال نہیں آیا تھا کہ ہمارے مستعفی ہو جانے کی درخواست کے کوئی نتائج بھی ہوں گے میں نے تو صرف درخواست کی تھی کیونکہ ہمیں اعلیٰ کمان کی پالیسی سے اتفاق نہیں تھا اسی اختلاف رائے کی وجہ سے ہم نے درخواست کی ہے لیکن اب آپ نے اس کے نتائج کی بات کی ہے تو مجھے احساس ہوا ہے کہ واقعی ہمارے اس فیصلے کے تو نتائج بھی ہونا چاہئے کیونکہ اس ملک میں کسی اعلیٰ اتھارٹی سے کسی معاملے میں اختلاف کرنا واقعی ایک جرم ہے ان حالات میں ہم نے جو کچھ کیا ہے اس کے نتائج ہونا ہی چاہئے اس لئے آپ ہمیں ایسے ہی Admin-istrative action. لے کر نہ چھوڑ دیں بلکہ ہمارا کورٹ مارشل کریں اور کورٹ مارشل کے لئے اپنی مرضی کے آفیسر لگائیں اور ہمیں سزا دے کر جیل بھجوائیں تاکہ آئندہ کسی کو ایسا کرنے کی جرات ہی نہ ہو۔

س: جب چیف آف آرمی سٹاف نے اس حکومت کو ختم کر کے مارشل لاء لگا دیا تب آپ کا رد عمل کیا تھا؟

ج: مارشل لاء لگنے کے دو یا تین روز بعد جنرل ریاض صاحب نے مجھے بلایا وہ مجھے چوہدری صاحب کہا کرتے تھے جب میں ان کے دفتر میں داخل ہوا تو انہوں نے کہا

چوہدری صاحب کیا حال ہے آپ کا؟ میں نے کہا ٹھیک ہوں تو انہوں نے پوچھا Are you still in one piece. میں نے کہا جی ٹھیک ہوں جنرل ریاض اب نئے حکمران ٹولہ کا حصہ تھے وہ جنرل ضیاء الحق کے بہت قریب تھے انہوں نے میز پر مکا مارتے ہوئے پوچھا And what do you say now? (اب آپ کیا کہتے ہیں) میں تھوڑی دیر خاموش رہا اور پھر کہا سر جب میں لاہور سے آیا تھا تو آپ نے مجھ سے پوچھا تھا کہ Whether I know the consequences of what I had done?

(کہ میں نے جو کچھ کیا ہے اس کے نتائج کا مجھے علم ہے) میں نے کہا

Sir I like to ask the same question from you today whether you know the consequences of what you have done?

(آج میں وہی سوال آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جو کچھ کیا ہے کیا اس کے نتائج کا آپ کو علم ہے؟) تو جنرل صاحب نے کہا What do you mean? (آپ کا مطلب کیا ہے؟) اور پھر خود ہی کہنے لگے You mean clause 6 of the constitution. (کیا آپ کا مطلب آئین کی دفعہ 6 سے ہے؟) تو میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو نتائج کا علم ہے (It seems you know the consequences). (It) تو کہنے لگے کہ تم کیوں ایسے سوچتے ہو لوگ تو سارے خوش ہیں تم عجیب آدمی ہو تمہاری رائے اقلیتی رائے ہے میں نے کہا ہو سکتا ہے میری رائے اقلیتی رائے ہو مگر میری رائے یہی ہے وہ کہنے لگے تم ضیاء الحق کو نہیں جانتے وہ ایک مرد مومن ہے میں انہیں جانتا ہوں تو میں نے کہا کہ ہم تو صرف اختلاف رائے اور درخواست کی تھی کہ ہمیں ریٹائر کر دیا جائے اور اس وجہ سے ہم مجرم (Criminal) بن گئے اور وہ جس نے بغاوت کر کے حکومت کا تختہ الٹ دیا وہ مرد مومن بن گیا ایک وقت آئے گا اس ملک میں کسی چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پر آئین کی دفعہ 6 کے تحت مقدمہ چلے گا اور اسے اس جرم میں سزائے موت دی جائے گی وہ موجودہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ہو گا یا کوئی بعد میں آنے والا مگر ہو گا یہ ضرور اور اس کے بعد یہ ملک بالکل ٹھیک ٹھاک چلے گا میری بات سن کر جنرل صاحب بڑے حیران ہوئے۔

س: آپ کو اپنے فیصلہ یا اس کے نتائج پر کبھی افسوس بھی ہوا؟

ج: اپنے اس فیصلے پر ذاتی حوالے سے مجھے کبھی کوئی دکھ یا افسوس نہیں ہوا البتہ ایک چیز نہ ہو سکی اس کا مجھے افسوس ہے میری خواہش تھی کہ کسی اعلیٰ عدالت کے سامنے یہ کیس پیش کیا جاتا اور اس پر کھل کر بحث ہوتی کہ جس صورتحال میں ہم نے استعفے دیئے اس میں صحیح طریقہ کیا تھا جس پر عمل کیا جاتا اس وقت تین رویے سامنے آئے اکثریت کی سوچ مختلف تھی مگر انہوں نے عمل سے سوچ کا ساتھ نہ دیا بلکہ حکم ماننے اور نوکری کرنے کو پسند کیا اور خاموشی سے جو بھی حالات تھے انہیں برداشت کیا دوسرا راستہ وہ تھا جو تین بریگیڈیئروں نے اختیار کیا اور اختلاف کی وجہ سے مستعفی ہو گئے تیسرا راستہ وہ تھا جو جنرل ضیاء الحق صاحب نے اختیار کیا اور حکومت پر قبضہ کر لیا میری خواہش تھی کہ کسی اعلیٰ قانون کی عدالت کے ذریعے یہ فیصلہ کیا جاتا کہ ان میں سے درست راستہ کون سا تھا اور مجرم کون تھا اور مرد مومن کون اب بھی کسی طرح یہ ہو سکے تو یہ فیصلہ ہو جانا چاہئے ملک کے اور فوج کے مستقبل کے لئے یہ فیصلہ کرنا بہت ضروری ہے دوسرا جس کا مجھے ہمیشہ ہی افسوس رہے گا وہ یہ کہ ہمارا فیصلہ ملک کو مارشل لاء کی طرف لے گیا فوری طور پر اس کا اثر صحیح ہوا آرمی ہائی کمان اور حکومت کو حالات کی نزاکت کا خطرہ کا احساس ہوا حکومت نے ہمارا استعفے دینے کے چند دنوں کے اندر سیاسی اقدامات کئے اپوزیشن سے رابطے کئے اور مذاکرات کا آغاز کیا ملک میں امن و امان ہو گیا اور فریقین کے درمیان سمجھوتہ طے پا گیا نئے الیکشن پر رضامندی ہوئی الیکشن کی تاریخ بھی مقرر ہوئی لیکن قوم کی انتہائی بدقسمتی کہ اس پر عمل نہ ہو سکا اور ملک ایک طویل مارشل لا کے تحت چلا گیا اور مارشل لاء لگانے والوں نے شاید ہمارے استعفے کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کیا۔

س اگر چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق اس وقت وہ راستہ اختیار کرتے جو آپ نے کیا تو آپ کے خیال میں کیا وہ درست ہوتا؟ اور کیا نتائج ہوتے؟

ج: میں سمجھتا ہوں کہ جنرل ضیاء الحق کو ان حالات میں وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے

تھا جو ہم نے کیا آئندہ بھی سینئر آفیسروں کو جن کے سر ذمہ داری ہوتی ہے اگر انہیں اختلاف ہو تو اس طریقے سے اس کا اظہار کرنا چاہئے وہ اپنے ادارہ کو نقصان نہ پہنچائیں اپنے آپ کو اپنی ذات کو نقصان پہنچا کر الگ ہو جائیں یہ اس کے ادارہ کے لئے بہتر ہے جنرل ضیاء الحق اگر یہ راستہ اختیار کرتے تو پھر کسی اور کو مستعفی ہونے کی ضرورت نہ پڑتی۔

س: آپ نے کبھی قانونی مشیروں سے اس بارے میں مشورہ کیا؟

ج: میری خواہش تھی کہ یہ فیصلہ ہو جائے مجھے افسوس ہے کہ جنرل ضیاء الحق کی زندگی میں ایسا نہ ہو سکا میں نے کئی بار اپنے ایک دوست سے کہا جو جج ایڈووکیٹ جنرل رہ چکے ہیں تو انہوں نے یہی کہا کہ اس وقت کچھ نہیں ہو سکتا ملک میں مارشل لاء ہے سر دیوار سے مارو گے تو کچھ حاصل نہیں ہو گا ایک دفعہ ہم لاہور بھی گئے تھے ایک بیرسٹر کے پاس تو انہوں نے ہماری پنشن ریٹائرمنٹ اور سزا وغیرہ کی بات کی کہ یہ چیزیں اٹھائی جا سکتی ہیں تو ہم نے کہا ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اصل چیز کرنے والی یہ ہے کہ اس بات کو مانا جائے کہ اختلاف کی بناء پر استعفی دینا کوئی جرم نہیں ہے اور یہ فیصلہ کیا جائے کہ تین برگیڈیئروں نے ٹھیک کیا؟ یا انہیں بھی فوج میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اقتدار پر قبضہ کی کوشش کرنا چاہئے تھی (مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ان مستعفی ہونے والے تین برگیڈیئروں کے رینک میں تنزلی کر کے لیفٹیننٹ کرنل کے طور پر ریٹائر کر دیا گیا تھا اور اسی رینک کی پنشن دی گئی تھی)

س: پاکستان قومی اتحاد والوں سے آپ کا کوئی رابطہ ہوا؟ وہ ضیاء الحق کے ساتھ حکومت میں شریک رہے انہوں نے کبھی آپ سے ہمدردی ظاہر کی یا کچھ کرنے کا اظہار کیا؟

ج: محمد خان جونیجو صاحب سے میرے پرانے تعلقات تھے مارشل لاء کے نفاذ کے بعد ابھی وہ ضیاء الحق کی پہلی کابینہ میں وزیر نہیں بنے تھے اور اسلام آباد آئے ہوئے تھے میں ان سے ملنے گیا تو انہوں نے کہا چلو کہیں باہر چل کر چائے پیتے ہیں وہ گاڑی خود چلا رہے تھے وہ مجھے ایک گھر میں لے گئے جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں تھا

کس کا ہے وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اس گھر میں پیر صاحب پگاڑہ ٹھہرے ہوئے ہیں جونیجو صاحب نے ان سے میرا تعارف کرایا تو پیر صاحب بڑی گرم جوشی سے ملے اور کہا کہ ہماری نظروں میں آپ کی بہت عزت ہے جو کچھ آپ نے کیا اس کی قدر ہے اگر ہم اقتدار میں آ گئے تو ہم آپ کو اعلیٰ مقام دیں گے تو میں نے عرض کیا کہ پیر صاحب آپ کا بہت شکریہ ہم نے کوئی ایسی چیز نہیں کی جس کا ہمیں انعام ملنا چاہئے جو کچھ میں نے کیا وہ اپنے ضمیر کے اطمینان کی خاطر کیا تھا میں نے کسی سیاسی پارٹی کے حق میں یا خلاف کچھ نہیں کیا میرا ایسا کوئی نظریہ بھی نہیں تھا آپ کا بہت شکریہ میں کسی ایوارڈ وغیرہ کے لئے تیار نہیں میری بات سن کر پیر صاحب نے اس کو بہت سراہا؟

س: مارشل لاء کے نفاذ کے بعد جنرل ضیاء الحق کی طرف سے کوئی رابطہ یا پیغام؟

ج: نہیں جنرل ضیاء الحق صاحب سے کبھی ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہوا۔

س: جنرل ضیاء الحق کی وفات پر آپ کا کیا رد عمل تھا؟ ان کا دور کیسا تھا؟

ج: جنرل ضیاء الحق کی وفات پر مجھے ایسا دکھ ہوا جیسا ایک انسان کو دوسرے انسان کی اس طرح کی موت پر ہوتا ہے لیکن اس کے علاوہ بھی مجھے یہ دکھ ہوا کہ ان کی زندگی میں یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ درست کیا تھا اور غلط کیا اور یہ کہ مارشل لاء لگا کر انہوں نے آئین کی خلاف ورزی کی یا نہیں مجھے افسوس ہے کہ کسی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر پر آئین کی خلاف ورزی کرنے پر مقدمہ نہ چل سکا ایسا ہونا ملک کے مستقبل کے لئے ضروری تھا۔

س: ان کا دور کیسا تھا؟

ج: یہ آپ لوگ مجھ سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں میں مارشل لاء کی کبھی حمایت نہیں کر سکتا یہ ملک کے خلاف ایک سنگین جرم ہے خواہ کسی کی طرف سے بھی ہو جب جنرل ضیاء الحق نے مارشل لاء لگایا تو اس کا کوئی جواز نہیں تھا اس سے پہلے بھی جب مارشل لاء لگائے گئے ان کا بھی کوئی جواز نہیں تھا میرا پختہ یقین ہے کہ ملک کا مستقبل جمہوریت سے وابستہ ہے۔

25

نیا جال

پاکستان قومی اتحاد کے ان راہنماؤں کو جو مذاکرات کے سلسلہ میں سہالہ میں اکٹھے کئے گئے تھے۔ ملک بھر کی جیلوں میں واپس بھیج دیا گیا ذوالفقار علی بھٹو مفتی محمود سے ملاقاتوں میں نئے سرے سے انتخابات پر راضی ہو چکے تھے۔ پاکستان میں سعودی سفیر بھی بھٹو اور اتحاد کے راہنماؤں سے مسلسل ملاقاتیں کر رہے تھے اور بہت پر امید نظر آ رہے تھے پاکستان پیپلز پارٹی کی پارلیمانی کمیٹی نے بھی بھٹو کو مذاکرات کا اختیار "دے دیا تھا جس کے بعد بھٹو نے سہالہ میں مقید اتحاد کے راہنماؤں سے بات چیت بھی شروع کر دی تھی پھر انہوں نے خود ہی یہ سلسلہ ختم کر دیا

میں نے اپنی ڈائری دیکھی تو اس بارے میں لکھا تھا "پاکستان قومی اتحاد اور جبری وزیر اعظم کے درمیان بات چیت کی ناکامی کے بعد ہم ایک نئے دور میں داخل ہو گئے ہیں یہ دور مصر کے جمال عبدالناصر کا ہو گا یا بنگلہ دیش کے جنرل ضیاء الرحمٰن کا ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا مگر یہ بات چیت ختم ہو گئی؟ جبری وزیر اعظم نے ایک بار پھر قومی اتحاد کا اتحاد ختم کرنے کی کوشش کی اس کوشش میں ناکامی بات چیت کی ناکامی پر منتج ہوئی۔ باخبر "حلقوں" کے مطابق مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصراللہ خاں، شیر باز مزاری اور پیر صاحب پگاڑہ کو تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں سے کچھ جائز شکایات تھیں ذوالفقار علی بھٹو نے ان شکایات اور اصغر کی سیاسی بے تدبیری سے فائدہ اٹھانا چاہا "اصغر خاں کو امریکہ سے کروڑوں روپیہ ملا ہے میرے پاس اس کا ثبوت ہے" اس نے اتحاد کے راہنماؤں کو اصغر خاں سے الگ

ہو کر بات چیت پر آمادہ کرنے کے لئے ان سے کہا اتحاد کے بعض راہنما اس طرف مائل ہونے لگے تو میاں طفیل محمد نے اصغر خاں کو روپیہ ملنے کی تردید کی نہ تصدیق انہوں نے اتحاد کے راہنماؤں سے کہا کہ اس بارے میں بعد میں دیکھا جائے گا اب اس مرحلہ پر اصغر خاں کو اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا اس کے بعد ہم عوام کے سامنے کیسے جائیں گے اگر اس سے اتحاد ختم ہو گیا تو عوام کو کیا منہ دکھائیں گے؟ میاں طفیل محمد کے سخت رویہ کی وجہ سے اصغر خاں کو الگ کر کے بات چیت پر اتفاق نہ ہو سکا۔ بھٹو نے اتحاد کے راہنماؤں کو یہ بھی کہا تھا "میں نے مشیر پیش امام کے ذریعے اس بارے میں تمام کاغذات اور ریکارڈ حاصل کر لیا ہے میں اصغر خاں پر مقدمہ قائم کرنے والا ہوں ایک اور مقدمہ فوج کے افسروں کو خط لکھنے پر بھی چلاؤں گا" ان الزامات اور کاغذات کی کیا حقیقت تھی اس بارے میں کسی نے کچھ نہیں سوچا جماعت کے راہنماؤں کا موقف تھا کہ یہ سب کہانی بھٹو نے اتحاد کو توڑنے کے لئے گھڑی ہے جب بھٹو کی ان کوشش سے بھی اتحاد نہ ٹوٹ سکا تو بات چیت ٹوٹ گئی۔"

سہالہ میں اسی قیام کے دوران بھٹو نے مفتی محمود کو بعض نقشوں کی مدد سے ایران اور بھارت کی فوجوں کی پوزیشن اور نقل و حرکت سے خوفزدہ کرنے کی بھی کوشش کی مفتی محمود نے اپنے ساتھیوں کو اس بارے میں آ کر بتایا کہ وہ کہتا ہے بھارت اور ایران کی فوجیں پاکستان پر چڑھ دوڑنے کے لئے تیار کھڑی ہیں تو پروفیسر غفور نے انہیں بتایا کہ جب بھٹو نے نیپ پر پابندی لگائی تھی تو اس وقت بھی انہیں جی ایچ کیو میں لے جا کر نقشوں کی مدد سے بتایا گیا تھا کہ افغانستان کی فوجیں پندرہ میل تک پاکستان کی حدود کے اندر آ گئی ہیں انہیں نقشوں کی مدد سے افغانی فوجوں کی پوزیشن بھی دکھائی گئی تھی جس پر انہوں نے کہا تھا کہ مجھے ہیلی کاپٹر فراہم کیا جائے میں افغانستان کی فوجیں خود دیکھنا چاہتا ہوں فوجی حکام نے بھٹو تک یہ مطالبہ پہنچایا جس نے ہیلی کاپٹر دینے سے انکار کر دیا تھا پروفیسر غفور کی تجویز پر مفتی محمود نے بھٹو سے کہا کہ مجھے آپ ہیلی کاپٹر فراہم کر دیں میں خود بھارت اور ایران کی فوجوں کی پوزیشن دیکھنا چاہتا ہوں۔ بھٹو اس دفعہ بھی ایسا نہ کر سکے۔

اس سے پہلے وہ اتحاد کے سیکرٹری جنرل رفیق احمد باجوہ سے ملاقات کے ذریعے ایسی کوشش کر چکے تھے لیکن اتحاد کے راہنماؤں نے خوش اسلوبی سے اس وقت بھی بحران پر قابو

پالیا تھا اتحاد اور تحریک کو متاثر نہیں ہونے دیا تھا۔

اسی ناکامی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے جمعہ 13 مئی کو قومی اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے پاکستان قومی اتحاد کا نئے سرے سے انتخابات کرانے کا مطالبہ مسترد کرتے ہوئے ملک میں ریفرنڈم کرانے کا اعلان کر دیا اور کہا کہ "میں عوام سے پوچھوں گا کہ وہ مجھے وزیر اعظم رکھنا چاہتے ہیں یا نہیں میں قومی اسمبلی کو قربان نہیں کر سکتا ہاری ہوئی پارٹی کو مجھ سے استعفٰی طلب کرنے کا کوئی حق نہیں" اور تین روز بعد ہی وزیر قانون عبدالحفیظ پیرزادہ نے اسی قومی اسمبلی سے ریفرنڈم کے بارے میں آئین میں ترمیم کا بل بھی منظور کروا لیا جس کی قانونی حیثیت کے بارے میں ہی یہ سب تنازعہ تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کا اندرون اور بیرون ملک امیج یہ تھا کہ وہ قابل اعتماد نہیں ان کی کسی بات پر یقین نہیں کیا جا سکتا حزب اختلاف کی جماعتوں اور راہنماؤں کو ذاتی طور پر اس کے اقتدار میں آنے کے بعد سے اس کا تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس نے 1973ء کے متفقہ آئین میں یکطرفہ تبدیلیاں کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا حزب اختلاف سے کئے گئے کسی بھی سمجھوتے پر کبھی کاربند نہیں رہا تھا اس بحران کے دوران بھی جسے حل کرنے کے لئے دوست عرب ممالک کے نمائندے کوشش کرتے رہے تھے اس نے اس تاثر کو مزید پختہ کر دیا ایک طرف وہ قومی اتحاد کے کے راہنماؤں سے بات چیت کر رہا تھا ان سے ملک میں نئے انتخابات پر اتفاق کر رہا تھا اور دوسری طرف اسمبلی سے ریفرنڈم کے لئے آئین میں ترمیم کرائی جا رہی تھی اس رویہ اور تجربہ کی بنا پر تحریک استقلال کے سربراہ ایئر مارشل اصغر خان بھٹو سے ہوشیار رہنے اور اس کی باتوں پر یقین نہ کرنے کا مشورہ دیتے رہتے تھے جو ان کے بعض ساتھیوں کو پسند نہیں تھا ایئر مارشل اصغر خاں کے اس مشورہ کا برا ماننے والے بھی کسی بری نیت سے ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ ملک کو اس بحران سے نکالنے کے لئے فکر مند تھے اور خلوص نیت سے بات چیت پر یقین رکھتے تھے۔

اس ناکامی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار پر قابض رہنے کی جدوجہد میں نئے عناصر کو شامل کرنا چاہا ایک طرف وہ اندرون اور بیرون ملک یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں تو اس بحران سے قوم کو نکالنے کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہوں مگر قومی اتحاد والے ہی نہیں

مان رہے دوسری طرف لاٹھی گولی کا آزادانہ استعمال ہو رہا تھا فوج قومی اتحاد کے جلسوں جلوسوں پر گولیاں ہی نہیں چلا رہی تھی انہیں دبانے کے لئے غیر فوجی حربے بھی استعمال کر رہی تھی۔ 1977ء کے دھاندلی انتخابات میں پیپلزپارٹی کے ٹکٹ پر رکن اسمبلی منتخب ہونے والے نثار پنوں کے بھائی میجر ظہیر مرحوم ان دنوں لاہور میں متعین تھے انہیں سفید کپڑوں میں جلوسوں کے آس پاس دیکھ کر ایک دفعہ میں نے پوچھا تم کیا کرتے ہو ایسا نہ ہو کوئی اہل جلوس تمہاری ٹھکائی کردے وہ ہنس پڑا" ہم تو خود ان کی ٹھکائی کرنے کے مشن پر ہیں میں اکیلا نہیں میرے ساتھ اور بھی ہیں" فوج گولی کے علاوہ قوت بازو سے بھی بھٹو کے اقتدار کو بچانے کی کوشش کر رہی تھی۔

پیپلزپارٹی کے جن ارکان پنجاب اور قومی اسمبلی نے اس تشدد اور ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے پارٹی اور اسمبلیوں سے استعفے دیئے تھے ان کے خلاف بھی انتظامیہ حرکت میں آگئی تھی پولیس اور ایف ایس ایف کو نئے ہتھیاروں اور جدید اسلحہ سے لیس کرنے کا نیا پروگرام شروع کیا گیا اور فوج کی گولیوں کے بعد تحریک کو ٹینکوں کے ذریعے کچلنے پر غور کیا جانے لگا۔ اسی منصوبہ کی تکمیل کے لئے ذوالفقار علی بھٹو نے فوج کے چیف آف آرمی سٹاف کے بعد کور کمانڈروں سے ذاتی رابطہ کا فیصلہ کیا وہ ان سے خود بات کر کے جائزہ لینا چاہتے تھے کہ وہ کہاں تک اس کے اقتدار کے تحفظ کے لئے ٹینک استعمال کرنے پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔

26

بھٹو ــــ جرنیل آمنے سامنے

ذوالفقار علی بھٹو اور پانچوں کور کمانڈروں کی پہلی مشترکہ میٹنگ پرائم منسٹر ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں ہوئی اس میٹنگ میں ذوالفقار علی بھٹو' چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق' لیفٹننٹ جنرل سوار خاں' جنرل غلام حسن جنرل چشتی اور جنرل جہاں زیب کے علاوہ کوئی اور شامل نہیں تھا صوفے پر ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ جنرل ضیاء الحق بیٹھے تھے ان کے سامنے نصف دائرہ میں پانچوں کور کمانڈر اپنی کوروں کے نمبر کی ترتیب سے بیٹھے۔

ذوالفقار علی بھٹو تحریک دبانے میں فوج کے تشدد سے مطمئن نہیں تھے وہ چاہتے تھے کہ فوج انہیں تحریک سے نجات دلائے اسی لئے انہوں نے خود کو کمانڈروں سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق ذوالفقار علی بھٹو کو خوش کرنے کے لئے سب کچھ کر رہے تھے انہوں نے انتخابات کے دوران پاکستان پیپلز پارٹی کی کامیابی کے امکانات کا سروے کور کمانڈروں کے ذریعے کروا کر ذوالفقار علی بھٹو کو دیا اور پولنگ کے روز اسی کے حکم پر فوجوں کو پولنگ سٹیشنوں سے قریب ترین متعین کیا گیا تھا انہیں کسی گڑبڑ کی صورت میں مداخلت کا بھی حکم تھا حکمران پارٹی نے فوج کو انتخابی عمل میں ملوث کیوں کیا؟ فوج کے ذریعے اپنی کامیابی کا سروے کیوں کرایا؟ اور پھر دھاندلی کے خلاف تحریک سے پہلے ہی شہروں میں فوج کے مشینی دستوں کو کیوں بھیج دیا؟ جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کے سامنے چیف آف آرمی سٹاف کی بجائے اس کی پارٹی کے کارکن کا رویہ اپنایا بھٹو کی ناجائز حکومت کی حمایت میں نہ صرف اخباری بیان جاری کیا بلکہ کور کمانڈروں کو بھی ذوالفقار علی بھٹو کے

سامنے لا حاضر کیا۔

جب چیف آف آرمی سٹاف نے کور کمانڈروں کو بتایا کہ ذوالفقار علی بھٹو خود ان سے ملنا چاہتے ہیں تو کور کمانڈروں نے اس ملاقات سے معذرت کر دی تھی خاص طور پر دو کور کمانڈروں نے لیفٹیننٹ جنرل غلام حسن خان نے اور لیفٹیننٹ جنرل ارباب جہانزیب نے' ان کا موقف تھا کہ فوج کے سربراہ محمد ضیاء الحق ہیں ذوالفقار علی بھٹو سے جو بات کرنا ہے وہ خود کریں فوج کو جو حکم دینا ہے ان تک پہنچا دیں وہ ان کے حکم کے پابند ہیں اصولی طور پر وہ درست تھے لیکن ضیاء الحق کا کہنا تھا کہ بھٹو تم سے خود بات کرنا چاہتا ہے اس کے بغیر وہ مطمئن نہیں ہو گا۔ انہوں نے بڑی مشکل سے کور کمانڈروں کو اس ملاقات کے لئے آمادہ کیا تھا۔

اس میٹنگ کے لئے جب ضیاء الحق نے انہیں بھٹو سے ملنے پر مجبور کیا تو کور کمانڈروں نے کہا کہ وہ بھٹو سے بے عزتی نہیں کروائیں گے اور اگر بھٹو نے کوئی توہین آمیز بات کی تو وہ بھی اسی زبان میں جواب دیں گے خاص طور پر دو کور کمانڈروں جنرل غلام حسن خاں اور جنرل جہاں زیب ارباب نے ضیاء الحق پر واضح کر دیا تھا کہ اس صورت حال کی ذمہ داری اس پر ہو گی جواب میں ضیاء الحق نے ان کا عزت نفس کے دفاع کا موقف تسلیم کر لیا تھا کور کمانڈروں نے ضیاء الحق کو یہ بھی بتا دیا کہ وہ پوری دیانتداری سے جو سچ سمجھتے ہیں بھٹو سے ملاقات میں وہی کہیں گے ضیاء الحق نے یہ اصول بھی مان لیا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو نے کور نمبر ایک کے کمانڈر سے جو ترتیب کے لحاظ سے ایک طرف پہلے نمبر پر تھے پوچھا "جنرل اس مسئلہ کا کیا حل ہے؟" جنرل حسن نے پہلے تو ذوالفقار علی بھٹو کا شکریہ ادا کیا کہ انہوں نے کمانڈروں کو کھل کر بات کرنے کا موقعہ دیا ہے پھر کہا کہ یہ سیاسی مسئلہ ہے اس کا حل بھی سیاسی ہونا چاہئے فوج کو اس میں ملوث نہیں کیا جانا چاہئے سپاہی ہمارے حکم کی پابندی میں گولی تو چلا دے گا مگر زیادہ دیر تک فوج ہمارا حکم نہیں مانے گی جنرل حسن نے کہا قائداعظم کے بعد آپ کو عوام کی جتنی حمایت حاصل رہی کسی اور کو کبھی نہیں رہی اگر آپ دوبارہ انتخابات کا مطالبہ مان لیتے تو آپ اور بھی بھاری اکثریت سے جیت جاتے اندرون بیرون ملک آپ کے قد اور وقار میں بے پناہ اضافہ ہوتا لیکن آپ نے عام انتخابات

کی بجائے ریفرنڈم کا جو راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے یہ درست نہیں کیوں کہ تحریک چلانے والی پارٹیوں کو اعتراض تو انتخابات میں دھاندلی پر ہے اور سچ یہ ہے کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے۔

کور کمانڈر کی زبان سے دھاندلی کا لفظ سنتے ہی ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے سامنے کی میز پر پورے زور سے مکا مار کر چلانے کے انداز میں کہا

"No general! There was no rigging: It is a lie."

"نہیں جنرل انتخاب میں کوئی دھاندلی نہیں ہوئی یہ سب جھوٹ ہے۔" اب وہ مقام آ گیا تھا جس پر کور کمانڈروں نے اپنی عزت نفس کے تحفظ کا حق پہلے سے ضیاء الحق سے تسلیم کرا لیا تھا کوئی بھی فوجی افسر جس نے زندگی میں عزت اور وقار کی خاطر جان قربان کر دینے کا سبق سیکھا ہو یہ توہین برداشت نہیں کر سکتا تھا ان سب کی طرف سے اس عزم کے اظہار کی ذمہ داری پہلے ہی جنرل پر آن پڑی تو بھٹو کے بات ختم کرتے ہی اس نے کہا

I am not used to shouting and insult . Though I have no practice but I am sure I can shout louder than you and if there is more shouting I will have to do the same.

"میں توہین اور اس طرح چیخ کر مخاطب کئے جانے کا عادی نہیں اگرچہ مجھے اس طرح چیخنے کی پریکٹس نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ میں آپ سے زیادہ بلند آواز میں چیخ سکتا ہوں اور اگر آپ نے مجھے پھر اسی انداز میں مخاطب کیا تو مجھے بھی ایسا کرنا پڑے گا۔"

ذوالفقار علی بھٹو کو بھی شاید اس طرح کے جواب کی توقع نہ تھی اب تک انکا رابطہ جنرل ضیاء الحق سے رہا تھا جو ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر بات سننے کے عادی تھے وہ فوراً" ہی صورت حال کی نزاکت کو سمجھ گئے اور نہایت پر سکون انداز میں کہا "یہ میری پارٹی کے کچھ لوگوں نے میرے خلاف سازش کی ہو گی میری طرف سے دھاندلی کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔"

جنرل غلام حسن نے گجرات میں پگانوالہ اور صوبائی وزیر ملک حاکمین کے حلقوں کی مثال دی اور کہا کہ اس بارے میں ہماری طرف سے اسی وقت بھیجے گئے ٹیلی گرام چیف آف آرمی سٹاف کے پاس موجود ہوں گے آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں وہ ٹیلی گرام انہوں نے آپ کو

نہیں دکھائے تو ابھی منگوا کر دیکھ سکتے ہیں گجرات میں ہم نے پولنگ میں مسلح مداخلت کرنے والے آدمی کو مشین گن سمیت پکڑ کر متعلقہ تھانہ میں بند کروایا تھا لیکن آدھ گھنٹہ بعد ہی تھانیدار نے اسے رہا کر دیا فوجی افسروں نے اس کی وجہ پوچھی تو تھانیدار نے جواب دیا کہ وزیراعظم ہاؤس سے ٹیلی فون آیا تھا کہ اسے فوری طور پر چھوڑ دیں اس بارے میں ہمارے چیف آف آرمی سٹاف کے نام ٹیلی گرام بھی موجود ہیں"۔

ذوالفقار علی بھٹو نے کہا "میں نے گجرات میں کسی تھانیدار کو ٹیلی فون نہیں کرایا۔"

"ہمیں کچھ علم نہیں کس نے ٹیلی فون کیا تھا تھانیدار نے جو بتایا وہ ہم نے چیف آف آرمی سٹاف کو بتا دیا تھا" جنرل حسن نے جواب دیا۔ جنرل اقبال لاہور کے کور کمانڈر تھے انہوں نے بھی لاہور کی صورتحال اور فوج کی "کارکردگی" پر روشنی ڈالی اور کہا کہ سیاسی تصفیہ جتنا جلد ہو جائے وہ ملک کے لئے بہتر ہے سرحدوں پر خطرات موجود ہیں قوم نہ صرف تقسیم ہو چکی ہے بلکہ عوام میں فوج کے خلاف جذبات پیدا ہونا شروع ہو گئے ہیں اگر کل کو کوئی صورتحال پیدا ہو گئی تو پھر کیا ہو گا؟ اس لئے سیاسی مسئلہ کا حل سیاسی ہونا چاہئے۔ ذوالفقار علی بھٹو اب باری باری ہر کور کمانڈر سے اس مسئلہ کا حل پوچھ رہے تھے ہر کور کمانڈر اپنے علاقہ کی صورتحال بتا رہا تھا بھٹو صاحب اور ضیاء الحق خاموش بیٹھے سن رہے تھے۔

ملک میں سب سے زیادہ خراب صورتحال کراچی اور حیدر آباد میں تھی کراچی میں ایک ہی روز میں صرف کرفیو کی خلاف ورزی پر پندرہ افراد ہلاک کئے جا چکے تھے جنرل جہانزیب ارباب نے اس نازک صورتحال کی تفصیل بتائی اور سیاسی مسئلہ کے جلد از جلد سیاسی حل پر زور دیا۔ جنرل سوار خاں کی کور پشاور اور قبائلی علاقوں کی طرف تھی اور جنرل چشتی کی آزاد کشمیر اور شمالی علاقوں میں اگرچہ اس طرف تحریک میں وہ شدت نہیں تھی جس کا جنرل اقبال اور جنرل ارباب کو سامنا تھا لیکن انہوں نے بھی سیاسی حل پر ہی زور دیا۔ جنرل حسن کے ساتھ پیش آنے والی تلخی کے بعد کسی اور نے انتخاب میں دھاندلی کا کھلے لفظوں میں ذکر نہیں کیا مگر اپنے انداز میں انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو سب کچھ بتا دیا۔

آخر میں جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے ساتھیوں کی طرف سے ذوالفقار علی بھٹو کا شکریہ ادا کیا اور مسلح افواج کی وفاداری کا ایکبار پھر یقین دلاتے ہوئے امید ظاہر کی کہ ذوالفقار علی

بھٹو جلد اس مسئلہ کا حل تلاش کر لیں گے۔

میٹنگ ختم ہوئی تو بظاہر سب کا موڈ بحال ہو چکا تھا لیکن ذوالفقار علی بھٹو کی کور کمانڈروں کو اپنے وزراء اور ساتھیوں کی مانند دبانے کی امید ختم ہو گئی تھی اب انہیں فوج کے بارے میں کوئی نئی لائن اختیار کرنا تھی انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ فوج کے کمانڈر نہ صرف اس کے انتخابات کی غیر جانبداری کی اصلیت سے آگاہ ہیں بلکہ وہ چیف آف آرمی شاف جنرل محمد ضیاء الحق سے کافی مختلف بھی ہیں اس روز سے ذوالفقار علی بھٹو کی فوج کے ذریعے اقتدار پر رہنے کی امیدیں ختم ہونا شروع ہو گئیں اور انہوں نے سنجیدگی سے کوئی دوسرا راستہ ڈھونڈنے پر غور کرنا شروع کر دیا۔

27

مسلح افواج کی پیشکش

پاکستان قومی اتحاد کے بعد فوج کے سرداروں نے بھی ریفرنڈم کو مسترد کر دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے اپنی کرسی کے بارے میں کہا تھا "یہ کرسی بہت مضبوط ہے" انتخابات سے پہلے اور پولنگ کے دوران انہوں نے عوام پر اعتماد نہیں کیا تھا پولنگ کے دوران منظم دھاندلی اور اس کے بعد جبر' تشدد' لاٹھی' گولی اور مارشل لاء کی ضرورت سے ثابت ہو گیا کہ عوام کو بھی ان پر اعتماد نہیں رہا تھا کور کمانڈروں سے پہلی ہی ملاقات میں اس پر واضح ہو گیا کہ فوج کو بھی اس پر اعتماد نہیں رہا فوج کے اعلیٰ افسر فوج کو سیاسی معاملات سے الگ رکھنا چاہتے ہیں اس کے اقتدار کے تحفظ کے لئے وہ عوام پر ٹینک نہیں چڑھائیں گے بیرون ملک سے جو لوگ ان پر سیاسی سمجھوتہ کے لئے دباؤ ڈال رہے تھے اسمبلی میں ریفرنڈم کے اعلان اور تین ہی روز میں اس کے لئے آئین میں ترمیم کرا لینے سے ان کے دلوں میں بھی بھٹو کے خلوص کے بارے میں شبہ پیدا ہونے لگا تھا سعودی عرب کے سفیر شاہ خالد کے حکم پر پاکستان قومی اتحاد اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان کوئی سمجھوتہ کرانے کے لئے سب سے زیادہ سرگرم رہے تھے۔ جماعت اسلامی کے امیر اور جمعیت علماء اسلام کے سیاسی سربراہ مولانا مفتی محمود سے سعودی عرب کے خصوصی تعلقات کی وجہ سے وہ اس مشن میں کامیاب بھی دکھائی دیتے تھے لیکن ریفرنڈم کی چال کے بعد وہ بھی اس مشن کو جاری رکھنے میں مشکلات محسوس کرنے لگے تھے تحریک استقلال کے سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل لاء اصغر خاں پہلے ہی ان کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے تھے ان کا موقف تھا کہ جس ملک میں بادشاہت

ہو اس کے سفیر اور بادشاہ کو جمہوریت سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی جب کہ جماعت اسلامی اور جمعیت کے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ جمہوریت سے ہمدردی نہ بھی رکھتے ہوں پاکستان سے انہیں بہر حال ہمدردی ہے اور اسی وجہ سے وہ ان کوششوں میں مصروف ہیں جب سعودی سفیر نے شاہ خالد کو نئی صورتحال سے آگاہ کیا تو اس نے بھٹو کے نام ایک اور پیغام بھیجا تھا شہنشاہ ایران نے بھی جنہیں پاکستان کی سرحدوں پر ایرانی فوجوں کے اجتماع کی اطلاع لازما" ہو گئی ہو گی اپنے وزیر خارجہ ہوشنگ انصاری کو پاکستان بھیجا اور حکومت پاکستان کو اپنے اندرونی اور سیاسی معاملات میں ایران کو ملوث نہ کرنے کا مشورہ دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو شاہ ایران کو اس سے پہلے بھی ناراض کر چکے تھے قومی اسمبلی سے خطاب کے دوران ہاتھی کے ذکر خیر اور اس سے تیسرے روز پنڈی کی سڑکوں پر امریکی وزیر خارجہ سائرس وانس کے خط کی نمائش کے بعد شاہ ایران کے خصوصی پیغام کے ساتھ ان کے وزیر خارجہ کا اسلام آباد آنا اور بھی ضروری ہو گیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی مضبوط کرسی ڈولتی ہوئی محسوس ہونے لگی تو انہوں نے فوج کے تینوں سربراہوں اور جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین کا ایک مشترکہ اجلاس بلایا جس میں کور کمانڈر بھی شریک تھے۔

کور کمانڈروں کے پہلے اجلاس میں انہوں نے تحریک کچلنے میں فوج کی ناکامی پر غصہ کا اظہار کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس اجلاس میں انہوں نے تینوں مسلح افواج کے سربراہوں اور جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین سے اس بحران کو ختم کرنے کے بارے میں مشورہ طلب کیا جس کے جواب میں مسلح افواج کی طرف سے متفقہ تجویز پیش کی گئی کہ فوج پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان قومی اتحاد کے درمیان غیر جانبدار ثالث کا کردار ادا کرنے کو تیار ہے فوجی سربراہوں کا موقف تھا کہ پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ حکمرانوں کے اب تک کے تعلقات اور بات چیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ملک میں تحریک چلانے والوں کو حکومت اور اس کے سربراہ پر اعتماد نہیں رہا اس صورت میں اگر وہ نئے سرے سے انتخابات کا اعلان کر بھی دیتے ہیں تو پاکستان قومی اتحاد بھٹو کی نگرانی میں انتخابات کو پھر مسترد کر سکتا ہے اس سے بحران ختم نہیں ہو سکے گا پاکستان قومی اتحاد کی مرکزی قیادت خود کئی بار مطالبہ کر چکی ہے کہ انتخابات عدلیہ اور فوج کی

نگرانی میں نئے سرے سے کرائے جائیں اس سے ظاہر ہے کہ قومی اتحاد کو فوج کی غیر جانبداری پر اعتماد ہے. بھٹو بھی اس قسم کا اعتماد کریں جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے سربراہ کو ثالثی کونسل کا سربراہ بنادیں وہ فوج کی مدد سے انتخابات کرانے کو تیار ہیں اور اگر کوئی فریق زیادتی کرے گا تو وہ اس کے خلاف فیصلہ دیں گے اس سے نہ صرف ملک بحران سے نکل جائے گا بلکہ عوام کا فوج پر اعتماد بحال ہو جائے گا۔

ذوالفقار علی بھٹو کے لئے فوجی سربراہوں کی طرف سے یہ متفقہ تجویز بالکل غیر متوقع تھی اس طرح ان سب نے متفقہ طور پر نہ صرف قومی اتحاد کے موقف کی تائید کردی تھی اور کہا کہ وہ ان کے اقتدار کے تحفظ میں بھرپور رول ادا نہیں کرسکتے بلکہ یہ بھی واضح کردیا تھا کہ فوج کو بھی اب یہ یقین نہیں رہا کہ بھٹو حکومت نئے سرے سے جو انتخابات کرائے گی وہ بھی غیر جانبدارانہ اور منصفانہ ہوں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے فوری جواب دیا کہ اس کی ضرورت نہیں میں خود اس بارے میں پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں سے کوئی فارمولا طے کرلوں گا۔ انہوں نے فوجی سربراہوں کو بتایا کہ سعودی عرب کے پاکستان میں سفیر ریاض الخطیب پہلے ہی اس کوشش میں مصروف ہیں اور جلد ہی وہ دوبارہ قومی اتحاد سے بات چیت شروع کردیں گے۔

13 مئی کی رات پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں کو سہالہ سے ملک کی دور دراز جیلوں میں بھیجنے کے بعد اسمبلی سے ریفرنڈم کے لئے آئین میں ترمیم کروا لینے کے باوجود ذوالفقار علی بھٹو نے ریفرنڈم کی بجائے پاکستان قومی اتحاد سے مذاکرات فوج کے جملہ سربراہوں اور کور کمانڈروں کے ساتھ انہی دو اجلاسوں کے بعد شروع کئے تھے اور سردار قیوم کو جیل سے بلوا کر خصوصی طیارے کے ذریعے ملک بھر کی جیلوں میں نظربند راہنماؤں سے ملاقاتوں کے مشن پر روانہ کیا تھا تاکہ انہیں مذاکرات پر آمادہ کیا جائے ورنہ تین چار روز ہی میں انہیں اتنی لچک دکھانے کی اور کوئی بڑی مجبوری نہیں تھی انہیں صاف نظر آگیا تھا کہ ایک دو کور کمانڈر ہی نہیں پوری مسلح افواج ان کی فوج کے ذریعے تحریک کو کچل دینے کی پالیسی کے خلاف ہے تینوں مسلح افواج کے سربراہوں جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین اور پانچوں کور کمانڈروں نے اجلاس کے دوران یہ تجویز پیش کرنے سے پہلے آپس میں صلاح مشورہ کیا ہوگا

اور پوری صورتحال کو سامنے رکھ کر اتنی بڑی ثالثی قبول کرنے کی پیشکش کی ہوگی یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ بوجھ اٹھانے پر وہ بات چیت کے دوران اچانک تیار ہو گئے ہوں۔

قومی اسمبلی کے دھاندلی انتخابات کے چار روز بعد مسلم لیگ ہاؤس میں پاکستان قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کا اجلاس جاری تھا میں وہاں پہنچا تو خان اقبال احمد خاں اجلاس کے بند کمرے کے سامنے کھڑے تھے ہم سیاسی صورتحال پر بات کرنے لگے۔ قومی اسمبلی کے لئے پولنگ کے روز اور اس کے بعد تین چار روز کے فوج کے رویہ کی بات ہوئی تو میں نے انہیں بتایا کہ پولنگ کے روز شہر میں پیپلز پارٹی کے ایک صوبائی امیدوار' اس کے لڑکے اور جن دو کارکنوں کو پولنگ میں مسلح مداخلت کرتے ہوئے ایک نوجوان فوجی افسر نے پکڑ لیا تھا اور انہیں تھانے میں بند کرا دیا تھا آج ان کی ضمانت منظور ہو گئی ہے۔ خان صاحب مجھے ایک طرف لے گئے۔ "میں نے انہیں فوج کا پیغام پہنچا دیا ہے" انہوں نے کمرے میں اجلاس کے شرکاء کی طرف سے اشارہ کرتے ہوئے کہا "کیا پیغام؟" میں نے حیرانی سے پوچھا۔

"عبدالوحید خاں (ایوب خاں کے دور کے وزیر) میرے پاس آیا تھا اور فوج کا پیغام لایا تھا کہ اتحاد کے راہنماؤں سے کہہ دو کہ ہم نے اپنے ذرائع سے تحقیق کر لی ہے انتخابات میں واقعی دھاندلی ہوئی ہے فوج نئے سرے سے انتخابات کرانے کی ذمہ واری قبول کرنے کو تیار ہے اتحاد اس کا مطالبہ کرے" اقبال احمد خاں نے کہا "میں نے ان تک یہ پیغام پہنچا دیا ہے اور کہا ہے کہ اپنے ذریعہ سے اس بارے میں تصدیق بھی کر لو اصغر خاں اس بارے میں کچھ جانتا ہوگا۔"

"آپ اس پیش کش کو قبول کر لیں گے؟" میں نے وضاحت چاہی

"یہی تو ڈر ہے اگر فوج والے آکر خود بیٹھ گئے تو انہیں کون اٹھائے گا؟" اقبال احمد خاں نے کہا اس سے ایک ہی روز پہلے اتحاد کے سیکرٹری جنرل پروفیسر غفور احمد اخباری بیان کے ذریعے فوج اور عدلیہ کی نگرانی میں انتخابات کرانے کا مطالبہ کر چکے تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو نے فوج زدہ سیاستدانوں کو ایک بار پھر فوج کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا تھا اقتدار پر قابض رہنے کی ہوس میں ایک بار پھر خود فوج کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر تیار ہو گیا تھا۔

پاکستان قومی اتحاد میں شامل سیاسی جماعتوں کے سربراہوں کو فوج کی یہ پیشکش لازما" یاد ہو گی۔ مولانا کوثر نیازی مسلح افواج کے سربراہوں کے اجلاس میں شامل نہیں ہوں گے جس میں انہوں نے ثالث کا کردار ادا کرنے کی پیشکش کی تھی لیکن جس انداز میں انہوں نے اپنی کتاب میں اپنے کو ذوالفقار علی بھٹو کا معتمد خاص ظاہر کیا ہے اس کی روشنی میں انہیں اس کا علم ہونا چاہئے۔ اس علم کے باوجود نہ پروفیسر غفور احمد نے اپنی کتاب میں اس بارے میں کچھ لکھا ہے نہ مولانا کوثر نیازی نے یہ ایک لکھنے والے کی دیانت کے منافی ہے۔ سیاست دان قومی اہمیت کے معاملات کے بیان میں بھی اپنا سیاسی مفاد اور نکتہ نظر سامنے رکھتے ہیں جو قوم اور قومی تاریخ کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے۔

28

"مذاق" رات

18 مئی کو نوابزادہ نصراللہ خاں اور سردار قیوم کو سہالہ منتقل کر دیا گیا' اسی روز ذوالفقار علی بھٹو' عبدالحفیظ پیرزادہ' میر افضل خاں اور مولانا کوثر نیازی کے ہمراہ سہالہ میں مولانا مفتی محمود سے ملاقات کے لئے گئے اور اسمبلی توڑ کر ملک میں نئے سرے سے انتخابات کرانے کا وعدہ کیا اس مقصد کے لئے پاکستان قومی اتحاد سے باقاعدہ مذاکرات کے ذریعے معاہدہ طے کرنے پر اتفاق کیا ملک کی مختلف جیلوں میں پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں سے ملاقات کر کے انہیں مذاکرات پر آمادہ کرنے کے لئے طے پایا کہ اگلے روز سردار قیوم کو رہا کر دیا جائے گا۔ انیس مئی کو سردار قیوم کو رہا کیا گیا اسی شام وہ خصوصی طیارہ سے کراچی روانہ ہو گئے اور بیس مئی کو جیکب آباد میں شاہ احمد نورانی سے' دادو جیل میں پروفیسر غفور سے اور کراچی جیل میں چوہدری ظہور الٰہی اور دیگر راہنماؤں سے ملے۔ 21 مئی کو لاہور میں مولانا مودودی سے ملاقات کی اسی روز بذریعہ کار ساہیوال گئے اور ایئر مارشل اصغر خاں کو مذاکرات پر آمادہ کیا۔ واپسی پر لاہور میں مولانا مودودی سے مل کر اسی رات راولپنڈی پہنچے اور مفتی محمود کو رپورٹ دی۔ 22 مئی کو انہوں نے بھٹو سے ملاقات کی۔ اسی روز وہ حیدر آباد گئے جہاں خان عبدالولی خان اور غوث بخش بزنجو سے ملاقات کر کے واپس راولپنڈی آ گئے اور مفتی محمود اور سعودی سفیر کو اپنے دورہ کے بارے میں بتایا 23 مئی کو راولپنڈی جیل میں خان اشرف خاں سے اور خانپور میں بیگم نسیم ولی خاں سے ملے اسی روز انہوں نے سعودی سفیر کی معیت میں ذوالفقار

علی بھٹو سے ایک اور ملاقات کی اور کہا کہ مذاکرات اتحاد کے راہنماؤں کے راولپنڈی منتقل کرنے کے ساتھ ہی شروع ہو سکتے ہیں۔

پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں کے ملک کو بحران سے نکالنے اور مذاکرات کے سلسلہ میں خلوص نیت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چار ہی روز میں ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیلی جیلوں میں بند وہ سب مذاکرات کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ سردار قیوم نے اتنے مختصر وقت میں ان سب سے ملاقاتیں کر کے انہیں مذاکرات پر آمادہ کر لیا تھا 26 مئی کو انہوں نے اس بارے میں پریس کانفرنس میں باقاعدہ اعلان کر دیا۔

جو کام پورے ملک میں بھاگ دوڑ کر کے سردار قیوم نے 4 روز میں مکمل کر لیا تھا ذوالفقار علی بھٹو نے راولپنڈی میں موجود اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے مذاکرات کا اعلان کرنے میں پورے گیارہ روز لئے 23 مئی کو ان کی طرف سے کوثر نیازی نے مذاکرات پر آمادگی کا اعلان تو کر دیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مذاکرات 3 جون کو شروع ہوں گے گویا اس سے بھی گیارہ روز بعد پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے انہیں 23 مئی کو مذاکرات شروع کرنے کے لئے تیاری کی خبر دے دی گئی تھی اگر ذوالفقار علی بھٹو بھی واقعی اتنے ہی مخلص تھے تو انہوں نے پورے 12 روز بعد مذاکرات کی تاریخ کیوں رکھی؟ جب کہ ملک میں تحریک پورے زور سے جاری تھی ملک کے نصف درجن شہروں میں مارشل لاء نافذ تھا اتنی تاخیر کی وجہ اس کے علاوہ کوئی سمجھ نہیں آتی کہ پیر صاحب پگاڑا کے اس بیان پر یقین کر لیا جائے جسے ملک بھر کے اخبارات کو شائع کرنے سے حکماً" منع کر دیا گیا تھا اس بیان میں پیر صاحب پگاڑہ نے کہا تھا کہ بھٹو مذاکرات کے سلسلہ میں مخلص نہیں اور وہ بحران کو حل کرنے میں سنجیدہ نہیں اسی روز مولانا مودودی نے ایک اخباری بیان میں ان مظالم کا ذکر کیا جو گرفتار شدہ نوجوانوں پر ڈھائے جا رہے تھے اور کہا کہ اگر حکومت بحران حل کرنے میں مخلص ہو تو ڈیڑھ گھنٹے میں تمام معاملات طے ہو سکتے ہیں۔

ایک طرف مذاکرات اور باہمی طے شدہ فارمولا کے مطابق اسمبلیاں توڑ کر نئے سرے سے انتخابات کے وعدے کئے جا رہے تھے اور دوسری طرف ملک میں وسیع پیمانے پر پیپلز پارٹی کے کارکنوں کو مسلح کیا جا رہا تھا آخر کیوں؟ لاہور ہائی کورٹ بار ایسوسی ایشن کا پلیٹ فارم

پاکستان قومی اتحاد کی قانونی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بن گیا تھا۔ ہر روز جیلوں میں بند لوگوں پر تشدد کے بارے میں تھوک کے حساب سے رٹ درخواستیں دائر کی جا رہی تھیں جن نوجوانوں کو عدالتوں میں پیش کیا جاتا ان کی حالت دیکھی نہیں جا سکتی تھی ان کے جسموں کے نازک حصوں پر بجلی کے شارٹ لگائے گئے تھے ہاتھوں کی انگلیوں کے ناخن کھینچ لئے گئے تھے بعض کی آنکھوں کے پپوٹے سلاخوں سے زخمی کئے گئے تھے۔ ہم سارا دن ہائی کورٹ میں گزارتے اور رات اس تشدد کے صدمہ سے جاگ کر گزارتے انسان ظلم کی اس حد کو بھی چھو سکتا ہے کبھی گمان بھی نہ ہوا تھا۔

3 جون کو پاکستان قومی اتحاد اور پاکستان پیپلزپارٹی کی مذاکراتی ٹیموں کے درمیان پہلا اجلاس ہوا جو اڑھائی گھنٹے جاری رہا۔ اجلاس میں زیادہ تر گرفتار شدگان کی رہائی اور تشدد ختم کرنے کے مطالبات پر بات ہوئی۔ اسی پہلی میٹنگ کے دوران ذوالفقار علی بھٹو نے چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق کو بھی بلایا جنہوں نے پاکستان قومی اتحاد کے مارشل لاء اٹھانے کے مطالبہ پر بھٹو کی تائید کی کہ فوری ایسا کرنا ممکن نہیں۔ مذاکرات کا دوسرا دور 6 جون کو ہونا قرار پایا۔ مذاکرات کے دوسرے دور سے پہلے ہی 4 جون کو پیپلزپارٹی کی مذاکراتی ٹیم کے رکن مولانا کوثر نیازی کی مذہبی امور کی وزارت نے کابینہ کی منظوری سے اعلان کیا کہ اسلامی نظریاتی کونسل نئے سرے سے تشکیل دی جا رہی ہے نئی کونسل 6 ماہ کے اندر اندر تمام قوانین کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھال کر حکومت کو پیش کر دے گی اور حکومت اسمبلی کی منظوری کے بعد یہ قوانین نافذ کر دے گی۔

ایک طرف اسمبلی توڑنے پر اتفاق ہو چکا ہے اور اس کے طریق کار کے بارے میں معاہدہ پر مذاکرات ہو رہے ہیں اور دوسری طرف سوشلزم کی حامی جماعت اسمبلی کی منظوری سے 6 ماہ تک تمام اسلامی قوانین نافذ کرنے کا اعلان کر رہی ہے عوام کے دینی جذبات سے کھیلنے کے پروگرام کے علاوہ کیا یہ اس بات کا ایک اور ثبوت نہیں کہ حکومت واقعی مذاکرات میں سنجیدہ نہیں تھی۔

حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ پاکستان قومی اتحاد کے تمام رہنماؤں کو مذاکرات سے پہلے ہی رہا کر دیا جائے گا تاکہ وہ باہمی مشورہ کر سکیں۔ شاہ احمد نورانی اور اشرف خاں کو 3 جون کی

شام رہا کیا گیا اور ایئر مارشل اصغر خاں کو اس سے بھی ایک روز بعد 4 جون کی شام حکومت 24 مئی کو کئے گئے وعدہ کے باوجود راہنماؤں کو 4 جون تک رہا کیوں نہ کر سکی؟ اس لئے تو نہیں اسے علم تھا کہ جب تک اصغر خاں اور نورانی میاں مذاکرات میں شریک نہیں ہوں گے پاکستان قومی اتحاد کسی باقاعدہ معاہدہ کا مسودہ پیش نہیں کر سکے گا اور جس قدر وہ تاخیر سے رہا ہوں گے اتنا ہی مذاکرات کو طول دیا جا سکے گا اس کے علاوہ اس تاخیر کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

مذاکرات کی دوسری نشست 6 جون کو اور تیسری 7 جون کو ہوئی یہ دونوں نشستیں تین تین گھنٹوں پر محیط تھیں ان میٹنگوں میں نئے سرے سے انتخابات کے طریق کار کے تعین کے لئے پروفیسر غفور احمد اور عبدالحفیظ پیرزادہ پر مشتمل ایک سب کمیٹی قائم کی گئی تھی اس سب کمیٹی کے اجلاس کے 8 جون کے اجلاس کے بعد ہی پروفیسر غفور نے مولانا مفتی محمود کو بتایا کہ عبدالحفیظ پیرزادہ سنجیدہ بات چیت کرنے کی بجائے وقت گزارنے کی کوشش کر رہا ہے اور یہ رویہ اس کا اپنا نہیں حکومت کی مجموعی سوچ ہے۔ مولانا مفتی محمود نے مذاکرات کے ثالث سعودی سفیر سے کہا کہ اگر حکمران پارٹی نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا اور بامقصد مذاکرات پر آمادہ نہ ہوئی تو مذاکرات جاری رکھنا ممکن نہیں ہو گا۔ سعودی سفیر نے اس طرز عمل کو سمجھتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو کو پاکستان قومی اتحاد کے تاثر اور موقف سے ایک بار پھر آگاہ کیا۔

9 جون کو پنجاب کے سابق گورنر غلام مصطفیٰ کھر نے ایک بار پھر پاکستان پیپلز پارٹی میں شمولیت کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ انتشار اور تخریب پسند قوتوں کے خلاف جنگ میں مسٹر بھٹو کے ہاتھ مضبوط کرنے کے لئے پارٹی میں واپس آ گئے ہیں۔ انہوں نے مزدوروں، کسانوں اور طلبہ سے ملکی سالمیت اور یک جہتی کے دشمنوں کے خلاف صف آراء ہو جانے کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ بیرونی مداخلت نے پیپلز پارٹی کے فروغ خوشحالی کے پروگرام کو نقصان پہنچایا ہے۔

ایک طرف ذوالفقار علی بھٹو "انتشار اور تخریب پسند قوتوں" کے خلاف جنگ بند کر کے ان کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے معاہدہ کی دستاویز پر غور کرنے کے لئے اجلاس کر رہے ہیں اور دوسری طرف مصطفیٰ کھر اسی جنگ میں نہ صرف خود کودنے کا اعلان کرتے ہیں بلکہ

مزدوروں، کسانوں کو بھی اس جہاد میں شامل ہو جانے کا مشورہ دے دیتے ہیں۔

اس کمانڈر کی نیت کے بارے میں آپ کیا کہیں گے جو خود تو معاہدہ امن پر دستخط کرنے کا اعلان کر رہا ہے اور اس کا ایک لیفٹننٹ اسی جنگ میں مزید فوجوں کو کود جانے کا حکم جاری فرما رہا ہے۔

مذاکرات کی چوتھی نشست اسی روز یعنی 9 جون کو ہوئی جو اڑھائی گھنٹے جاری رہی۔ پاکستان قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کو اس نشست کی کارروائی کی جو رپورٹ دی گئی اس کے مطابق یہ بھی حوصلہ افزاء نہیں تھی وعدے کے مطابق نہ صرف اتحاد کے مرکزی راہنماؤں کو رہا نہ کیا گیا مزید گرفتاریاں کی جا رہی تھیں بلکہ مذاکرات میں حکومت کے رویہ پر تلخی بھی ہوئی۔

10 جون کو پاکستان قومی اتحاد اور پاکستان پیپلز پارٹی کی مذاکراتی ٹیمیں پونے دو گھنٹے ایک دوسرے کے سامنے خاموش بیٹھی رہیں۔ بات چیت آگے نہ بڑھ سکی تو اتحاد کی مذاکراتی ٹیم اٹھ کر چل دی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی درخواست پر پھر بھی وہ تین سطروں پر مشتمل مشترکہ اعلامیہ جاری کرنے پر متفق ہو گئے تاکہ لوگوں کو مذاکرات میں تعطل کا احساس نہ ہو اعلامیہ تھا "آج اجلاس 10 بجے صبح شروع ہو کر پونے دو گھنٹے جاری رہا۔ اجلاس میں ذیلی کمیٹی کی رپورٹ پر مزید غور کیا گیا آئندہ نشست اتوار 12 جون کو 5 بجے شام ہو گی۔"

اس روز اتحاد کی مرکزی کونسل نے اب تک کے مذاکرات کی رفتار اور حکومتی پارٹی کے رویہ پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا کہ بلاوجہ مذاکرات کو جاری رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا اتوار کے اجلاس کی کارروائی کی روشنی میں مذاکرات ختم کر دینے یا جاری رکھنے کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے پر اتفاق سے اتحاد کی مرکزی کونسل کا اجلاس ختم ہوا۔

دس جون کو ذوالفقار علی بھٹو نے اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ وہ امریکہ کے پٹھو نہیں بن سکتے۔ انہوں نے پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کو امریکہ کے اشارے پر چلائی جانے والی تحریک ثابت کرنے کی کوشش کی۔

گیارہ جون کو عبدالحفیظ پیرزادہ نے قومی اسمبلی میں بجٹ پیش کیا اور مولانا مفتی محمود، نوابزادہ نصراللہ خاں اور خاں اشرف نے حکومت کی طرف سے بہتر رویہ کے ضامن سعودی

سفیر سے ملاقات کر کے ان سے شکایت کی کہ عبدالحفیظ پیرزادہ بھٹو کے کہنے پر اختلافی مسائل اٹھا رہا ہے اور کسی سمجھوتہ تک پہنچنے میں حکومت جان بوجھ کر تاخیر کر رہی ہے۔

12 جون کو سعودی سفیر نے ذوالفقار علی بھٹو اور مفتی محمود سے الگ الگ ملاقاتیں کر کے جلد سمجھوتے کا مشورہ دیا کویتی سفیر نے بھی ذوالفقار علی بھٹو کو یہی مشورہ دیا اس روز مذاکرات 2 گھنٹے جاری رہے اور ذوالفقار علی بھٹو جیلوں میں بند افراد کی فہرست فراہم کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ 20 دن گزر جانے پر بھی ان کی رہائی تو ایک طرف انہوں نے تعداد بھی بار بار کے مطالبہ کے باوجود نہیں بتائی تھی انہوں نے اسمبلیاں ختم کرنے کی تاریخ مقرر کرنے سے بھی انکار کیا۔

13 جون کو مذاکرات صرف ایک گھنٹہ ہو سکے فریقین میں بنیادی اصولوں پر سمجھوتہ ہو چکا تھا مگر طریق کار پر حکومت کوئی بات ماننے کے لئے تیار نہ تھی اسی روز پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام حسین نے ملک بھر میں 18 جون سے کارکنوں کے کنونشن منعقد کرنے کے پروگرام کا اعلان کیا۔

14 جون کو مذاکرات سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو نے چیف آف آرمی سٹاف اور کور کمانڈروں سے ملاقات کی انہیں انتخابات کی صورت میں پاکستان قومی اتحاد کی حکومت قائم ہونے سے ملک اور فوج کے لئے خطرات سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی بھٹو جائزہ لینا چاہتے تھے کہ وہ اب بھی سیاسی سمجھوتہ پر بضد ہیں یا اس کے اقتدار کو سہارا دینے پر تیار ہو گئے ہیں جنرل اقبال، جنرل غلام حسن اور جنرل جہانزیب ارباب نے پھر بھی سیاسی سمجھوتہ پر زور دیا اور کہا کہ اگر تحریک دوبارہ شروع ہو گئی تو ان کے لئے اسے دبانا ممکن نہیں ہو گا۔ سپاہی اور نچلی سطح کے افسران کے کنٹرول میں نہیں رہیں گے جنرل جہانزیب ارباب نے اندرون سندھ تحریک کے نتائج سے، جنرل اقبال نے سرحدوں پر موجود خطرات اور جنرل غلام حسن نے فوج کے سیاسی عمل میں طویل عرصہ تک شامل رہنے کے خطرات کا ذکر کر کے جلد سیاسی سمجھوتے پر زور دیا جب کہ اس روز ایک گھنٹہ مذاکرات ہو سکے جن کے خاتمہ پر مفتی محمود نے واضح کر دیا کہ کل یعنی 15 جون کو کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو اس کے بعد وہ مذاکرات میں حصہ نہیں لیں گے۔

15 جون کو مذاکرات سے پہلے پاکستان قومی اتحاد کی مرکزی کونسل کا پھر اجلاس ہوا جس میں بتایا گیا کہ ذوالفقار علی بھٹو 14 اگست سے پہلے انتخابات کرانے کے لئے تیار نہیں۔ 15 جون کو اجلاس ایک گھنٹہ جاری رہا اور سمجھوتہ کی تفصیلات طے کئے بغیر ملتوی کر دیا گیا ایک دفعہ پھر قومی اتحاد کو ان تفصیلات پر بات چیت کے لئے عبدالحفیظ پیرزادہ کے سپرد کر دیا گیا جن کا انہیں پہلے ہی تلخ تجربہ تھا مگر اتحاد کی مذاکراتی ٹیم نے یہ بھی قبول کر لیا اسی میٹنگ کے خاتمہ پر ذوالفقار علی بھٹو نے اتحاد کے راہنماؤں کو بتایا کہ وہ بہت تھک چکے ہیں اور آرام کے لئے لاڑکانہ جا رہے ہیں ذیلی کمیٹی کے تفصیلات طے کر لینے پر وہ واپس آکر 20 جون کو اس پر دستخط کر دیں گے۔

16 جون کو ملک غلام مصطفیٰ کھر نے وزیر اعظم کے خصوصی مشیر کے عہدے کا حلف لیا اور وزیر اعظم نے 18 جون سے سعودی عرب، لیبیا، کویت، متحدہ عرب امارات اور ایران کے اپنے دورہ کا اعلان کیا یہ اقدام اور اعلان پاکستان قومی اتحاد سے وعدوں کے منافی تھے مذاکرات میں وہ وزیروں کی تعداد کم کرنے پر اتفاق کر چکے تھے لیکن عملاً" اس میں اضافہ کر رہے تھے وہ بھی اس شخص کو خصوصی مشیر بنایا جا رہا تھا جو دھاندلی اسمبلی کا بھی رکن نہ تھا جو "ملک دشمنوں" کے خلاف جہاد کرنے کے لئے پیپلز پارٹی میں واپس آیا تھا اسے مشیر مقرر کرنے کا مطلب یہ تھا کہ یہ "جہاد" وہ نہیں شروع کر رہا تھا بلکہ ذوالفقار علی بھٹو اس سے "جہاد" کروانا چاہتا تھا بیرون ملک جانے کے بارے میں اس نے پاکستان قومی اتحاد کو اعتماد میں لینے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی تھی ملک اتنے بڑے بحران سے دوچار تھا اور دھاندلی اسمبلی کا قائد سیر کے لئے ملک سے باہر جا رہا تھا اپنے اقتدار اور اسمبلیوں کی نیا عین منجدھار میں چھوڑ کر سیر اور دورہ کے لئے کون جاتا ہے؟ کیسے جا سکتا ہے ملک اور اقتدار کے مفادات سے اتنی بے نیازی ذوالفقار علی بھٹو جو فخر ایشیا تھے برت رہے تھے اور ایشیا اور افریقہ کے دورے پر روانہ ہو رہے تھے پیر صاحب پگاڑہ نے اس صورتحال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ ذوالفقار علی بھٹو کے مزاج سے بخوبی واقف ہیں جس معاہدہ کی باتیں ہو رہی ہیں وہ زبانوں اور مذاکرات کی میز پر ہی رہے گا تحریری صورت کبھی اختیار نہ کر سکے گا۔

ذوالفقار علی بھٹو تھکاوٹ اتارنے بیرون ملک روانہ ہو گئے پروفیسر غفور احمد اور

عبدالحفیظ پیرزادہ معاہدہ کی تفصیلات پر غور کرنے کی کوشش میں مصروف ہو گئے اور ملک غلام مصطفیٰ کھر نے عملی جہاد شروع کردیا۔ 23 جون کو جب بھٹو تھکاوٹ اچھی طرح اتر جانے کے بعد واپس پہنچے تو عبدالحفیظ پیرزادہ اور مولانا کوثر نیازی بھی اپنی اپنی مصالحتی کوششوں میں کامیاب ہو چکے تھے۔ عبدالحفیظ پیرزادہ نے پروفیسر غفور سے بات چیت سے ہی انکار کردیا تھا مولانا کوثر نیازی سردار قیوم سے کشمیر کے بارے میں معاہدہ کی تفصیلات طے کرنے سے یہ کہہ کر انکار کر چکے تھے کہ بھٹو کے مشورہ کے بغیر وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ مصطفیٰ کھر شہر شہر پھر کر خون کی ندیاں بہا دینے کی دھمکیاں دیتے پھر رہے تھے شیخوپورہ میں ان کے اسی جہاد کے سلسلہ میں ایک جلسہ میں شرکت کے بعد میں نے لکھا تھا "فساد خون کے لئے صافی بہتر ہے" اسی جلسہ میں نوابزادہ نصراللہ خاں کے پروردہ سابق طالب علم راہنما تنویر عباس تابش نے اپنے ماضی پر اظہار افسوس کرتے ہوئے پیپلزپارٹی کے کارکنوں سے کہا تھا کہ اگر وہ ان کے یعنی تنویر عباس تابش کے گلے میں رسی ڈال کر کتے کی مانند سڑکوں پر گھسیٹتے پھریں تو ذوالفقار علی بھٹو سے اپنے عشق کے نوخیز جذبہ میں وہ یہ بھی قبول کرلیں گے۔

23 مئی کو بات چیت جس مقام سے شروع ہوئی تھی پورے اکتیس روز گزر جانے پر بھی وہیں تھی اسمبلیاں توڑنے اور نئے سرے سے انتخابات کرانے میں ذوالفقار علی بھٹو نے اتفاق، مذاکرات شروع ہونے سے پہلے کیا تھا ایک ماہ بعد بھی اس سے آگے نہ اسمبلیاں توڑنے کی تاریخ اور طریق کار طے ہو سکا تھا اور نہ ہی انتخابات کی تاریخ اور اصولوں پر کوئی سمجھوتہ ہو سکا تھا ان اکتیس دنوں میں صرف 17 گھنٹے اور 45 منٹ مذاکراتی ٹیمیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ سکیں وہ بھی بلا کسی کامیابی کے پاکستان قومی اتحاد نے اس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کیا تھا کہ ان کی تحریک کے نتیجے میں کھر واپس آکر خصوصی مشیر بن گیا تھا اور اتحاد کے خلاف "جہاد" میں دن رات مصروف تھا بیرونی دورہ سے واپسی پر ذوالفقار علی بھٹو کو مفتی محمود اور سعودی سفیر نے ساری صورتحال اور ان کے نائبین کے رویہ سے تفصیل سے آگاہ کیا مگر اس ڈیڈ لاک کے باوجود وہ کسی جلدی میں نہیں تھے مذاکرات درمیان میں چھوڑ کر بیرون ملک وہ اس لئے گئے تھے کہ مذاکرات سے تھک گئے تھے اور اب تھکاوٹ دور کرنے کے سفر کی تھکاوٹ محسوس کر رہے تھے اس رات پاکستان قومی اتحاد نے انہیں

سمجھوتے کا مسودہ پیش کیا مگر وہ یہ کہہ کر اٹھ گئے۔
"اس کا جواب فوری طور پر ممکن نہیں کل سوچ کر بتاؤں گا۔"

29

ڈوبتے کو فوج کا سہارا

25 جون کو پاکستان قومی اتحاد کی ٹیم سے مذاکرات سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے چیمبر میں ایک دفعہ پھر چیف آف آرمی سٹاف اور کور کمانڈروں کا اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں انہوں نے پاکستان قومی اتحاد کی طرف سے پیش کیا گیا معاہدے کا مسودہ فوجی کمانڈروں کو پیش کر دیا کیوں؟ فوج پاکستان قومی اتحاد اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان ہونے والے مذاکرات میں فریق نہیں تھی بلکہ کور کمانڈر اب تک فریق بننے اور فوج کو سیاسی معاملات میں ملوث کرنے سے انکار کرتے رہے تھے پاکستان قومی اتحاد سے مذاکرات کے لئے یہ شرط بھی نہیں تھی کہ معاہدہ کا مسودہ وہی قابل قبول ہو گا جو فوج کو منظور ہو گا پاکستان قومی اتحاد کو یہ علم تک نہ تھا کہ ان کے مسودہ پر فوجی کمانڈروں کے اجلاس میں غور ہو گا ذوالفقار علی بھٹو مذاکرات کے دوران کمانڈروں کے بار بار اجلاس کیوں بلاتے تھے؟ اس سلسلہ میں مولانا کوثر نیازی کی کتاب ''اور لائن کٹ گئی'' سے ایک اقتباس شائد کچھ روشنی ڈال سکے '' نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' کے عنوان کے تحت مولانا اپنی کتاب کے صفحہ 162 پر 14 جون کو ذوالفقار علی بھٹو کے چیف آف آرمی سٹاف اور کور کمانڈروں کے ساتھ اجلاس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں مسٹر بھٹو نے کہا ''میں اپنے اختیارات کو خوب جانتا ہوں اور یاد رکھیں کہ میں آرمی کو آرڈر کر سکتا ہوں میں نے ریفرنڈم کے سلسلہ میں آپ سے مشورہ کیا لیکن صرف اس لئے کہ اگر آپ کسی حل کو مناسب نہیں سمجھتے تو میں اسے مسلط نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس طرح صحیح نتائج پیدا نہیں ہوں گے میں قومی Consensus چاہتا ہوں اور آپ

بھی قوم کا حصہ ہیں دوسرے مجھے اپنے بارے میں کوئی کمپلکس نہیں مجھے آرمی جرنیلوں سے بات کرتے ہوئے اس لئے جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ میں پچھلے دس سال سے آپ لوگوں کو جانتا ہوں مجھے آپ سے مشورہ کرتے ہوئے کوئی الجھن محسوس نہیں ہوتی جب میں نے ریفرنڈم کے سلسلے میں آپ حضرات سے بات کی تو ممکن ہے آپ لوگوں کو خیال پیدا ہوا ہو کہ میں طاقتور بن کر ابھروں گا آپ لوگوں نے سیاسی تصفیہ چاہا میں نے کہا......... آل رائٹ.........
آپ میں سے ہر ایک مذاکرات کے لئے پرجوش تھا چنانچہ میں نے مفتی کے ساتھ بات چیت کے پہلے ہی روز واضح کر دیا کہ میں کسی غیر ملکی وفد سے بات نہیں کر رہا آپ لوگ ہمارے بزرگ اور بھائی ہیں میں انتہا پسند نہیں 'لبرل ہوں' مجھے ان کی باتیں ماننے میں ایک منٹ نہیں لگا میں نے ہر مطالبہ مان لیا اب چاہے اس کی کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنا پڑے میں نتائج پیدا کرنے پر قادر نہیں آنے والے الیکشن کے نتیجے میں جو مذاکرات کی کامیابی کے بعد ہوں گے تضادات ضرور پیدا ہوں گے 'امن میں عدم استحکام آئے گا' لیکن یہ بات طے ہے کہ الیکشن کے بعد آرمی کی مداخلت کوئی بھی پسند نہیں کرے گا کیونکہ ان کے پاس تازہ مینڈیٹ ہو گا اور وہ اتنی جلدی ایکسپوز بھی نہ ہوں گے گو وہ "جنتا کی طرح آپس میں لڑیں گے اور یہ ملک کے لئے بہت برا ہو گا مگر آرمی کچھ نہ کر سکے گی مگر ایک راستہ یہ ہے کہ آرمی اب ٹیک اوور کر لے لیکن یہ کوئی پھولوں کی سیج نہیں جب یحییٰ خاں نے ٹیک اوور کیا اور میں اس سے ملا تو میں نے اس پر واضح کیا تھا کہ تم خطرناک پوزیشن میں ہو اس نے کہا "پالیٹیکس کیا ہے؟ کامن سینس اور بیوروکریسی کہتی ہے کہ آپ میں سیاسی بصیرت ہے آپ کامن سینس کے مالک ہیں اس لئے حکومت چلا سکتے ہیں۔" لیکن وہ 1969ء تھا اب 1977ء ہے میں نے اس وقت بھی کہا تھا کہ دوسرا مارشل لاء پہلے سے کمزور تر ہوتا ہے......... اور تیسرا اس سے بھی کمزور ہو گا ان معنوں میں کہ ایک تو آپ کسی کو شوٹ نہ کر سکیں گے اور اگر کریں گے تو سمجھ لیں یہ بدترین کمزوری ہے آج دنیا بھر میں بیداری ہے یہ بھی کہا جائے گا کہ پنجابی آرمی حکومت کر رہی ہے دوسرے صوبے کٹ جائیں گے کشمیر کی سیز فائر لائن کے لئے آپ پر دباؤ ہو گا ایٹمی ری پراسیسنگ پلانٹ کے مسئلے پر آپ مصیبت میں ہوں ان معاملات سے صرف سیاسی حکومت نپٹ سکتی ہے آرمی نہیں! بڑی طاقتیں یہ سوال بھی اٹھائیں گی کہ آبادی کے

تناسب کے لحاظ سے پاکستان میں انڈیا کے مقابلے میں افواج کا تناسب اتنا زیادہ کیوں ہے لیکن میں یہ نہیں کہہ رہا کہ میں اکیلا ہی سارے مسائل کا حل ہوں........ نہیں........ میں اپوزیشن سے بات کر کے ایک باعزت حل ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس میں کامیاب ہو جاؤں گا" ذوالفقار علی بھٹو کی اس تقریر کے بعد کور کمانڈروں نے ایک بار پھر باری باری سیاسی حل پر زور دیا تو بھٹو نے کہا "گویا اب بات واضح ہو گئی کہ آپ اکارڈ Accord چاہتے ہیں مجھے امید ہے کہ ہم سیاسی حل نکال لیں گے آپ لوگ بھی دعا کریں۔"

کور کمانڈروں اور چیف آف آرمی سٹاف سے ذوالفقار علی بھٹو کے اس خطاب کا سرسری نظر سے جائزہ لیا جائے تو بھی بھٹو کا مطلب بہت صاف اور واضح ہے انہوں نے فوجی کمانڈروں کو خبردار کیا کہ اگر مذاکرات کے نتیجے میں نئے سرے سے الیکشن ہوئے تو امن میں عدم استحکام آئے گا مگر آپ پھر بھی مداخلت نہیں کر سکیں گے کہ ان کے پاس (اتحادوالوں) تازہ مینڈیٹ ہو گا وہ آپس میں لڑیں گے جو ملک کے لئے بہت برا ہو گا۔

گویا ایک تو یہ کہ نئے سرے سے انتخابات میں وہ آجائیں گے اور یہ ملک کے لئے بہت برا ہو گا۔

اس برائی سے بچنے کا طریقہ فوج کو یہ بتاتے ہیں کہ آپ ٹیک اوور کر لیں لیکن ساتھ ہی اس ٹیک اوور کی درجن بھر خرابیاں بھی بیان کر دیتے ہیں پنجابی آرمی' آبادی سے زیادہ تناسب پر اعتراض' کشمیر کی سیز فائر لائن' ری پراسینگ پلانٹ نہ ملنا وغیرہ وغیرہ۔

بھٹو کہتے ہیں حل یہ بھی نہیں نہ اتحادوالے ملک چلا سکیں گے نہ آپ سے چلے گا تو حل کیا ہے؟ مطلب صاف ظاہر ہے اس کے باوجود کور کمانڈر سیاسی تصفیہ پر زور دیتے ہیں تو وہ فرماتے ہیں کہ آپ Accord چاہتے ہیں۔"

ذوالفقار علی بھٹو گزشتہ تین ماہ سے Accord کا پرچار کر رہے تھے اندرون اور بیرون ملک کے لوگ اس معاہدہ کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے ہیں 23 جولائی سے پاکستان قومی اتحاد سے معاہدہ کی بات چیت ہو رہی ہے فوجی کمانڈروں سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہی ہیں اور اب تک ان جیسے دانا بینا آدمی کو یہ علم نہیں کہ فوج کیا چاہتی ہے اب تک وہ اکارڈ کو ذہنی طور پر مان نہیں سکے اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اگر فوج نہ چاہتی تو وہ معاہدہ کے لئے بات چیت

ہی نہ کرتے اس مرحلہ پر بھی فوج ساتھ دیتی تو وہ اکارڈ (معاہدہ) پر راضی نہ ہوتے۔

اسی کتاب کے صفحہ 128 پر مولانا کوثر نیازی کور کمانڈروں کے ساتھ ذوالفقار علی بھٹو کی ایک اور میٹنگ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "میں ریفرنڈم اس بات پر کراؤں گا کہ لوگ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں یا نہیں مجھے آئین میں ترمیم کا قطعی حق مل جائے گا جس کے ذریعے میں حکومت میں فوج کے کردار کا تعین کروں گا کیونکہ اب فوج کی شمولیت کے بغیر ملک کا نظام نہیں چل سکتا۔"

گویا چیف آف آرمی سٹاف اور کمانڈروں نے ہی حکومت میں فوج کے کردار آئینی تعین کو تسلیم نہ کیا ورنہ ذوالفقار علی بھٹو اقتدار میں رہنے کے لئے اس پر بھی آمادہ تھے فوج بھی اقتدار میں شرکت پر راضی ہو جاتی تو اسے کسی اور کی پرواہ تھی نہ ضرورت۔

25 جون کے اس اجلاس میں ذوالفقار علی بھٹو کے وزیر دفاع ریٹائرڈ جنرل ٹکا خان بھی موجود تھے کور کمانڈروں نے اپنے اپنے علاقہ کی صورتحال بیان کر کے سیاسی تصفیہ پر زور دیا تو جنرل ٹکا خاں نے منہ سے خاص قسم کی آواز نکالتے ہوئے کہا "میں نے ڈھاکہ میں ایک ہی رات میں 6 ہزار آدمی کڑیں کر دیئے تھے یہاں بھی بیس ہزار آدمی صاف کر دیں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جنرل جہانزیب ارباب نے جواب دیا "آپ کے اس حکم پر ڈھاکہ میں پانچ چھ ہزار آدمی میں نے ہی کڑیں کئے تھے لیکن اس کا نتیجہ بھی آپ نے دیکھ لیا اس سے ملک ٹوٹ گیا مجھے اب تک آپ کا یہ حکم ماننے پر افسوس ہے۔"

جنرل جہاں زیب ارباب اس وقت بریگیڈیئر تھے اور جنرل ٹکا خان کے حکم پر ڈھاکہ میں آپریشن کے انچارج تھے میں نے اس اجلاس میں شریک کم از کم تین افراد سے جنرل ٹکا خان کی اس تجویز کے بارے میں پوچھا تو سب نے اس کی تصدیق کی۔

کور کمانڈروں کے ساتھ ایک اجلاس میں ذوالفقار علی بھٹو نے مولانا مفتی محمود کی باقاعدہ نقل اتار کر دکھائی اور کہا کہ مفتی ملک کا وزیراعظم ہو گا تو ہوائی اڈہ پر اس طرح گارڈ آف آنر کا معائنہ کیا کرے گا پھر انہوں نے فوجی افسروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "اس طرح کے وزیراعظم سے بیرون ملک پاکستان کا امیج کیا بنے گا؟ آپ میری پشت پر ہوں تو ہم ملک کو ترقی کی معراج پر لے جائیں گے۔" وہی تجویز جو کئی سال پہلے ذوالفقار علی بھٹو نے اس وقت

کے کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان کو پیش کی تھی۔

کور کمانڈروں کو آخری دفعہ ٹٹولنے کے بعد پاکستان پیپلزپارٹی کی مذاکراتی ٹیم نے پاکستان قومی اتحاد کی ٹیم سے سوا دو گھنٹے تبادلہ خیال کیا اور ان کی طرف سے پیش کئے جانے والے مسودہ کے جواب میں اپنی طرف سے ایک مسودہ پیش کر دیا یہ وقت پاکستان قومی اتحاد سے مسودہ قانون پر بات کرنے کی بجائے مسودوں کے موازانہ میں گزر گیا اور ایک دفعہ پھر ملیں گے کہہ کر اجلاس ختم ہو گیا۔

30

مجرم کون؟

25 مئی اور یکم جولائی' مذاکرات کی اگلی نشست یکم جولائی کو ہوئی مذاکرات شروع ہونے سے ایک ماہ اور آٹھ دن اور انتخابات کے تین ماہ اور پچیس روز بعد اس میٹنگ کا انجام بیان کرنے سے پہلے ہم 25 مئی اور یکم جولائی کے درمیانی دنوں میں حکمران پارٹی کی مصالحتی کوششوں پر چلتی سی نظر ڈالتے ہیں 25 مئی کو پاکستان پیپلزپارٹی کے اپنے سینئر مسٹر نبی بخش زہری نے کوئٹہ میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ پیپلزپارٹی کے ایک اہم عہدیدار نے مسٹر بھٹو کو مشورہ دیا ہے کہ تحریک کو کچلنے کے لئے چند لاکھ افراد کو قتل کرا دیں ٹکا خان اس وقت پیپلزپارٹی کے عہدیدار نہیں تھے اور انہوں نے لاکھوں نہیں ہزاروں آدمی مار دینے کا مشورہ دیا تھا وہ بھی ذوالفقار علی بھٹو کو نہیں کور کمانڈروں کو ہاں یہ درست ہے کہ بھٹو اپنے وزیر دفاع کی اس قتل عام کی تجویز پر خاموش رہے تھے خاموشی کو نیم رضا بھی کہا جاتا ہے 26 جون کو مصطفیٰ کھر نے راولپنڈی پریس کلب میں پارٹی کارکنوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا "اگر پاکستان قومی اتحاد تحریک چلانا جانتا ہے تو ہم اسے کچلنا جانتے ہیں یہ کسی بیگم کی دھمکی نہیں بلکہ میں وہی مصطفیٰ کھر بول رہا ہوں جو 1972ء میں تھا اب تشدد کا جواب تشدد سے دیا جائے گا۔" اسی روز لاہور میں پاکستان قومی اتحاد اور پیپلزپارٹی کے کارکنوں کے تصادم میں 18 افراد زخمی ہوئے۔ 27 جون کو ذوالفقار علی بھٹو کے دست راست عبدالحفیظ پیرزادہ نے پروفیسر غفور احمد کو خود ٹیلی فون کر کے بتایا کہ وہ اخباری بیان جاری کر رہے ہیں کہ اگر پروفیسر غفور احمد نے وہ بیان واپس نہ لیا جس میں انہوں نے کہا کہ اتحاد نے اپنا حتمی مسودہ تیار کر لیا

ہے اور حکومت کو اسے قبول یا مسترد کرنا ہو گا تو وہ یعنی عبدالحفیظ پیرزادہ یہ مسودہ ڈاک سے بھی وصول نہیں کریں گے اور پروفیسر غفور احمد انہیں معاہدے کا ترمیم شدہ مسودہ پیش نہ کر سکے۔ 28 جون کو ملتان میں کارکنوں کے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے پیپلز پارٹی کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر غلام حسین نے کارکنوں سے کہا کہ وہ اپنے اپنے مورچے سنبھال لیں اور قومی اتحاد کے تخریب کار جس زبان میں بات سمجھتے ہیں انہیں اسی زبان میں سمجھائیں۔

28 جون کو ہی جبری وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو نے ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا "میں سپر گورنمنٹ قبول نہیں کروں گا۔" اس سے ان کی مراد سمجھوتے پر عملدرآمد کرانے والی نگران کونسل سے تھی جس سے مذاکرات میں وہ اتفاق کر چکے تھے اور پاکستان قومی اتحاد اسے قانونی حیثیت دینے پر زور دے رہا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے مزید کہا" سمجھوتہ ہو گا تو آئینی تقاضوں کے مطابق ہو گا ورنہ نہیں ہو گا تعطل بڑھے گا تو بات سیاستدانوں کے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ پی این اے کو حکومت میں شامل کرنے کا مطالبہ میں منظور نہیں کروں گا (پی این اے حکومت میں شمولیت کی دعوت تو کافی پہلے مسترد کر چکی تھی اس سے مراد بھی نگران کونسل میں اس کے نمائندے شامل کرنے سے تھی جس سے وہ مذاکرات میں اتفاق کر چکے تھے) مجھے حکومت کی کوئی پرواہ نہیں میں ہر وقت لاڑکانہ جانے کے لئے تیار ہوں پھر چاہے فرشتے آئیں یا کوئی راسپورٹین اور سرمایہ داروں کی تو میں ایسی چمڑی ادھیڑوں گا کہ ان کی آنے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گی۔" ذوالفقار علی بھٹو فوج کو پی این اے سے ڈرا رہے تھے اور شریک اقتدار کرنا چاہتے تھے اور پی این اے کو فرشتوں سے ڈرا کر اپنی مرضی کا معاہدہ کرنا چاہتے تھے یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس مرحلہ پر انہوں نے طے شدہ امور سے انکار کیوں کیا؟ اور وہ بھی مذاکرات کی میز پر نہیں ہنگامی پریس کانفرنس میں عبدالحفیظ پیرزادہ نے اخباری بیان ہی کے ذریعے پی این اے کا مسودہ ڈاک کے ذریعے بھی وصول نہ کرنے کا اعلان کیوں کیا؟ کیا وہ ذوالفقار علی بھٹو کی مرضی کے بغیر ایسا کر سکتے تھے؟

سعودی سفیر نے پھر بھاگ دوڑ کی تو بھٹو مفتی محمود کو ٹیلی فون کرنے پر تیار ہو گیا اور انہیں 29 جون کو ملاقات کے لئے بلایا اس نے وعدہ کیا کہ کل یعنی 29 جون کو معاہدے پر دستخط ہو جائیں گے اس وعدہ کی وجہ یہ تھی کہ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہوں نے 28 جون کو

ساری صورتحال پر غور کرنے کے بعد فیصلہ کیا تھا کہ اگر شام تک بھٹو کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا تو وہ دوبارہ تحریک شروع کرنے کے لئے 3 جولائی کو لاہور میں پاکستان قومی اتحاد کی جنرل کونسل کے اجلاس میں لائحہ عمل تیار کریں گے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے یہ بھی وعدہ کیا کہ عبدالحفیظ پیرزادہ پروفیسر غفور احمد سے پاکستان قومی اتحاد کا معاہدے کا مسودہ وصول کرلیں گے اس وعدہ کے مطابق 29 جون کو پروفیسر غفور احمد نے عبدالحفیظ پیرزادہ کو مسودہ حوالے کردیا اور بتادیا کہ یہ مسودہ حتمی ہے اور پاکستان قومی اتحاد کی مذاکراتی ٹیم کو اس میں ترمیم واضافہ کا اختیار نہیں۔ مسٹر پیرزادہ اس مسودہ پر غور کرنے کے لئے ذیلی کمیٹی کا اجلاس اگلے روز یعنی 30 جون کو کرنے پر آمادہ ہو گئے مگر اس اجلاس میں بھی وہ حسب سابق اس مسودہ میں نئے سرے سے تبدیلیوں پر زور دیتے رہے گویا اس روز پھر سے معاملہ لٹکا دیا گیا۔

حکومت پر قابض پارٹی کے سربراہ کے رویہ کا ذکر کرتے ہوئے مفتی محمود نے اخباری نمائندوں سے باتیں کرتے ہوئے کہا ہمارے مسودہ کو قبول کرنے سے نہ تو اس ملک میں فرشتے آئیں گے اور نہ ہی "راسپوٹین" آسکے گا البتہ اگر حکومت نے اس پر دستخط نہ کئے تو ہم سمجھیں گے کہ حکومت خود "فرشتے" لانا چاہتی ہے۔"

یکم جولائی کو پاکستان قومی اتحاد کی ٹیم مذاکرات کے لئے پہنچی تو پیپلزپارٹی کی مذاکراتی ٹیم کی بجائے ذوالفقار علی بھٹو نے ان کے سامنے چیف آف آرمی سٹاف کو پیش کردیا جو بقول بھٹو سیاسی معاہدہ کے بارے میں آرمی کا نکتہ نظر پیش کرنے آئے تھے مفتی محمود نے اعتراض کیا کہ سیاسی مذاکرات میں فوج کو نہ لایا جائے لیکن بھٹو بضد رہے پورا پون گھنٹہ وہ پاکستان قومی اتحاد کی ٹیم کو آرمی کا نکتہ نظر سننے پر آمادہ کرتے رہے اور پورے دو گھنٹے ضیاء الحق انہیں اس معاہدے کے بارے میں آرمی کا نکتہ نظر بتاتے اور سمجھاتے رہے اس طرح یہ نشست بھی پاکستان قومی اتحاد کو سنے بغیر برخاست کردی گئی۔

یکم جولائی کی رات دس گھنٹے تک فریقین مذاکرات میں مصروف رہے پاکستان قومی اتحاد کی جنرل کونسل نے آئینی ماہرین کی کئی روز کی کوششوں اور بھٹو پارٹی کی طرف سے پیش کی جانے والی ترامیم کی روشنی میں معاہدے کا ایک اور حتمی مسودہ تیار کیا تھا اور جس میں ترمیم واضافہ قبول نہ کرنے کا اتحاد کے صدر اور سیکرٹری پہلے ہی اعلان کرچکے تھے اس میں

حکومتی پارٹی نے پھر سے ترامیم پیش کر دیں ان ترامیم میں ایک تو معاہدہ وزیراعظم اور مفتی محمود کے درمیان طے پانے اور دوسری اس کے ابتدائیہ سے الیکشن کی دھاندلیوں کا ذکر نکالنا بھی شامل تھا پاکستان قومی اتحاد کی مذاکراتی ٹیم کو یہ ترمیم قبول کرنے کا اختیار نہیں تھا اسے لازماً" اتحاد کی جنرل کونسل کے پاس جانا تھا وہاں مذاکراتی ٹیم ان ترامیم کو معمولی قرار دیتی رہی حالانکہ ان کے قبول کر لینے سے ان کی ساری تحریک بلاجواز ٹھہرتی تھی اگر انتخابات میں دھاندلی نہیں ہوئی تھی اور ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیراعظم تھے تو پھر جھگڑا کس بات پر تھا؟ اتحاد کی جنرل کونسل نے بجاطور پر مذاکراتی ٹیم پر گرفت کی اور ان ترامیم کا جائزہ لینے کے لئے نئے سرے سے ماہرین کو بٹھا دیا گیا۔

3 جولائی کی رات 9 بجے کمیٹی کی رائے پر اتحاد کی کونسل نے ایک بار پھر مسودے کو حتمی شکل دی اور پونے دس بجے مذاکراتی ٹیم یہ مسودہ لے کر پرائم منسٹر ہاؤس پہنچی۔

وہاں کیا ہوا؟ مولانا کوثر نیازی اپنی کتاب کے صفحہ 196 پر لکھتے ہیں "وزیراعظم بھٹو نے کہا" آپ حضرات جو نکات لائے ہیں مجھے دے دیں میں بھی اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے آپ کو اپنے رد عمل سے آگاہ کر دیتا ہوں۔"

مفتی محمود نے چند کاغذات ان کی طرف بڑھا دیئے اور مسٹر بھٹو اٹھ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ میں اور حفیظ بھی کیبنٹ روم سے ملحق ان کے دفتر میں چلے گئے بھٹو نے ایک نظر ان کاغذات پر ڈالی ہمیں بھی وہ نکات پڑھ کر سنائے اور پھر بولے۔

"اب تم دونوں کی کیا رائے ہے؟"

"ان نکات میں کوئی نئی بات تو ہے نہیں" میں نے جواب دیا "نہ ان سے معاہدے کی شقوں میں اضافہ ہو گا محض تکنیکی نوعیت کے چند سوال ہیں میرے خیال میں تو ہمیں ان کو قبول کر لینا چاہئے تاکہ آج ہی اکارڈ پر دستخط ہو جائیں اور پھر کوئی ڈیڈ لاک پیدا نہ ہو۔"

وزیراعظم نے حفیظ کی طرف دیکھا وہ بولے "سر اس کی کوئی ضرورت نہیں انہیں جھکنے دیجئے یہ بکواس کرتے ہیں کہ ان کے ساتھیوں کے جرنیلوں کے ساتھ رابطے ہیں کوئی رابطہ نہیں جرنیل آپ کے ساتھ ہیں دراصل ان کے اپنے غبارے سے ہوا نکل گئی ہے اس لئے یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں انہیں کرنے دیجئے۔"

میں نے دوبارہ سمجھوتے پر اسی روز دستخط کرنے پر زور دیا تو وزیراعظم بولے "یار گھبراتے کیوں ہو یہ باتیں ہم مان لیں گے لیکن اتنی بھی کیا جلدی ہے اگر ہم فوری طور پر مان گئے تو یہ لوگ سمجھیں گے ہم کمزور پڑ گئے ہیں انہیں تھوڑا سا انتظار کرنا چاہئے" میں خاموش ہو گیا وزیراعظم واپس کیبنٹ روم میں آئے اور اپنی نشست پر بیٹھتے ہی مفتی محمود سے بولے۔

"ہمیں مزید مشورہ کی ضرورت ہے اس کے بعد ہی کوئی جواب دے سکیں گے"

ان کی بات سن کر مفتی محمود نوابزادہ نصراللہ خاں اور پروفیسر غفور بے چینی سے پہلو بدل کر رہ گئے تینوں اٹھے اور انتہائی مایوسی کے عالم میں ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے۔

ذوالفقار علی بھٹو کو مذاکرات شروع ہونے کے ایک ماہ گیارہ دن بعد معاہدہ کرنے میں اتنی بھی کوئی جلدی نہیں تھی۔

پاکستان قومی اتحاد کی مذاکراتی ٹیم کے واپس جانے کے بعد بھٹو نے اخبار نویسوں کو اس روز خود بریفنگ دی اور کہا "طے شدہ سمجھوتے میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہو گی اتحاد نے نئے سرے سے مسائل کھڑے کر کے قوم کو مشکل میں ڈال دیا ہے میں معاملات کو طے کرنے کے لئے ایک حد تک ہی جا سکتا ہوں اتحاد کی ٹیم نے سمجھوتہ تسلیم کر لیا تھا اب اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں اب میں وفاقی کابینہ کے اجلاس کے بعد ہی اتحاد کو جواب دوں گا۔

کون سا طے شدہ سمجھوتہ؟ اتحاد کی مذاکراتی ٹیم نے کب مانا تھا؟ بھٹو نے یہ بات اتحاد کی مذاکراتی ٹیم کی بجائے پریس کے نمائندوں سے کہنا کیوں پسند کی؟ یہ وہ باتیں ہیں جو صرف ذوالفقار علی بھٹو ہی کر سکتے تھے جو کوئی سمجھوتہ کرنا چاہتا ہو ایسا کبھی نہیں کرتا ایسا کبھی نہیں کیا کرتا۔

اسی رات ایک بجے امریکی سفیر نے بھٹو سے دوبارہ ملاقات کی اور انہیں فوج کے ٹیک اوور کرنے کے خدشہ سے آگاہ کیا مگر بقول نیازی بھٹو اسے ایک اور امریکی دھمکی سمجھتے رہے۔

4 جولائی کی شام کابینہ کے اجلاس میں اتحاد کے نئے نکات زیر بحث آئے اجلاس میں جنرل ضیاء الحق بھی موجود تھے ساڑھے گیارہ بجے عبدالحفیظ پیرزادہ کی مخالفت کے باوجود بھٹو نے پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ وہ سمجھوتہ پر دستخط کرنے کا فیصلہ کر چکے ہیں، اور کل صبح یہ

سمجھوتہ ہو جائے گا۔

مگر یہ سمجھوتہ کبھی نہ ہو سکا کیونکہ بھٹو سمجھوتہ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے پاکستان قومی اتحاد کے سیکرٹری جنرل پروفیسر غفور احمد 'ضیاء الحق سے جماعت کی لڑائی کے بعد اخباری بیانات میں کہتے رہے کہ سمجھوتہ ہو ہی گیا تھا کہ فوج آگئی لیکن ان سے کسی نے نہیں پوچھا کہ سمجھوتہ ہو ہی گیا تھا تو پھر تین جولائی کی شام آپ مایوس کیوں واپس آئے تھے معاہدے پر دستخط کیوں نہ ہو سکے؟ ذوالفقار علی بھٹو کی نصف شب کی پریس کانفرنس اور سمجھوتہ کا اعلان کرنے کی خبر اگلے روز اخبار میں شائع ہوئی لیکن اس وقت تک فوج اقتدار پر قبضہ کر چکی تھی۔ یہ ٹیک اوور کیوں ہوا؟ مذاکرات کی ساری کہانی ان دو سوالوں کا جواب ہے۔

31

فوج کیوں آئی؟

پاکستان میں امریکہ کے سفیر آرتھر ڈبلیو ہمل تین اور چار جولائی کی درمیانی رات کے ایک بجے جب ذوالفقار علی کو فوج کے اقتدار پر قبضہ کرنے کے خطرہ سے آگاہ کر رہے تھے تو فوج کے اقتدار پر قبضہ کرنے کا عمل شروع ہو چکا تھا جنرل چشتی کی کور کے ایک بریگیڈیئر امتیاز وڑائچ چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق کے حکم پر اسی وقت ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کا تختہ الٹنے کی ریہرسل شروع کر رہے تھے 3 جولائی کا سورج غروب ہونے کے ساتھ ہی سفید کپڑوں میں فوجی دستے تمام وفاقی وزراء پیپلز پارٹی کے عہدیداروں اور پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں کے گھروں اور رہائش کے مقامات کی طرف روانہ کر دیئے گئے ان کے ذمہ ان گھروں اور مقامات کا ٹھیک ٹھیک محل وقوع معلوم کرنے اور ان کی طرف جانے والے راستوں اور سڑکوں کے نقشے تیار کرنے کا کام تھا اگلی شب ان گھروں اور رہائش گاہوں سے کون دستہ کس کو گرفتار کر کے کہاں پہنچائے گا یہ چارٹ بھی تیار ہو چکے تھے پرائم منسٹر ہاؤس کے حفاظتی انتظامات کا جائزہ لے کر فوری اور موثر کارروائی کا پلان مکمل کر لیا گیا تھا فوج کی اصطلاح میں مارشل لاء کے نفاذ کا آپریشنل آرڈر جاری ہو چکا تھا پاکستان میں امریکہ کا سفیر پاکستان کے جبری وزیراعظم سے زیادہ باخبر تھا۔

جن دنوں لاہور میں مارشل لاء تھا دفتر اور شہر میں رپورٹروں کے لئے کام تو رہا نہ تھا جس روز شیخوپورہ میں وکلاء کے جلوس پر پیپلز پارٹی کے کارکنوں کی فائرنگ سے متعدد وکیل زخمی ہو گئے تھے ہم ایک وکیل دوست کے گھر گئے خلاف معمول چائے کا اہتمام دیکھ کر میں نے پوچھا

"یہ شیخوپورہ میں فائرنگ کی خوشی میں؟ ...." "ابھی جنرل جیلانی آیا تھا اسے تو تمہاری طرح صرف چائے نہیں پلا سکتا تھا" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جنرل جیلانی! وہ کیوں؟" .... "حالات کا جائزہ لیتا پھر رہا ہے" پھر کچھ سوچ کر کہا "پوچھنے آیا تھا کہ اگر ہم آ جائیں تو ہمارے خلاف تو جلوس نہیں نکالو گے" .... "مارشل لاء تو انہوں نے پہلے ہی لگا رکھا ہے" .... "یہ تو انہوں نے نہیں لگایا ان سے لگوایا گیا ہے" اس نے جواب دیا۔

لاہور میں پریس ٹرسٹ کے انگریزی اخبار پاکستان ٹائمز کے ایک نوجوان رپورٹر مجید شیخ ایک روز میرے پاس آئے ان کے پاس لاہور کے اخبارات کے ان رپورٹروں کی فہرست تھی جو آرمی انٹیلی جنس کی لسٹ پر تھے ہم یہ لسٹ دیکھ کر پریشان ہو گئے ایک دو کے بارے میں تو ہمیں شبہ تھا لیکن بعض نام وہ تھے جن کے بارے میں ہم سوچ بھی نہ سکتے تھے اس سے زیادہ پریشانی ہمیں یہ خبر شائع کرنے میں پیش آئی کہ پاکستان ٹائمز کے ڈپٹی ایڈیٹر نے یہ خبر شائع کرنے سے معذرت کر دی تھی مجید بہت غصے میں تھا انٹیلی جنس کی اور وہ بھی آرمی انٹیلی جنس کی جاسوسی کا اس نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا تھا رپورٹر کے پاس بڑی خبر ہو اور ایڈیٹر شائع کرنے کی اجازت نہ دے تو اس کا حال بہت ہی برا ہوا کرتا ہے مجید شیخ نے کہا کچھ کرو میں نے نام نہ دیئے صرف اتنی خبر دی کہ لاہور کے اتنے اخبار نویس آرمی انٹیلی جنس کی لسٹ پر ہیں دوسری صبح ان میں سے ایک سینئر رپورٹر ہانپتے ہوئے آئے "خدا کے لئے اب نام نہ چھاپنا" اس زمانے میں کسی انٹیلی جنس ایجنسی کی لسٹ پر ہونا قابل فخر نہیں سمجھا جاتا تھا نام تو ہم ویسے بھی نہیں چھاپ سکتے تھے۔

شہر میں کرفیو کے دنوں میں ایک رات ایک بجے میں دفتر سے پریس کلب کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ایک فوجی نے روک لیا "کدھر سے آئے ہو؟"

"ادھر سے" میں نے دفتر کی طرف اشارہ کر دیا۔ "کدھر کو جانا ہے؟"

"ادھر کو" میں نے پریس کلب کی طرف اشارہ کر دیا "کرفیو پاس ہے؟" میں نے جیب سے نکال کر پیش کر دیا افسر صاحب نے کرفیو پاس الٹ پلٹ کر دیکھا "کیا نام ہے؟" "اس کے اوپر لکھا ہے" میں نے جواب دیا۔ صاحب بہت غصے میں آ گئے لیکن کوئی حادثہ پیش آنے سے پہلے وہی سینئر رپورٹر ادھر سے گزرے مجھے بازو سے پکڑ کر پریس کلب کی طرف چل دیئے

راستہ میں وہ مجھے سمجھاتے رہے کہ ان بے چاروں سے جھگڑا فضول ہے یہ تو حکم ماننے والے ہیں حکم مان رہے ہیں پریس کلب کی سیڑھیوں پر چھوڑ کر واپس مڑے تو کہا "کچھ دن صبر کرو تم خوش ہو جاؤ گے۔" کیا "مطلب ہے آپ کا؟"

"بس تم ان سے لڑا نہ کرو آج ان کے حکم ماننے کی وجہ سے کوئی اور خوش ہے کسی روز دوسرا فریق خوش ہو جائے گا مگر انہوں نے تو حکم ہی ماننا ہے ایک فریق تو ان سے ناراض رہے گا" انہوں نے جواب دیا تھا ان کی پیش گوئی پر میں پریشان ہو گیا۔

ایک دفعہ مارشل لاء لگانے والے جنرلوں میں سے ایک کے ساتھ بات ہو رہی تھی میں نے کہا امریکی سفیر کے علاوہ مجھے بھی علم تھا کہ فوج اقتدار پر قبضہ کر لے گی۔ اس نے حیرانی سے میری طرف دیکھا "ناممکن"۔ میں نے یہ دو واقعات سنائے۔ "لیکن اس میں کہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ فوج اقتدار پر قبضہ کر لے گی۔" "اگر رپورٹر کا دماغ ڈیوٹی پر ہو تو اسے پتہ چل جاتا ہے۔" "ہمارا تو گمان تک نہ تھا کہ بات اتنی عام ہوئی ہو گی" انہوں نے حیرانی سے کہا ان کے جواب میں میں نے بات آگے چلائی تو انہوں نے بتایا کہ فوج کو اس کے اپنے ذرائع سے انتخاب میں دھاندلی کی تمام تفصیلات معلوم ہو گئی تھیں لیکن فوج اپنے آپ کو اس دھاندلی اور سیاست سے الگ رکھنا چاہتی تھی ذوالفقار علی بھٹو نے مارشل لاء لگا کر فوج کو اپنے ناپسندیدہ کاموں میں ملوث کر دیا۔ مارشل لاء ہو تو اس کی توہین نہیں ہونا چاہئے تحریک اس مرحلہ پر پہنچ گئی کہ لوگ وارننگ تو ایک طرف گولی سے بھی نہیں ڈرتے تھے یہ فوج کے وقار کے منافی تھا لاہور میں تین بریگیڈیروں کی طرف سے مستعفی ہونا اصل میں فوج کی طرف سے احتجاج تھا کہ دھاندلی تم کرتے ہو بدنام ہمیں کرواتے ہو مگر حکومت اس کو نہیں سمجھتی ضیاء الحق ذوالفقار علی بھٹو کو صاف صاف نہ کہہ سکے کہ ہم اس دھاندلی میں شریک نہیں ہوں گے مگر کور کمانڈروں اور اعلیٰ افسروں کے اجلاسوں میں اس صورتحال پر غور ہوتا رہتا تھا اور کوئی بھی کور کمانڈر اور اعلیٰ فوجی افسر اس سے خوش نہیں تھا اسی لئے باہمی مشورہ سے تینوں مسلح افواج کے سربراہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو ثالثی کی تجویز پیش کی تھی فوج چاہتی تھی کسی طرح فریقین میں سمجھوتہ ہو جائے اور وہ سیاسی معاملات سے الگ ہو جائے فوج کی طرف سے دباؤ اور ثالثی کی متفقہ پیش کش کی وجہ سے ہی ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان قومی اتحاد سے

مذاکرات شروع کئے تھے فوج نے ان مذاکرات کے لئے انہیں 20 دن دیئے تھے لیکن وہ نہ صرف مذاکرات ڈیڑھ ماہ تک لے گئے بلکہ کسی معاہدے پر دستخط کرنے پر آمادہ دکھائی نہیں دیتے تھے اس وجہ سے فوج کے اعلیٰ افسروں کے اجلاس میں ضیاء الحق نے کہا تھا "بھٹو وعدہ پورا کرنے پر تیار نہیں دکھائی دیتا" جنرل ضیاء الحق نے مصطفیٰ کھر کے خصوصی مشیر بنائے جانے کا کور کمانڈروں کے اجلاس میں خاص طور پر ذکر کیا اور کہا کہ وہ اسلحہ جمع کر رہا ہے ذوالفقار علی بھٹو ایک طرف مذاکرات کو طول دے کر وقت حاصل کر رہا ہے اور دوسری طرف ملک میں خانہ جنگی کی تیاریاں کر رہا ہے جنرل ضیاء الحق نے کور کمانڈروں کے اجلاس میں صورتحال کی اصلاح نہ ہونے کی صورت میں مارشل لاء لگانے کی تجویز پیش کی تو ایک آدھ کور کمانڈر نے اس کی مخالفت کی بحث کے بعد جنرل ضیاء الحق نے کہا "چیف آف آرمی سٹاف کی حیثیت سے اس بارے میں فیصلہ کرنے کا اپنا حق میں محفوظ رکھتا ہوں۔"

ذوالفقار علی بھٹو مذاکرات کو طول دے کر مختلف محاذوں پر کام کر رہا تھا پاکستان قومی اتحاد میں انتشار ڈالنے کے لئے انہوں نے راؤ رشید کی تحریری تجویز پر سردار شیرباز مزاری کے بھائی سردار بلخ شیر مزاری پر کام کرنے کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے سردار شیرباز مزاری کو نرم کیا جا سکے کیونکہ سردار شیرباز مزاری کو توڑ لینے سے بیگم نسیم ولی خاں بھی "اپنا سخت رویہ" --------- تبدیل کرنے پر مجبور ہو جائیں گی ذوالفقار علی بھٹو کو پیش کی جانے والی "ہمدردی" ذرائع کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں تیار کردہ خفیہ رپورٹوں میں اصغر خاں، سردار شیرباز مزاری اور بیگم نسیم ولی خاں کو Hard-liner بتایا گیا تھا اور ان سے کہا گیا تھا کہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں پر وقت ضائع کرنا فضول ہے وہ کسی صورت اپنا رویہ نہیں بدلے گا اس لئے ان دونوں پر کام کرنا چاہیئے اس رپورٹ میں اتحاد کی مذاکراتی ٹیم کے رکن پروفیسر غفور کو بھی ایئر مارشل اصغر خاں کے زیر اثر بتایا گیا تھا اور انہیں اس ٹیم کا خطرناک رکن ظاہر کیا گیا تھا جب کہ مولانا مفتی محمود اور نوابزادہ نصراللہ خاں کی ٹیم میں شمولیت کو خطرناک نہیں کہا گیا تھا۔

چیف آف آرمی سٹاف اور کور کمانڈروں کو لائن پر لانے میں ناکامی کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے فوج کے اندر سے کچھ آدمی تلاش کرنے کی کوشش کی بعض ایسے جرنیلوں کو الگ

الگ ملاقاتوں کے لئے بلایا انہیں ٹٹولا اور لالچ بھی دیا لیکن اس محاذ پر بھی انہیں ناکامی ہوئی

کیا ملک غلام مصطفیٰ کھر واقعی خانہ جنگی کے لئے اسلحہ جمع کر رہا تھا؟

اس بارے میں ہم 2 جولائی 1977ء کو اٹارنی جنرل پاکستان کے دفتر منعقد ہونے والی ملک میں امن عامہ کے بارے میں وفاقی کمیٹی کے اجلاس کے Minutes کا ترجمہ پیش کرتے ہیں" "ملک میں لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کے بارے میں رپورٹ پیش کرتے ہوئے انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر نے اس امکان کا اظہار کیا کہ اب عام انتخابات کے دوران پاکستان قومی اتحاد اور پاکستان پیپلزپارٹی کے حامیوں میں وسیع پیمانے پر تصادم ہو گا انہوں نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ مسٹر جی ایم کھر کی پاکستان پیپلزپارٹی میں واپسی اور ان کی طرف سے پاکستان قومی اتحاد کو کھلے چیلنج کا اعلان نہایت خطرناک اشتعال انگیزی ہے جو حالیہ خون آشام ملک گیر ہنگاموں کے باوجود دی جا رہی ہے پاکستان قومی اتحاد اور پیپلزپارٹی کے حامیوں کے درمیان ایسے کھلے تصادم کے نہایت خطرناک نتائج پیدا ہو سکتے ہیں کیونکہ گلیوں میں لڑی جانے والی اس لڑائی میں اگر کہیں ایک جگہ بھی پیپلزپارٹی کے حامی شکست کھا گئے تو اس سے پیپلزپارٹی کے حامیوں کے مورال پر بہت برے اثرات مرتب ہوں گے پاکستان قومی اتحاد کے کارکنوں کے تازہ ترین رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسے حالات پیدا ہو گئے تو وہ اتحاد کے لیڈروں کے کنٹرول میں بھی نہیں رہیں گے یہ بھی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں کہ مسٹر کھر پاکستان پیپلزپارٹی کے کارکنوں کے لئے بھاری مقدار میں اسلحہ کے حصول کے لئے پشاور بھی گئے تھے"۔ اس میٹنگ میں وزارت دفاع کے سیکرٹری، ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو، سیکرٹری اطلاعات، چیف سیکرٹری صوبہ سرحد، چیف سیکرٹری بلوچستان، وائس چیف آف سٹاف (آرمی) ہوم سیکرٹری پنجاب اور ایڈووکیٹ جنرل سندھ نے شرکت کی تھی۔

رپورٹ میں تشویش مصطفیٰ کھر کی طرف سے اسلحہ جمع کرنے اور اس کی طرف سے شدید اشتعال انگیزی پر نہیں ظاہر کی گئی بلکہ اس کے نتیجہ میں ملک کی گلیوں میں ہونے والے متوقع مسلح تصادم میں پیپلزپارٹی کے حامیوں کی پسپائی کے خدشہ کو خطرناک قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے پیپلزپارٹی کے حامیوں کے مورال پر برا اثر پڑے گا ملک کے اٹارنی جنرل کی صدارت میں ہونے والے اس اجلاس کی کارروائی کی فکری لائن سے اندازہ کیا جا

سکتا ہے کہ صوبوں کے چیف سیکرٹری، وفاقی سیکرٹری، داخلہ اطلاعات، دفاع اور وزیر قانون سندھ تک ملک میں اس خانہ جنگی سے پریشان نہیں تھے بلکہ پیپلز پارٹی کے مورال کے بارے میں فکر مند تھے۔

اگر چیف آف آرمی سٹاف بھی اپنے ساتھی جنرل کا مشورہ مان لیتا اور خانہ جنگی کے ذریعے فریقوں کے درمیان سیاسی حل ہونے تک انتظار کرتا تو ملک میں کیا ہوتا اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں۔

ملک میں مارشل لاء لگانے کا حتمی فیصلہ اور اس کے وقت کا تعین چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے خود کیا تھا کور کمانڈروں نے اپنی رائے کے اظہار کے بعد ان کا اس بارے میں فیصلے کا حق البتہ تسلیم کیا تھا اس فیصلے میں اگر کوئی کور کمانڈر شامل تھا تو وہ جنرل چشتی جنرل خالد محمود عارف اور جنرل ریاض خاں تھا جس کے زیر کمان بریگیڈ نے آپریشن فیئر پلے 3 جولائی کی شام شروع کر کے 5 جولائی کی صبح تک مکمل کیا تھا۔ جنرل خالد محمود عارف اور جنرل ریاض خاں آپریشن فیئر پلے کی تکمیل میں جنرل ضیاء الحق کے معاون اور راز دان تھے --- جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء لگانے کے فیصلہ کے پیچھے ایک اور بات بھی تھی جس کا مولانا کوثر نیازی نے اشارۃً ذکر کیا ہے ظاہر ہے وہ اپنے قائد کے بارے میں کھل کر بات نہیں کر سکتے تھے مذاکرات کو عین درمیان میں چھوڑ کر ذوالفقار علی بھٹو بیرون ملک نہ تو انتخابات کے لئے چندہ جمع کرنے گئے تھے اور نہ ہی ان مسلم ممالک کا شکریہ ادا کرنے جنہوں نے مذاکرات میں اس کی مدد کی تھی ان کی اصل منزل لیبیا تھی باقی ممالک میں وہ اس لئے رکے کہ اندرون اور بیرون ملک کوئی یہ نہ سوچ کہ اتنے نازک مرحلہ پر وہ خاص طور پر لیبیا کیوں گئے؟ فوج کی طرف سے ٹینک چلا دینے سے انکار اور مذاکرات اور سیاسی سمجھوتہ پر اصرار کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے روس کا سہارا تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس سلسلے میں انہوں نے یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو کے ذریعہ بات چیت کی تھی اور آخری مذاکرات کے لئے دونوں فریقوں نے لیبیا میں ملاقات پر اتفاق کیا تھا جس روز ذوالفقار علی بھٹو لیبیا پہنچے روس کے نمائندے وہاں پہلے ہی موجود تھے لیبیا کے سربراہ اور روسی وفد سے ملاقات میں بھٹو کے وفد کا کوئی رکن شریک نہیں ہوا تھا جنرل ضیاء الحق کے ایک معتمد جرنیل کے مطابق ان مذاکرات

میں روس کو گوادر کی بندرگاہوں میں اڈے بنانے کی اجازت دینے کے علاوہ یہ بھی مان لیا تھا کہ پاکستان اس خطہ میں بھارت کی بالادستی قبول کرلے گا اور امریکہ کی بجائے روسی بلاک میں شامل ہو جائے گا۔ چیف آف آرمی سٹاف اور کور کمانڈروں کو بھارت کی بالادستی منظور نہیں تھی انہیں اس بارے میں علم ہوا تو کور کمانڈروں کے ایک اہم اجلاس میں اس پر غور کیا گیا اجلاس میں جنرل ضیاء الحق نے کہا تھا "بھٹو پی این اے سے معاہدہ کرنے کے وعدہ سے منحرف ہو رہا ہے اور ہمیں بھی دھوکہ دینا چاہتا ہے اگر اس نے رویہ نہ بدلا تو میں مارشل لاء لگا دوں گا" جنرل ضیاء الحق کے ایک معتمد شریک مارشل لاء نے مجھے بتایا کہ لیبیا کی حکمران کونسل کے ایک اہم رکن نے دورہ پاکستان کے دوران اس کا اعتراف کیا تھا کہ بھٹو لیبیا اسی مقصد کے لئے گیا تھا۔

ذوالفقار علی بھٹو کو علم تھا کہ فوج کسی صورت بھارت کی بالادستی قبول نہیں کرے گی اسی لئے وہ اس منصوبہ پر عمل کے لئے بھی فوج کے اندر سے کسی ایسے آدمی کی تلاش میں رہا جو اس کے مقاصد کی تکمیل میں مدد کر سکے لیکن اسے ایک تو کوئی جنرل نہ مل سکا' دوسرے فوج کی ہائی کمان کو اس کے ارادوں کا بروقت علم ہو گیا۔ عوامی تعاون کے بعد بھٹو فوج کے تعاون سے بھی محروم ہو گیا اب اس کے لئے اقتدار میں رہنے کی واحد صورت بیک وقت روس اور بھارت کا سہارا تھا مگر یہ سہارا ملنے سے پہلے ہی اسے اقتدار چھوڑنا پڑ گیا۔

32

رات جو لمبی ہو گئی

چار جولائی کا سورج غروب ہونے تک پاکستان قومی اتحاد اور پاکستان پیپلز پارٹی کے قائدین کسی معاہدے پر متفق نہیں ہو سکے تھے مارشل لاء کا عمل شروع ہوئے چوبیس گھنٹے گزر چکے تھے اس روز وزیر اعظم نے پاکستان قومی اتحاد کے نکات کا کوئی جواب دیا نہ ان سے کوئی بات کی شام کابینہ کے اجلاس میں دیگر امور کے ضمن میں اس بارے میں غور تو ہوا مگر کوئی فیصلہ نہ کیا گیا اس شام جنرل چشتی' جنرل خالد محمود عارف اور جنرل ریاض آرمی ہاؤس میں اکٹھے ہوئے کل کے سروے اور تازہ صورت حال پر غور کیا۔ وزیر اعظم نے چیف آف آرمی سٹاف کو کابینہ کے اجلاس میں شرکت کے لئے تیار رہنے کو کہا تھا مگر بلایا نہیں اس شام نوابزادہ نصراللہ خاں نے پریس کانفرنس میں مذاکرات کی کامیابی کے بارمیں مایوسی کا اظہار کیا تو ضیاء الحق نے پہلے سے تیار شدہ منصوبے "آپریشن فیئر پلے" پر عملدر آمد کا حکم جاری کر دیا چونکہ بقول چشتی بھٹو نے ضیاء الحق سے کہا تھا کہ "وہ حرامی مانتے نہیں یہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا" جس کا مطلب ضیاء الحق نے یہ لیا تھا کہ اب پیپلز پارٹی کھر پلان کے تحت حزب اختلاف سے گلیوں اور بازاروں میں مسلح جنگ کا فیصلہ کر چکی ہے اور اس کی تیاریاں مکمل ہیں اس لئے ملک کو خانہ جنگی سے بچانے کے لئے مارشل لاء ضروری ہے۔ شب گزشتہ جنرل چشتی کی کور کے مقامی بریگیڈیئر کے کمانڈر بریگیڈیئر امتیاز و ڑائچ اسلام آباد اور راولپنڈی میں جملہ تنصیبات اور مقامات کا جائزہ لے چکے تھے کون کہاں مقیم ہے کسے کون دستہ حراست میں لے گا ہر قسم کے انتظامات مکمل کر لئے گئے تھے اس لئے صرف عملدر آمد کا حکم دینا باقی تھا

ملک بھر میں ساڑھے پانچ بجے یہ حکم جاری کر دیا گیا اور اس کے لئے بارہ بجے کا وقت مقرر کیا گیا لیکن کابینہ کے اجلاس میں متوقع شرکت کی دعوت کی وجہ سے اسلام آباد میں وقت آگے کر دیا گیا بارہ بجے کا وقت اس لئے رکھا گیا کہ ریڈیو کی نشریات بند ہو جانے کے بعد بھٹو کو علم بھی ہو جائے تو وہ کسی قسم کا پیغام نشر نہ کر سکیں۔ ساڑھے بارہ بجے پریس کانفرنس شروع کرنے سے پہلے ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے تین ساتھیوں ممتاز بھٹو' عبدالحفیظ پیرزادہ اور غلام مصطفیٰ جتوئی سے مشورہ کیا تو بقول جتوئی پیرزادہ نے پاکستان قومی اتحاد سے کسی معاہدے کی مخالفت کرتے ہوئے کہا "یہ لوگ ناقابل اعتبار ہیں یہ کوئی اور مسئلہ کھڑا کر سکتے ہیں ہم نے ان کے غباروں سے ہوا نکال دی ہے ان کی تحریک ختم ہو چکی ہے عوام ان سے تنگ آچکے ہیں یہ تین چار ماہ سے پہلے دوبارہ تحریک شروع نہیں کر سکتے اگر یہ دوبارہ باہر آتے ہیں تو مارشل لاء لگنے کا بھی امکان ہے لیکن ان کے ساتھ حساب برابر کرنے کا ہمارے پاس کافی وقت ہو گا؟" اس سے صاف ظاہر ہے کہ بھٹو اور ان کے معتمد ساتھی کن لائنوں پر سوچ رہے تھے وہ حساب برابر کرنے کا بھی اہتمام کر رہے تھے اور پاکستان قومی اتحاد کے ساتھ معاہدہ کر کے نئے سرے سے انتخابات کرانے کی بجائے مارشل لاء قبول کرنے کے لئے بھی تیار تھے۔

اس مشورہ اور پریس کانفرنس میں سندھ کے علاوہ کسی اور صوبہ سے تعلق رکھنے والا ان کا کوئی ساتھی شامل نہیں تھا کیوں؟ اس کا جواب دینے کے لئے ذوالفقار علی بھٹو اب ہمارے درمیان موجود نہیں۔

اس رات ملک کے عوام ٹیلی ویژن کا آخری بلٹن سن کر ایک تشویش اور اضطراب کی حالت میں سوئے لیکن جب ذوالفقار علی بھٹو پریس کانفرنس کر رہے تھے اور پاکستان قومی اتحاد کے راہنما صورت حال پر تبادلہ خیالات تو ایک اور فوجی انقلاب شروع ہو چکا تھا ذوالفقار علی بھٹو نے ساڑھے بارہ بجے پریس کانفرنس ختم کی جنرل ضیاء الحق بارہ بجے سے جی ایچ کیو میں اس انقلاب کے عمل کی نگرانی کر رہے تھے اور جنرل چشتی اپنے بریگیڈیئر کوارٹر میں بیٹھے ہدایات جاری کر رہے تھے۔

رات بارہ بجے جبری وزیر اعظم کا دور ختم ہو گیا اور جبری چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کا طویل دور شروع ہو گیا اس کے بعد کی کارروائی مارشل لاء کے دور کی کارروائی ہے رات

ساڑھے بارہ بجے سب کور کمانڈر اپنے اپنے کنٹرول روم میں بیٹھے نئے دور کی بنیادیں رکھ رہے تھے۔

لیفٹننٹ جنرل غلام حسن خاں نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ جب چیف آف آرمی سٹاف نے ٹیلی فون پر اطلاع دی کہ I have taken over تو میں نے کہا "سر یہ اچھا نہیں ہوا" اس کے جواب میں ضیاء الحق نے کہا تھا "یہ اچھا ہوا ہے یا برا جو ہونا تھا ہو چکا ہے اب آپ فورا" ہر قسم کی صورت حال کے مقابلہ کے لئے تیاری کریں"

اسلام آباد اور راولپنڈی میں رات کے ایک بجے فوج نے راہنمائی کا دعویٰ رکھنے والے سیاستدانوں کے دروازوں پر دستک دینا شروع کیا ذوالفقار علی بھٹو کو سب سے پہلے یہ اطلاع موصول ہوئی کہ فوج والے عبدالحفیظ پیرزادہ کو پکڑ کر لے گئے ہیں اس کے بعد ممتاز بھٹو نے گرین لائن پر بتایا کہ انہوں نے پرائم منسٹر ہاؤس سے واپسی پر سڑکوں پر فوج کی نقل و حرکت دیکھی ہے پھر نورا آیا کہ پرائم منسٹر ہاؤس سے پولیس غائب ہو گئی ہے اور فوج نے گھیرا ڈال رکھا ہے۔ بھٹو کو یقین ہو گیا کہ اس کا دور ختم ہو گیا ہے وہ خود ٹیلی فون پر معلوم کرنے لگ گئے کہ یہ کارروائی ضیاء الحق نے کی ہے یا کسی اور جرنیل نے اور بیگم نصرت بھٹو بچوں کو چلا چلا کر بتا رہی تھیں۔ Army has taken over !Army has taken over .

مصطفیٰ کھر کے دست راست پنجاب اسمبلی کے اس وقت رکن چوہدری محمد حنیف نے ایک دفعہ مجھے بتایا کہ جس وقت بھٹو کو بنگلہ دیش میں فوجی انقلاب اور مجیب کے خاندان کی ہلاکت کی خبر ملی تھی اس وقت وہ بھٹو کے سامنے اپنے گناہوں کی صفائی پیش کر رہے تھے اور بھٹو طیش میں خوف خدا بھی بھول چکے تھے لیکن ٹیلی فون پر یہ اطلاع ملنے پر وہ بالکل ٹھنڈے ہو گئے تھے اور کہا تھا کہ "وہاں ان حرامیوں نے ایک بچہ بھی زندہ نہیں چھوڑا ہمارا انجام معلوم نہیں کیا ہو گا" جو حکمران ظلم اور جبر کرتا ہے اسے اپنے انجام کا ہر وقت خوف رہتا ہے ذوالفقار علی بھٹو شیخ مجیب اور اس کے خاندان کے انجام کے علاوہ تاریخ اور فوجی انقلابوں کے احوال سے بھی آگاہ تھے انہیں خدشہ تھا کہ ان کا بھی وہی انجام نہ ہو جو شیخ مجیب کا ہوا تھا یا فوج ان کے خاندان کا بھی وہی حشر نہ کرے جو اس نے ڈھاکہ میں کیا تھا ایسی صورت میں اس نے پہلے سے حکم دے رکھا تھا کہ سب اہل خانہ باہر کھلے لان میں جمع ہو جائیں تاکہ اگر

کوئی فوجی گولی چلائے تو بعد میں یہ نہ کہہ سکے کہ وہ کسی کو پہچان نہ سکا تھا یا کسی نے مزاحمت کی تھی اور ایسا کرنے والوں کے جرم کا کوئی گواہ مل سکے اس لئے بیگم نصرت بھٹو بچوں کی خواب گاہوں پر دستک دیتی پھر رہی تھی اور چلا چلا کر انہیں لان میں جمع ہو جانے کو کہہ رہی تھیں اور بچے شب خوابی کے لباس میں لان کی طرف دوڑ رہے تھے۔

پرائم منسٹر ہاؤس کے ٹیلی فون ایکسچینج کا کنکشن کاٹ دیا گیا تھا لیکن گرین لائن اور ہاٹ لائن ابھی بحال تھیں۔

بھٹو صاحب کو یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ٹیک اوور کے پیچھے کون ہے انہوں نے اپنے ملٹری سیکرٹری جنرل امتیاز کے گھر پر ٹیلی فون کیا تو جواب ملا کہ وہ جی ایچ کیو جا چکے ہیں پھر جنرل ضیاء الحق کے گھر ٹیلی فون کیا وہاں سے بھی یہی جواب ملا کہ وہ جی ایچ کیو میں ہیں مطلب صاف تھا آخر وہ جی ایچ کیو میں چیف آف آرمی سٹاف سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے "یہ کیا ہو رہا ہے؟" انہوں نے پوچھا جس کے جواب میں جنرل ضیاء الحق نے انہیں بتایا کہ فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا ہے اس تصدیق کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کسی سوچ میں پڑ گئے تو چیف آف سٹاف نے اپنے روائتی نرم لہجہ میں نہات ادب سے کہا "سر اس کے بغیر چارہ نہیں تھا اب آپ ہمارے ساتھ تعاون کیجئے دوسری صورت میں ہمیں طاقت استعمال کرنا ہو گی" "نہیں اس کی ضرورت نہیں پڑے گی" بھٹو نے حالات کی نزاکت کا اندازہ کرتے ہوئے جواب دیا "میرا انجام کیا ہو گا" بھٹو صاحب نے ذرا رک کر پوچھا

"آپ کو پورے احترام کے ساتھ چکلالہ پہنچا دیا جائے گا جہاں سے صبح آپ کو مری منتقل کر دیا جائے گا" ضیاء الحق نے جواب دیا۔

"اور بچے؟"

"وہ رات یہیں رہیں صبح لاڑکانہ جانا چاہیں یا کراچی ان کی مرضی کے مطابق بندوبست کر دیا جائے گا"

جنرل ضیاء الحق کے رویہ سے بھٹو صاحب کچھ مطمئن ہو گئے اور کہا "میں صبح تک بچوں کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے آپ رات آرام سے رہیں لیکن صبح مری کے لئے تیار رہیں۔"

"ٹھیک ہے شکریہ" ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے منتخب کمانڈر انچیف کا شکریہ ادا کر کے ریسور رکھا تو پرائم منسٹر ہاؤس کا یہ آخری ٹیلی فون بھی Dead ہو گیا شائد فوج والوں کو اب تک اس لائن کی موجودگی کا علم نہیں تھا واپس آ کر انہوں نے اپنے اہل خانہ کو اندر بلا لیا اور انہیں ضروری ہدایات دیں 5 جولائی کی صبح نو بجے جب وہ فوجی دستہ کی نگرانی میں وزیراعظم کی مخصوص گاڑی میں مری کے لئے روانہ ہو رہے تھے تو ان کے دونوں صاحبزادے ضروری سامان اور کاغذات کے صندوقوں کے ساتھ کراچی پہنچ چکے تھے پرائم منسٹر ہاؤس کی نگرانی پر متعین فوجی حکام نے نہ ان سے کچھ پوچھا تھا اور نہ ہی ان کے سامان کی تلاشی لی گئی تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو نے وہ ساری رات جاگ کر گزاری کابینہ کے اجلاس میں' پریس کانفرنس میں' فوج کے اقتدار پر قبضہ کی خبر کے بعد تشویش اور ضیاء الحق سے بات چیت کے بعد ضروری کاغذات جلانے اور صندوقوں میں بند کرنے میں فوجی دستہ کے انتظار کے یہ سات گھنٹے ان کی زندگی میں سب سے طویل اور تکلیف دہ گھنٹے تھے 4 اور 5 جولائی کی یہ درمیانی رات ان کی زندگی کی طویل ترین رات تھی جب یہ رات شروع ہوئی تو وہ ملک کے وزیراعظم کی کرسی پر تشریف فرما تھے جس کی مضبوطی سے وہ قوم کو خوفزدہ کرتے رہے تھے جب ختم ہوئی تو وہ سابق وزیراعظم ہو چکے تھے ایک رات کے اندھیرے میں آنے والے فوجی انقلاب کی بدولت وہ وزارت اور سیاست میں آئے تھے سیاست اور فوج کی بدولت اس مضبوط کرسی تک پہنچے تھے ایک اور رات کے اندھیرے میں آنے والے فوجی انقلاب نے انہیں اس کرسی سے الگ کر دیا رات کے اندھیرے میں ایک اندھیرا دور ختم ہو گیا اور دوسرا اندھیرا دور شروع ہو چکا تھا کہتے ہیں ہر رات کے بعد دن آتا ہے لیکن ہمارے مقدر میں ایک رات کے بعد ایک اور رات لکھ دی گئی تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی مانند اتحاد کے اکثر لیڈروں کو بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا ایک دوست نے مجھے بتایا کہ جب وہ ایک مغربی اخبار نویس کے ہمراہ رات ہی اصغر خان کا پتہ کرنے اس کے بھانجے کے گھر گیا تو اس نے کہا تھا "فکر کی کوئی بات نہیں تھوڑی دیر میں ماموں صاحب حلف لے رہے ہیں"

5 جولائی کا سورج طلوع ہوا تو پاکستان قومی اتحاد کے کارکن بھی خوش تھے اور پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن بھی خوش پاکستان قومی اتحاد کے کارکنوں کی آزمائش اور سختیوں کا دور

ختم ہو گیا تھا وہ ذوالفقار علی بھٹو کی اقتدار سے روانگی پر شاد تھے پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکن ایک دوسرے سے کہتے پھر رہے تھے "ضیاء الحق اپنا ہی آدمی ہے یہ بھی چیئرمین کی ایک چال ہے وہ بہت جلد اقتدار چیئرمین کو واپس کر دیں گے"۔ مجھے دونوں فرقوں کی سوچ پر ہنسی آتی تھی یہ جھگڑا سیاسی میدان میں حل ہونا چاہئے تھا سیاستدان ایک بار پھر بحران پیدا کر کے اسے حل کرنے میں ناکام ہو گئے تھے

(33)

جنرل عبداللہ ملک کے انکشافات

تاریخ پاکستان کے ایک نازک مرحلہ میں جنرل عبداللہ ملک چیف آف جنرل سٹاف تھے ذوالفقار علی بھٹو وزیراعظم تھے اور جنرل محمد ضیاء الحق چیف آف آرمی سٹاف اپنے منصب اور فرائض کے حوالہ سے انہیں ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا وہ بہت سے ان حالات و واقعات کے چشم دید گواہ ہیں جن کے نتیجے میں ملک میں ایک بار پھر مارشل لاء لگا اور ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم ہو گئی چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق نے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی کرسی پر تشریف فرما ہونے کے بعد جو فوری اقدامات کئے ان میں جنرل ملک کو فوج سے رخصت کرنا بھی تھا کیونکہ وہ ان کے مارشل لاء لگانے کے منصوبہ میں شامل نہیں ہوئے تھے وہ جنرل ضیاء الحق کے منصوبہ میں کیوں شامل نہ ہوئے؟ یا جنرل ضیاء الحق نے انہیں اس منصوبہ میں شامل کیوں نہ کیا؟ میں نے ان سے پوچھا تو جو کچھ انہوں نے بتایا وہ پہلی بار سامنے آ رہا ہے جنرل ضیاء الحق کیا چاہتے تھے اور ذوالفقار علی بھٹو ان سے اور فوج سے کیا کروانا چاہتے تھے میں نے جاننا چاہا انہوں نے صاف صاف بتا دیا جنرل ملک پڑھے لکھے دانشور اور صاف گو سپاہی ہیں تاریخ اور اس کی رفتار کا شعور رکھنے والے اس صاف گو اور بااصول جرنیل نے جو کچھ بتایا اس سے بہت سی باتوں کی تصدیق ہوئی مولانا کوثر نیازی کی بعض باتوں کی تردید ہو گئی اور بعض نئی باتیں سامنے آئیں ان کی ریکارڈ شدہ گفتگو سوال و جواب کے انداز میں پیش کی جا رہی ہے۔

س : ذوالفقار علی بھٹو کے آخری ایام کے بارے میں تحریروں میں کہا گیا ہے کہ وہ ضیاء الحق کو ہٹا کر آپ کو چیف آف آرمی سٹاف بنانا چاہتے تھے اس میں کہاں تک سچائی ہے؟

ج : یہ غالباً درست ہے اور اس کو میں درست ماننے کے لئے تیار ہوں اس لئے کہ جس شخص نے پہلی مرتبہ یہ بات بتائی میں اس کو صحیح سمجھ سکتا ہوں اور وہ اس پوزیشن میں تھے کہ ان کو صحیح حالات کا علم ہو میرا اشارہ اس وقت ریٹائرڈ ایئرچیف مارشل ذوالفقار کی طرف ہے جو بھٹو کے وقت چیف آف ایئر سٹاف تھے اور ان کے بقول یہ بات انہیں خود ذوالفقار علی بھٹو نے نتھیا گلی میں ایک ملاقات میں بتائی تھی غالباً یہ مارچ 1977ء کی بات ہے ذوالفقار علی بھٹو ضیاء الحق کی کارکردگی اور فوج کے صورتحال سے نپٹنے سے مطمئن نہیں تھے بقول ایئرچیف مارشل ذوالفقار علی بھٹو نے ان سے کہا تھا کہ وہ ضیاء الحق کو فوج کی کمان سے ہٹانا چاہتے ہیں اس ضمن میں انہوں نے میرا نام لیا تھا۔

س : اس سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو نے خود آپ کو براہ راست یا بلاواسطہ کبھی کوئی اشارہ دیا تھا؟

ج : نہیں ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے مجھے کوئی اشارہ نہیں ملا ہاں بھٹو کے ساتھ ایک میٹنگ میں جو گفتگو ہوئی اس سے مجھے کچھ احساس ہوا تھا کہ شاید ان کے دل میں ایسی کوئی بات ہے مجھے اس بات کا بھی احساس تھا کہ بھٹو میرے بارے میں اچھی رائے رکھتے ہیں اس کا انہوں نے کئی بار اظہار بھی کیا تھا لیکن مجھے چیف آف آرمی سٹاف بنانے کے بارے میں انہوں نے Direct یا Indirect مجھ سے کوئی بات نہیں کی تھی اور نہ ہی کسی آدمی کے ذریعے مجھ تک ایسی کوئی بات پہنچائی تھی۔

س : ذوالفقار علی بھٹو سے آپ کی پہلی ملاقات کب اور کن حالات میں ہوئی؟

ج : ان سے پہلی ملاقات تو اس وقت ہوئی جب وہ وزیر تھے ایوب خاں کے میں اس وقت میجر تھا وہ پنڈی کلب میں آیا کرتے تھے وہیں ان سے پہلی ملاقات ہوئی مگر ان ملاقاتوں کی تفصیل نہ مجھے یاد ہے نہ انہیں یاد رہی ہو گی سرکاری طور پر ان سے میری

پہلی ملاقات غالباً اس وقت ہوئی جب میں جی ایچ کیو میں ڈائریکٹر انٹیلی جنس تھا اس زمانے میں نام نہاد بغاوت کیس چل رہا تھا اٹک میں جس میں چند فوجی افسروں کو حکومت کے خلاف بغاوت کا مجرم قرار دیا گیا تھا اس حیثیت میں کئی بار جنرل ٹکا خاں کے ساتھ اس کیس کے بارے میں انہیں میں نے بریفنگ دی تھی چند بار میں نے اکیلے بھی انہیں اٹک کیس کے بارے میں کچھ تفاصیل دی تھیں یہ 1973ء کی بات ہے۔

س : جنرل صاحب جب آپ 1977ء میں چیف آف جنرل سٹاف تھے اور ملک میں پاکستان قومی اتحاد کی تحریک چل رہی تھی اس وقت آپ کی بھٹو سے پہلی ملاقات کب ہوئی تھی؟

ج : ان دنوں میں ہنگامی صورتحال تھی اور ذوالفقار علی بھٹو چیف آف آرمی سٹاف سے اکثر ملاقاتیں کیا کرتے تھے انہوں نے کور کمانڈروں کے ساتھ بھی ملاقاتیں کیں ان ملاقاتوں میں اور اہم قسم کی فوجی میٹنگوں میں چیف آف جنرل سٹاف کی حیثیت سے میرا ہونا ضروری ہوتا تھا اور میں ان میٹنگوں میں موجود ہوتا تھا انہوں نے جب کبھی اپنی کابینہ کے اجلاسوں میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق کو شرکت کے لئے بلایا تو مجھے بھی چیف آف آرمی سٹاف کے ساتھ ان اجلاسوں میں شرکت کرنے کا موقع ملا اور وہاں اکثر میں نے Directly یا Indirectly اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا کیونکہ مجھ سے پوچھا جاتا تھا اور میری پوزیشن ایسی تھی کہ مجھے ہر لمحہ لمحہ کی صورتحال سے آگاہ رہنا پڑتا تھا اور پی این اے کی تحریک کے بارے میں انہیں بریفنگ دینا پڑتی تھی۔

س : آپ بتا سکتے ہیں کہ تحریک کے بارے میں ذوالفقار علی بھٹو کی پہلی میٹنگ چیف آف آرمی سٹاف کے ساتھ ہوئی تھی یا کور کمانڈروں کے ساتھ؟ اور اس میں کیا معاملات زیر بحث آئے تھے؟

ج : دیکھئے جب سے میں نے چیف آف جنرل سٹاف کا عہدہ سنبھالا تب سے سوشل یا دیگر تقریبات میں چیف کے ہمراہ میری بھٹو سے ملاقاتیں ہوئیں اور وہاں میرا ان سے

تعارف کرایا گیا جہاں تک الیکشن اور اس کے بعد تحریک کا تعلق ہے تو انتخابی مہم کے دوران ہی حکومت کے حلقوں میں بعض خدشات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے کیونکہ پاکستان قومی اتحاد کی انتخابی مہم ان کی (حکومت والوں کی) توقعات سے زیادہ زور پکڑتی جا رہی تھی اس سلسلے میں ذوالفقار علی بھٹو چند ایک مرتبہ جی ایچ کیو آئے تھے جہاں انہیں انتخابات سے پہلے بھی بریفنگ دی گئی تھی بعض حالات کے بارے میں وہاں بھی میں موجود تھا بعض دفعہ بھٹو نے اپنی کابینہ کے ارکان اور سول افسروں کے ساتھ بھی اس سلسلے میں میٹنگیں کی تھیں جن میں میرا ہونا بھی ضروری ہوتا تھا کیونکہ چیف آف آرمی سٹاف ان میں شریک ہوتے تھے اور میٹنگوں کا یہ سلسلہ الیکشن سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا الیکشن کے بعد جب تحریک زور پکڑ گئی تب کور کمانڈروں کے ساتھ بھی میٹنگیں شروع ہو گئی تھیں۔

س: جنرل صاحب میرے علم میں ہے کہ الیکشن سے پہلے جنرل ضیاء الحق نے تمام کور کمانڈروں سے کہا تھا کہ وہ اپنے اپنے ایریا میں جائزہ لے کر بتائیں کہ پیپلز پارٹی جیت رہی ہے یا پی این اے اور کسے کتنے ووٹ ملنے کی توقع ہے آپ یہ بتائیں کہ یہ جائزہ رپورٹیں تیار کرنے کا حکم ضیاء الحق نے بھٹو کے کہنے پر دیا تھا یا اپنے طور پر اور الیکشن سے پہلے جن اجلاسوں اور بعض واقعات کا ابھی آپ نے ذکر کیا ہے وہ کون سے واقعات تھے؟ اور کون سے معاملات پر بھٹو نے فوج سے مشورہ کرنا تھا؟

ج: جیسا کہ میں نے پہلے کہا ہے انتخابی مہم کے دوران ہی حکمران پارٹی کے دل میں خدشات پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے بریگیڈیئر مظفر ملک جو ان کی سیکورٹی کونسل میں تھے وہ بتایا کرتے تھے کہ پی این اے کی انتخابی مہم حکمران پارٹی کی توقعات سے زیادہ تیز جا رہی ہے ان حلقوں میں یہ بھی سرگوشیاں سنی جاتی تھیں کہ انتخابات میں دھاندلی کرنا پڑے گی اور غالباً جنرل ضیاء الحق نے اپنے طور پر جائزہ لینے کی کوشش کی تھی کہ پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کی کامیابی کے امکانات کیا ہیں؟ مجھے ٹھیک طور پر علم نہیں کہ مسٹر بھٹو نے ایسا جائزہ لینے کے لئے ضیاء الحق سے کہا تھا یا نہیں میرا اپنا خیال ہے کہ بھٹو نے ان سے نہیں کہا ہو گا یہ جائزہ ضیاء الحق نے اپنے طور پر لیا ہو

گا۔

س : آپ نے بتایا کہ حکمران پارٹی کے اندرونی حلقے کہنے لگے تھے کہ شاید انتخابات میں دھاندلی کرنا پڑے اور ان حالات میں ذوالفقار علی بھٹو فوج کی کمان سے جو میٹنگیں کرتے تھے ان میں وہ کیا کہتے تھے فوج سے؟ وہ کیا توقعات رکھتے تھے آپ سے کیا کرنے کو کہتے تھے؟ کیا معاملات زیر بحث آتے تھے؟ اور آپ کیا رپورٹ دیا کرتے تھے؟

ج : دیکھیں ظاہرا" طور پر تو وہ فوج سے یہی کہتے تھے کہ پی این اے والے زور پکڑ رہے ہیں اور وہ شاید الیکشن میں دھاندلی کریں گے اور انتخابی عمل میں رکاوٹ ڈالیں گے اس صورت میں پولنگ سٹیشنوں پر امن و امان بحال رکھنے کے لئے فوج کی مدد اور مداخلت کے طریقوں پر غور کیا جاتا تھا اور حکومت کی طرف سے فوج کو بتایا جاتا تھا کہ انتخابی انتظامات کیا ہوں گے اس کی تہ میں ظاہر ہے مسٹر بھٹو کی یہی خواہش تھی کہ فوج ان کے حق میں مداخلت کرے لیکن ظاہری طور پر تو وہ یہی کہتے تھے کہ امن و امان کا مسئلہ پیدا ہونے کی صورت میں فوج ان کی مدد کرے اس وقت حکمران پارٹی اور پی این اے دونوں کی طرف سے کہا جانے لگا تھا کہ دوسرا فریق انتخابات میں دھاندلی کرے گا اور دونوں فریق فوج کو اپنے حق میں متاثر کرنے کی کوشش کرنے لگے تھے لیکن جہاں تک فوج کی بریفنگ کا تعلق ہے وہ یہی ہوتی تھی کہ فوج اس کے لئے کیا تیاریاں کرے گی اور حکومت کو فوج سے کیا توقعات رکھنا چاہئے یہ تو انتخابات سے پہلے کی بات ہے لیکن جب پی این اے نے انتخابات کے نتائج کو ماننے سے انکار کر دیا اور اس کی تحریک زور پکڑنے لگی تو اس زمانے میں حکومت اور فوج کے حکام کے درمیان میٹنگیں بہت زیادہ ہونے لگی تھیں بعض دفعہ بھٹو اور ان کے چند ساتھی چیف آف آرمی شاف سے صورتحال پر تبادلہ خیال کرتے تھے بعض دفعہ کابینہ کے اجلاسوں میں چیف آف آرمی شاف یا دوسرے سروسز کے سربراہوں کو صورتحال کے بارے میں تبادلہ خیال کے لئے بلایا جاتا تھا چند ایک میٹنگیں ایسی بھی ہوئیں جن میں کور کمانڈر بھی شامل تھے اور تمام سروس چیف بھی اور بھٹو کے ساتھ

دو یا تین وزراء نے بھی شرکت کی تھی ان میں صورتحال کا جائزہ لیا جاتا تھا اور اس کے بارے میں بحث ہوتی تھی میں ان تمام میٹنگوں میں موجود تھا۔

س: یہ بھی سنا گیا ہے کہ اس حیثیت میں آپ کی بھٹو سے الگ میٹنگیں بھی ہوئی تھیں ان میں آپ نے کیا بات چیت کی تھی؟

ج: ایک دو اجلاسوں میں بھٹو صاحب نے ظاہری طور پر صورتحال کے بارے میں میری رائے اور تجزیہ سے اتفاق کیا تھا اور کہا تھا کہ میری رائے سوچی سمجھی اور حقیقت سے قریب ہوتی ہے ملک کے چند شہروں کراچی لاہور اور ملتان میں مارشل لاء لگانے سے غالباً دو روز پہلے بھٹو صاحب سے میری الگ میٹنگ ہوئی تھی اس وقت تک میں ان سے آفیشل اجلاسوں یا سوشل تقریبات میں ہی ملا تھا اس سہ پہر میں اسلام آباد گیا ہوا تھا ڈیڑھ گھنٹہ میں گھر سے باہر رہا واپس آیا تو ٹیلیفون آپریٹر نے بتایا کہ پرائم منسٹر ہاؤس سے آپ کے لئے دو تین دفعہ ٹیلیفون آ چکا ہے ان دنوں وزیراعظم ہنگامی طور پر اجلاس بلا لیا کرتے تھے جن میں فوج کی طرف سے جنرل ضیاء الحق اور میں شریک ہوا کرتے تھے اس لئے میرا خیال یہی تھا کہ کوئی اس قسم کی میٹنگ ہو گی جس میں میرا شریک ہونا ضروری ہو گا میں نے سب سے پہلے چیف آف آرمی سٹاف کے گھر ٹیلیفون کیا تو وہاں سے معلوم ہوا کہ جنرل ضیاء الحق گھر پر موجود نہیں اس سے میرے اس خیال کو تقویت ملی کہ جنرل ضیاء الحق وزیراعظم کے پاس ہوں گے میں جلدی سے تیار ہو کر وزیراعظم ہاؤس پہنچ گیا وزیراعظم کے اے ڈی سی نے مجھے ڈرائنگ روم سے ملحق چھوٹے کمرے میں بٹھا دیا وہاں اور کوئی نہیں تھا تھوڑی دیر بعد ذوالفقار علی بھٹو بھی وہاں آ گئے اور ابتدائی کلمات کے بعد بات چیت شروع کر دی انہوں نے اپنے نکتہ نظر کے مطابق تمام ملکی صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ صورتحال پر قابو نہیں پایا جا رہا میں نے اپنی رائے دی اور فوج جو کچھ کر رہی تھی وہ بتایا تو ذوالفقار علی بھٹو نے اچانک پوچھا کہ اگر ملک میں مارشل لا لگا دیا جائے تو کیسا رہے گا؟ میں نے کہا کہ مارشل لاء لگانا مناسب نہیں اس پر انہوں نے سوال کیا "کیوں؟"

میں نے یہ کہا "یہ فوج کا کام نہیں آپ فوج کو اقتدار کا راستہ نہ دکھائیں آپ اسے ملک کی سیاست میں ملوث نہ کریں تو بہتر ہو گا"

اس پر وہ کچھ دیر بحث کرتے رہے کہ فوج کو اقتدار میں شامل کر لیا جائے میں نے کہا اس سے صورتحال بہتر نہیں ہو گی مگر وہ اپنی رائے پر قائم رہے کہ پورے ملک میں مارشل لا لگا دینا چاہئے آخری دلیل کے طور پر میں نے کہا کہ 1973ء کے آئین میں بھی ملک میں مارشل لاء لگانے کی گنجائش نہیں اس پر وزیراعظم مسکرائے اور پوچھا آپ نے آئین پڑھا ہے؟" میں نے جواب دیا "جی ہاں پڑھا ہے اور اسی پر ہم حلف لیتے ہیں" اس پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے اے ڈی سی کو بلا کر کہا "حفیظ کو بھیجو"

جلد ہی حفیظ پیرزادہ اپنے روایتی انداز میں کمرے میں داخل ہوئے بڑی ہائی سپرٹ میں بھٹو صاحب نے ان سے کہا "حفیظ جنرل ملک کہتے ہیں کہ آئین میں ملک میں مارشل لاء لگانے کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں۔"

"کوئی پرابلم نہیں سر ہم کل اسمبلی کا اجلاس بلا کر آئین میں ترمیم کر لیتے ہیں" حفیظ پیرزادہ نے ایسے جواب دیا جیسے یہ بہت ہی معمولی بات ہو۔

مسٹر بھٹو نے میری طرف دیکھا جیسے پوچھ رہے ہوں اب کیا کہتے ہو؟

میں نے کہا "ایسا کرنے سے آئین کا وقار مجروح ہو گا وہ آئین جس کی تیاری پر آپ نے بہت محنت کی تھی اور اس بارے میں حزب اختلاف کو ساتھ ملا کر متفقہ آئین بنوایا تھا اس آئین میں اس انداز میں ہنگامی اجلاس بلا کر یکطرفہ ترمیم کر لینا کوئی مناسب معلوم نہیں ہوتا اور اس سے آپ کا مقصد بھی حاصل نہیں ہو گا"

بھٹو نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا "یہ میرے سوچنے کی بات ہے"

میں خاموش ہو گیا

اس کے بعد انہوں نے مارشل لاء لگانے کے عملی طریق کار پر بات شروع کر دی میں نے ان سے پوچھا کہ اگر آپ مارشل لاء لگائیں گے تو کیا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر آپ خود ہوں گے یا کوئی اور ہو گا اور بتایا کہ اگر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کوئی اور

ہو گا تو سپریم اتھارٹی تو وہ ہو گا اس صورت میں آپ کے پاس کیا ہو گا؟"
اس پر سوچنے کے بعد بھٹو صاحب نے پوچھا "اگر ہم کچھ علاقوں میں مارشل لا لگا دیں تو؟"

میں نے جواب دیا "وہ تو آپ جب چاہیں لگا سکتے ہیں کوئی بھی شہر فوج کے حوالے کر سکتے ہیں جیسا کہ 1950ء میں لاہور میں مارشل لاء لگایا گیا تھا اور جنرل اعظم خاں مقامی صورتحال کے انچارج تھے"

ایسے معلوم ہوا جیسے انہیں راستہ مل گیا ہو انہوں نے پوچھا "اگر ہم تین شہروں کراچی ملتان اور لاہور میں مارشل لاء لگا دیں جہاں صورتحال زیادہ خراب ہے تو کیسا رہے گا؟"

میں نے جواب دیا "لگا کر دیکھ لیں یہ ایک قسم کا تجربہ ہو گا کر لیں"

بہر حال میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے انہیں مشورہ دیا تھا یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس بات چیت کے بعد بھٹو صاحب نے پورے ملک میں مارشل لاء لگانے کی بجائے چند شہروں میں مارشل لاء لگانے کا فیصلہ کیا تھا ذاتی طور پر میں نہ مکمل مارشل لاء کے حق میں تھا اور نہ ہی جزوی مارشل لاء کے حق میں اور میں نے ان سے کہہ بھی دیا تھا کہ جناب میں نے آپ کے منصوبہ کی مخالفت کر رہا ہوں نہ حمایت آپ اس مسئلہ پر چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق سے بات کر لیں اور پھر کوئی فیصلہ کریں تو بھٹو صاحب نے کہا ٹھیک ہے ہم کل جنرل ضیاء سے بھی بات کر لیں گے چنانچہ اگلے روز وزیراعظم کی طرف سے پھر بلاوا آیا جنرل ضیاء الحق کو وہ مجھے ساتھ لے کر گئے اور بھٹو صاحب کے اس منصوبے کی تائید کی ان کی تائید کے بعد ہی ملک میں جزوی مارشل لاء لگایا گیا تھا اسی دوران میں شاید اسمبلی سے بھی اس بارے میں منظوری لے لی گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی طاقت کی منتقلی کا عمل شروع ہو گیا جو بالآخر ضیاء الحق کے اقتدار پر مکمل قبضہ پر منتج ہوا تھا۔

س: جنرل صاحب اسی جزوی مارشل لاء کے دوران فوج کے ہاتھوں بہت سے شہری مارے گئے تھے ان ہلاکتوں کا فوج اور سول حکومت کی سوچ پر کیا اثر مرتب ہوا تھا؟

اسی دوران لاہور میں ایک بہت ہی اہم واقعہ ہوا کہ تین بریگیڈیئر صاحبان نے استعفٰے پیش کر دیئے اس واقعہ کا فوج کی سوچ اور مورال پر کوئی اثر پڑا؟ اور سول حکومت کا اس بارے میں کیا رد عمل تھا؟

ج: اس پر دو قسم کے تاثرات تھے ایک فوج کا اور ایک سول حکومت کا فوج یہ کہتی تھی کہ وہ اپنے فرائض کی حدود کے اندر رہتے ہوئے صورتحال پر قابو پانے کی پوری کوشش کر رہی ہے جبکہ مسٹر بھٹو اس پر عدم اطمینان کا اظہار کرتے تھے اور یہ ظاہر کرتے تھے کہ فوج وہ سختی نہیں کر رہی جو اسے کرنا چاہئے مطلب یہ کہ فوج لوگوں کو اس انداز میں مار نہیں رہی ہے جیسے اسے مارنا چاہئے اس طرح بے دریغ فائرنگ نہیں کر رہی جیسی فائرنگ حکومت کروانا چاہتی تھی اشاروں کنایوں میں یہ کہا جاتا تھا کہ اس سے زیادہ بھی اگر لوگ مارے جائیں تو ہمیں پرواہ نہیں لیکن فوج کو تو اس کی پرواہ تھی کہ آخر وہ اپنے ہی لوگ تھے اور فوج کو پہلے ہی بنگلہ دیش میں ایک تلخ تجربہ ہو چکا تھا اس لئے فوج جو کچھ کر رہی تھی وہ پابندیوں کے اندر رہتے ہوئے کر رہی تھی مگر حکومت فوج کے اس محتاط انداز کو پسند نہیں کرتی تھی اس دوران میں یہ بھی علامات ظاہر ہونے لگی تھیں کہ فوج میں نفسیاتی طور پر یہ خیال پیدا ہو رہا ہے کہ اگر آپ لوگوں کے ساتھ نرمی سے مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتے ہیں تو پھر سختی نہیں کرنا چاہئے یہ بھی تاثر پایا جاتا تھا کہ حکومت جتنی جلد ممکن ہو اس مسئلہ کو سیاسی طور پر حل کرے تاکہ فوج ایک ناخوشگوار فریضہ سے جان چھڑا سکے فوج پر نفسیاتی طور پر بہت اثر ہو چکا تھا اور حکومت اس سے واقف تھی اس کے باوجود حکومت فوج کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کرتی تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الحق نے اپنے طور پر مجھے اور آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل جیلانی سے کہا کہ ہم لاہور جائیں اور وہاں کی ساری صورتحال کا خود جائزہ لیں چنانچہ ہم دونوں پرائیویٹ طور پر لاہور گئے وہاں کے فوجی کمانڈر کو اطلاع دیئے بغیر ہم وہاں خفیہ طور پر رہے اور ایک پرائیویٹ گاڑی میں سول کپڑوں میں شہر میں گھومتے رہے وہاں مختلف جگہوں پر متعین فوجیوں نے ہمیں روکا بھی مختلف ناکوں پر مگر ہم

نے کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور عام لوگوں کی طرح وہاں سے گزرے اور لاہور میں حالات کا جائزہ لیا ہم نے دیکھا کہ لاہور کے مجموعی ماحول میں ایک شدید قسم کا تناؤ ہے جب ہم کسی فوجی جوان کے چہرے کو دیکھتے تھے اس کی آنکھوں میں جھانکتے تھے اس سے بات کرتے تھے تو مجھے احساس ہوتا تھا کہ اس کام کے بارے میں وہ مطمئن نہیں جو اس سے لیا جا رہا ہے وہ سمجھتا ہے یہ اس کی ڈیوٹی نہیں یہ حالات دیکھ کر ہم کور ہیڈ کوارٹرز گئے جہاں جنرل اقبال اپنے افسروں سے ایک میٹنگ کر رہے تھے وہاں بھی ایک تناؤ اور ٹینشن کا ماحول تھا وہاں پر جب صورتحال کا تجزیہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حالات فوج کے قابو میں نہیں اور حالات پر کنٹرول کرنے کے لئے فوج کو بے دریغ طاقت استعمال کرنا پڑے گی جس کے لئے فوج کے جوان اور نچلے درجہ کے افسر غالباً تیار نہیں تھے یا یہ تاثر تھا کہ شاید وہ خوشی سے ایسا نہ کریں لاہور سے واپس آکر میں نے جنرل ضیاء الحق کو اسی تاثر سے آگاہ کر دیا اور رپورٹ دی کہ لاہور میں جو ماحول ہے اس میں کافی ٹینشن اور شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں مجھے یاد ہے میں نے ان سے کہا تھا کہ لاہور میں اتنا دباؤ اور ٹینشن ہے کہ معلوم ہوتا ہے چند روز تک کوئی چیز اس ٹینشن کے بوجھ کی وجہ سے ٹوٹ جائے گی میں نے ان سے کہا کہ آپ خود لاہور جا کر اس صورتحال کا جائزہ لیں چنانچہ اس سے دوسرے یا تیسرے روز جنرل ضیاء الحق خود لاہور گئے اسی دوران میں ہی تین بریگیڈیئر صاحبان نے اپنے استعفے کور کمانڈر کو پیش کر دیئے تھے یہ وہی ٹوٹنے والی بات تھی جس کا مجھے احساس ہوا تھا فوج میں اتنے بڑے افسروں کے استعفے پیش کر دینے کی پہلے کوئی مثال نہیں تھی ان استعفوں کے بارے میں فوج کے مختلف لوگوں میں مختلف قسم کا رد عمل ہوا کچھ لوگوں کو ان کے ساتھ ہمدردی تھی کچھ لوگ کہتے تھے کہ انہوں نے اپنا کیریئر ختم کر دیا ہے مگر ان کے اس اقدام کی مذمت کسی نے نہیں کی تھی نہ عمل سے نہ الفاظ سے یہ فوج کی نفسیاتی حالت کا منطقی انجام تھا۔

س: استعفے پیش کرنے والے بریگیڈیئر صاحبان کو جب لاہور سے جی ایچ کیو تبدیل کر دیا گیا تو ذوالفقار علی بھٹو کا کیا رد عمل تھا؟ وہ درگزر کرنے کے حق میں تھے یا ان کے

خلاف سخت ایکشن کے حق میں؟

ج: برداشت اور درگزر کرنے کے حق میں تو وہ ہرگز نہیں تھے ان کی طرف سے ان کی حکومت اور ساتھیوں کی طرف سے عموماً" یہ اشارے دیئے جاتے تھے کہ فوج کو اور زیادہ سختی کرنا چاہیئے ان تین بریگیڈیئر صاحبان کے بارے میں تو مسٹر بھٹو کہتے تھے کہ انہیں مثالی سزا دی جائے اور فوری طور پر سزا دی جائے کوئی دیر نہیں ہونا چاہیئے وہ اس کو بہانہ بنا کر باقی فوج اور حالات سے سختی سے نپٹنا چاہتے تھے لیکن جنرل ضیاء الحق ان کے ساتھ اس وقت سختی کرنے کے لئے تیار نہیں تھے ایسا نہ کرنا ضیاء الحق کے ان عزائم کے لئے مفید تھا جو بعد میں سامنے آئے انہوں نے ان بریگیڈیئر صاحبان کے خلاف انکوائری شروع کرا دی جو کہ ایک لمبا پراسیس ہے اور پھر اپنے روایتی انداز میں وہ اسے ٹالتے ٹالتے وہاں تک لے گئے جب وہ خود ایکشن لینے کی پوزیشن میں آ گئے۔

س: بھٹو صاحب کا ایک اہم فیصلہ قومی اتحاد سے مصالحت کی بجائے اپنے بارے میں ملک میں ریفرنڈم کروانے کا تھا اس ریفرنڈم کے بارے میں انہوں نے اعلیٰ فوجی قیادت اور کور کمانڈروں سے بھی مشورہ کیا تھا ظاہر ہے اپنے عہدہ کے حوالے سے آپ بھی ان مشوروں اور اجلاسوں میں شریک ہوں گے کیا آپ ان مشوروں اور میٹنگوں کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

ج: جس میٹنگ میں مسٹر بھٹو نے ریفرنڈم کی تجویز پیش کی وہ ایک مشترکہ میٹنگ تھی اس میں بھٹو کے ساتھ مسٹر عزیز احمد، شیخ رشید، مولانا کوثر نیازی اور حفیظ پیرزادہ بھی تھے فوج کی طرف سے جنرل ضیاء الحق کے ساتھ میں تھا اور غالباً نیوی کے چیف بھی تھے اس میں حالات کا جائزہ کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے اچانک کہا کہ اچھا اگر پاکستان قومی اتحاد والے انتخابات کے نتائج کو نہیں مانتے تو میں ملک میں ریفرنڈم کروا لیتا ہوں ہم عوام سے پوچھ لیتے ہیں کہ وہ پیپلز پارٹی کو چاہتے ہیں، ذوالفقار علی بھٹو کو چاہتے ہیں یا پاکستان قومی اتحاد والوں کو چاہتے ہیں یہ تجویز پیش کرنے کے بعد انہوں نے سب سے فرداً فرداً اس بارے میں رائے لینا شروع کیا تو مسٹر عزیز احمد نے اس

تجویز کی حمایت کی مگر شیخ رشید نے صاف الفاظ میں اس تجویز کی مخالفت کی اور مسٹر بھٹو کو رائے دی کہ اگر حزب اختلاف والے انتخابی نتائج کو قبول نہیں کرتے تو آپ انتخابات کو کالعدم قرار دے کر اسمبلیاں توڑ دیں اور ملک میں دوبارہ انتخابات کرائیں انہوں نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ اس کے بعد بھی ہم اکثریت کے ساتھ واپس آئیں گے اور حکومت بنا سکیں گے لیکن اگر ایسا نہیں ہوتا تو بھی ہم اسمبلی میں سب سے بڑی اکیلی پارٹی ہوں گے اور ایک بڑی موثر حزب اختلاف کے طور پر اپنا کردار ادا کریں گے اور اگر چاہیں تو دوسری کسی پارٹی کے ساتھ مل کر ایک کولیشن وزارت بھی بنا سکیں گے کیونکہ پی این اے کی حکومت آ بھی گئی تو زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی بھٹو کے چہرے کے تاثرات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ شیخ رشید کی تجویز انہیں پسند نہیں انہوں نے اچھا کہہ کر مولانا کوثر نیازی سے رائے پوچھی شیخ رشید نے تو اپنی بات خلوص کے ساتھ اپنے پورے انداز میں لگی لپٹی کے بغیر کہہ دی تھی مگر مولانا کوثر نیازی کا انداز گفتگو اور تھا اور ان کی طبیعت میں ڈپلومیسی زیادہ تھی انہوں نے بھی کہا تو یہی مگر شوگر کوٹڈ الفاظ میں جہاں تک مجھے یاد ہے ان کا انداز یہ تھا کہ جناب آپ کی ذات تو ان چیزوں سے بالاتر ہے اور آپ کی ذات پر تو ہم کسی قسم کا حملہ برداشت نہیں کر سکتے لیکن جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہمیں آپ قربان کر دیں آپ اسمبلیاں توڑ دیں ہم یہ قربانی دینے کے لئے تیار ہیں آپ دوبارہ الیکشن کروائیں مجھے پورا یقین ہے کہ ہم اس سے بھی زیادہ اکثریت سے واپس آئیں گے اور اپنی حکومت بنا سکیں گے اور اگر کسی وجہ سے نہ بھی آئے تو ہم بڑی موثر حزب اختلاف ہوں گے اور یہ پی این اے والے زیادہ دیر نہیں چل سکیں گے ان کی بات بھی بھٹو کو ناگوار گزری ان کے بعد غالباً حفیظ پیرزادہ تھے جنہوں نے پورے جوش و خروش کے ساتھ ریفرنڈم کی تجویز کی حمایت کی ان کی باتوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس سے پہلے بھی مسٹر بھٹو کے ساتھ اس تجویز پر تبادلہ خیال کر چکے ہیں یہ احساس بھی ہوتا تھا کہ یہ بیج بھٹو کے ذہن میں شاید بویا بھی پیرزادہ نے ہی ہو ان کے بعد جنرل ضیاء الحق کی باری آئی تو انہوں نے بھی ریفرنڈم کی تجویز کی حمایت کی ان کے الفاظ جو

مجھے یاد ہیں یہ تھے " Sir , this is a novel idea " گو اس کا مطلب مجھے اس وقت سمجھ نہیں آیا تھا کہ Novel idea سے ان کی کیا مراد ہے کیا یہ ریفرنڈم دنیا میں پہلی بار کرایا جا رہا ہے یا اس صورتحال میں یہ بڑی انوکھی بات تھی اس کے بعد جن حضرات سے رائے پوچھی گئی وہ مسٹر بھٹو کا ردعمل دیکھ چکے تھے ان میں سے کسی نے اس تجویز کی مخالفت نہیں کی بات چلتے چلتے مجھ تک پہنچی تو میں نے کہا کہ "اگرچہ میری رائے کی نہ کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی اس بارے میں رائے دینا میرے لئے مناسب ہے کیونکہ فوج کے سربراہ اپنی رائے پہلے ہی دے چکے ہیں میں صرف ایک دو باتوں کی وضاحت چاہتا ہوں ایک تو یہ کہ پی این اے نے جب صوبائی انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا تو بہت کم لوگ ووٹ دینے آئے تھے اب اگر انہوں نے ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا بھی اعلان کر دیا تو یہ فیصلہ کیسے کیا جائے گا کہ اکثریت کس کے ساتھ ہے اس پر مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ جتنے لوگ ووٹ دینے آئیں گے ان کی اکثریت سے فیصلہ ہو گا اس پر میں نے وضاحت چاہی کہ اگر کل ووٹروں کا بیس یا تیس فیصد ووٹ ڈالتے ہیں تو ان کی اکثریت دیکھی جائے گی؟ تو مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ ہاں ان کی سادہ اکثریتی رائے سے ریفرنڈم کا فیصلہ مان لیا جائے گا اس پر میں نے کہا کہ آپ تو مان لیں گے مگر اپوزیشن سے کون منوائے گا یہ فیصلہ انہوں نے الیکشن کے نتائج کو نہیں مانا ریفرنڈم کے نتائج ان سے کون منوائے گا؟ مسٹر بھٹو نے فوراً" کہا کہ یہ آپ لوگوں کا کام ہے یعنی فوج کا کام کہ اس کے بعد وہ لوگوں پر اپنی حکومت ٹھونسے اس پر میں خاموش ہو گیا اس سلسلے میں جنرل ضیاء الحق وعدہ کر آئے کہ وہ فوج کو ریفرنڈم کے لئے تیار کر لیں گے اور تیاریاں شروع کر دیں گے اس کے بعد انہوں نے فوجی کمانڈروں کی ایک میٹنگ بلائی اور ان کے سامنے ریفرنڈم کی تجویز رکھی کور کمانڈروں کی طرف سے فوری طور پر اس بارے میں شکوک و شبہات کا اظہار کیا گیا بلکہ اس تجویز کی مخالفت شروع ہو گئی اس میٹنگ میں بھی جب مجھ سے پوچھا گیا تو میں نے انہیں یہی بتایا کہ وزیراعظم کا مطلب یہ تھا کہ ریفرنڈم کے بعد اگر حزب اختلاف اس کے نتائج کو قبول نہیں کرتی تو فوج بذریعہ طاقت ان سے یہ نتائج تسلیم کروائے گی کور

کمانڈروں نے اس کی مخالفت ہی نہیں کی بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ جنرل ضیاء الحق نے یکطرفہ طور پر اس تجویز کی حمایت کر کے اچھا نہیں کیا اس ساری بحث کا لب لباب یہ تھا کہ ضیاء الحق وزیراعظم تک یہ بات پہنچا دیں کہ اگر حزب اختلاف بھی اپنی مرضی اور منشا سے اس تجویز کو قبول کر کے ریفرنڈم میں حصہ نہیں لیتی تو فوج اس کے نتائج بذریعہ طاقت حزب اختلاف سے منوانے کی پابند نہیں ہو گی اب ضیاء الحق کی پوزیشن بڑی نازک ہو گئی کیونکہ وہ تو فوج کی طرف سے غیر مشروط تعاون کا وعدہ کر آئے تھے انہوں نے کور کمانڈروں سے کہا کہ اچھا میں وزیراعظم سے کہوں گا کہ وہ آپ لوگوں کی بات بھی سن لیں کور کمانڈروں نے جواب دیا "ہماری بات کیوں سن لیں آپ جا کران سے کہہ دیں کہ یہ نہیں ہو سکتا" بہرحال یہ ناخوشگوار فرض پھر ہمیں ادا کرنا پڑا دوسرے روز ضیاء الحق نے وزیراعظم سے ملاقات کے لئے وقت لیا اور ہم دونوں گئے جنرل ضیاء الحق نے جب انہیں بتایا کہ کور کمانڈر نہیں مانتے تو مسٹر بھٹو نے اس پر بہت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا "دیکھیں جنرل ضیا آپ کی طرف سے ریفرنڈم کی حمایت کے بعد میں اعلان بھی کر چکا ہوں کہ ملک میں ریفرنڈم کرایا جائے گا اب میں کس منہ سے اعلان کروں کہ ریفرنڈم نہیں کرایا جائے گا" اس پر جنرل ضیاء الحق نے اپنے روایتی انداز میں کہا "اچھا تو بہتر ہو گا کہ آپ میرے کور کمانڈروں کی بات بھی سن لیں" مسٹر بھٹو نے جواب دیا "کور کمانڈروں کو حکم دینا یا راضی کرنا آپ کا کام ہے میرا نہیں" بہرحال طے یہ پایا کہ کور کمانڈروں کے ساتھ میٹنگ ہو گی اور اس میں ریفرنڈم کے بارے میں بات ہو گی اس کے بعد ہی بھٹو نے کور کمانڈروں کو بلایا تھا اس میٹنگ میں کافی گرما گرمی بھی ہوئی ضیا صاحب نے کور کمانڈروں کو آگے رکھا جنہوں نے ریفرنڈم کی مخالفت کی ان کا موقف تھا کہ ریفرنڈم کرایا گیا اور فوج سے کہا گیا کہ وہ اس کے نتائج طاقت کے ذریعے تسلیم کروائے تو شاید فوج ایسا نہیں کر سکے گی اور جوانوں اور جونیئر افسروں کی طرف سے ردعمل پیدا ہو گا اسی میٹنگ کے بعد مسٹر بھٹو نے نہایت بے دلی سے ریفرنڈم کا فیصلہ واپس لیا تھا وہ اسے اپنی بے عزتی سمجھ رہے تھے پی پی پی کی حکومت کے لئے یہ ایک طرح کی شکست تھی جسے پی این

اے والوں نے اپنی فتح قرار دینا شروع کر دیا تھا۔ یہ ضیاء الحق کے طریق کار کی ایک مثال ہے کہ انہوں نے کور کمانڈروں کو آگے رکھا اور وزیراعظم سے ان کو لڑا دیا اور ساری ذمہ داری ان پر ڈال دی اور اپنی وفاداری اور تابعداری کے بارے میں مسٹر بھٹو کو شک تک نہ ہونے دیا۔

س : جنرل صاحب اس کا ایک فوجی پہلو بھی ہے فوج اس ساری صورتحال میں ملوث ہو چکی تھی حالات کا تقاضا تھا کہ اس کی اعلیٰ قیادت آپس میں بھی اس بارے میں مشورہ کرے اور ضیاء الحق اپنے ساتھی جنرلوں سے پوچھیں کہ اگر صورتحال مزید خراب ہوتی ہے تو کیا کرنا ہے کیا جی ایچ کیو کی سطح پر سیاسی حکومت کے علم کے بغیر اس بارے میں کبھی سوچا گیا؟ اور کبھی ملک میں مارشل لاء لگانے کے امکانات کا جائزہ لیا گیا؟

ج : ایسی میٹنگیں تو ہوتی تھیں جن میں فوج کے کردار پر غور کیا جاتا تھا جنرل ضیاالحق کور کمانڈروں اور دیگر سینئر فوجی افسروں کے ساتھ جن میں خود میں بھی شامل تھا اس بارے میں مشورہ کرتے رہتے تھے کہ ایسی صورتحال میں فوج کا کیا رول ہونا چاہئے یہ پہلے سے ہی طے تھا کہ فوج سول انتظامیہ کی مدد کیسے کرے گی لیکن یہ بنیادی طور پر امن و امان کی بات ہوتی ہے اس میں اسے گورنمنٹ کی مدد کرنا ہوتی ہے انگریز کے دور میں حکمران ایک بیرونی طاقت تھی اس وقت فوج کا انتظامیہ کی مدد کا تصور اور تھا آزادی کے بعد بھی یہ رول متعین کر دیا گیا تھا مگر 1977ء کی تحریک ایک سیاسی تحریک تھی اور صورتحال امن و امان کی نہیں رہی تھی سیاسی رنگ اختیار کر گئی تھی یہ ایک سیاسی مسئلہ بن گیا تھا اس لئے اس میں مختلف آرا کی اور مختلف رویوں کی کافی گنجائش تھی اعلیٰ فوجی اجلاسوں میں اس بات پر غور کیا جاتا تھا کہ اگر صورتحال کی اصلاح نہیں ہوتی یا پیپلزپارٹی اور پی این اے کے درمیان سر پھٹول ہوتی ہے یا عام مسلح تصادم شروع ہو جاتا ہے یا وہ صورتحال ہو جاتی ہے جسے عام لوگوں نے ایک قسم کی سول وار کہنا شروع کر دیا تھا تو اس صورتحال میں فوج کا کیا کردار ہو گا اس کی آپشن کیا ہے؟ ان میٹنگوں میں اعلیٰ قیادت کی ساری بحث و تمحیث کا نچوڑ تو صاف سمجھ آتا تھا لیکن

مارشل لاء کا ممنوعہ لفظ جو ہے وہ کسی کی زبان پر نہیں آ رہا تھا ضیاء الحق چاہتے تھے کہ فوج کے اقتدار پر قبضہ کا لفظ بھی کسی دوسرے کی زبان سے ادا ہو مگر دوسرا کوئی یہ لفظ ادا کرنے پر تیار نہیں تھا یا یہ کہنے کو تیار نہیں تھا کہ ایک موقعہ ایسا آئے گا جب فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنا پڑے گا اور دونوں فریقوں کو ایک دوسرے سے الگ کر کے فوج انچارج یا ایمپائر بن سکے ضیاء الحق نے مجھے اس سوال کا جائزہ لینے کو کہا تھا اور میں نے انہیں صورتحال کا تجزیہ کر کے بتایا تھا جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے انہیں بتایا تھا کہ فوج کی یہ آپشن ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ وہ حکومت کو معزول کر دے اور اختیار اپنے ہاتھ میں لے لے یہ فوج کی نہ ڈیوٹی ہے اور نہ آپشن یہ ایک سیاسی عمل ہے اسے سیاسی طور پر مکمل ہونا چاہئے۔ یہ بحث چلتی رہی اور جیسے جیسے صورتحال خراب ہوتی گئی یہ سوال شدت سے ابھرتا گیا کہ فوج کو ان حالات میں کیا کرنا چاہئے ضیاء الحق کی یہ کوشش بھی کامیاب ہوئی اور کسی نے وہ الفاظ کہہ دیئے ایک کور کمانڈر نے کہہ دیا کہ " In that case army will have to take over . " (اس صورتحال میں فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنا پڑے گا) جہاں تک میری یاد اور سماعت کا تعلق ہے یہ الفاظ جنرل چشتی نے کہے تھے کسی اور نے بھی کہے ہوں تو مجھے یاد نہیں جنرل چشتی نے جب یہ کہا تو میں نے فوراً جنرل ضیاء الحق کے چہرے کی طرف دیکھا ان کے چہرے کے تاثرات سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہ بات سن کر انہیں کوئی صدمہ پہنچا ہو کہ ایسی بات کیوں کہہ دی بلکہ معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ایک قسم کا اطمینان ہو گیا ہے کہ کسی نے یہ بات کہہ دی ہے اس کے بعد یہ بحث اس نئے رخ پر چل نکلی یہ پہلا موقعہ تھا جب فوج کے کردار کا ذکر کھل کر ہوا اور پھر ایک مرحلہ ایسا بھی آ گیا جب ضیاء الحق کور کمانڈروں سے خفیہ ملاقاتیں کرنے لگے جن میں مجھے نہیں بلایا جاتا تھا۔

س: جب یہ کہا گیا تب آپ کا ردعمل کیا تھا؟

ج: میں نے تو یہی کہا کہ یہ فوج کی آپشن نہیں ہے میں نے کہا تھا کہ فوج کو کسی صورت اقتدار پر قبضہ نہیں کرنا چاہئے اس کے بعد بھی ضیاء الحق نے مجھے کہا تھا کہ

آپ بطور چیف آف جنرل سٹاف اس صورتحال کے بارے میں مجھے تجزیہ کر کے دیں کہ فوج کی آپشن کیا ہو سکتی ہے تو میں نے انہیں کبھی بھی اقتدار پر قبضہ کرنے کا مشورہ نہیں دیا میرے اور ان کے درمیان اختلاف کی بنیادی وجہ ہی یہ تھی جس کا حتمی نتیجہ میرے حق میں اچھا نہیں نکلا اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد ضیاء الحق نے جس جرنیل کو "قتل" کیا وہ میں ہی تھا۔

س : جنرل صاحب مولانا کوثر نیازی نے لکھا ہے آپ نے مسٹر بھٹو سے اپنی آخری ملاقات کے حوالہ سے انہیں بتایا تھا کہ بھٹو نے آپ کو اشارہ دیا تھا کہ آپ کو چیف آف آرمی سٹاف بنایا جا رہا ہے اور ضیاء الحق اور کور کمانڈروں کی چھٹی کرا دی جائے گی مولانا نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ ذوالفقار علی بھٹو کے بے حد گرویدہ اور حقیقی خیرخواہ تھے یہ تاثر بھی ملتا ہے کہ آپ ذوالفقار علی بھٹو اور فوج کے درمیان رابطہ نہیں بلکہ مسٹر بھٹو کو فوج کی اعلیٰ قیادت کی سوچ اور ارادوں سے آگاہ کیا کرتے تھے۔

ج : آپ کا شکریہ کہ آپ نے یہ سوال پوچھا کیونکہ جو کچھ مولانا کوثر نیازی صاحب نے لکھا ہے وہ میرے دل میں کھٹکتا رہا ہے کیونکہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے یہ ضرور ہے کہ جب ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو فوج میں ان کے بہت سے مداح تھے ہو سکتا ہے اس کی وجہ یہ تاثر ہو کہ قوم میں ایک ایسا لیڈر سامنے آیا ہے جو اسے ان حالات سے نکال سکتا ہے اور آگے لے جا سکتا ہے اور لوگوں نے ان سے امیدیں وابستہ کر لی ہوں فوج میں بھٹو کے مداحوں کی کافی بڑی تعداد تھی لیکن جب ملٹری انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر اور اس کے بعد چیف آف جنرل سٹاف کی حیثیت سے مسٹر بھٹو کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تو ان کے بارے میں میرے پہلے والے خیالات اور جذبات برقرار نہیں رہ سکے تھے خاص طور پر انتخابات سے پہلے انتخابات کے دوران اور انتخابات کے بعد کے ذوالفقار علی بھٹو کے رویوں اور طرز عمل کو دیکھ کر مجھے انہیں سمجھنے کا بہت موقعہ ملا اور ان کے بارے میں Disillusion شروع ہو گئی تھی ان کے ساتھ میری دو ملاقاتیں ایسی تھیں جنہیں پرائیویٹ کہا جا سکتا ہے جن میں سے ایک میری لاعلمی کی وجہ سے ہوئی تھی اور دوسری چیف آف آرمی

سٹاف جنرل ضیاء الحق کی منظوری سے ہوئی تھی پہلی میٹنگ کا میں ذکر کر چکا ہوں دوسری کا بعد میں کروں گا لیکن یہ مجھے معلوم ہو گیا تھا اس پہلی میٹنگ میں ہی کہ جس آئین پر ہم نے حلف لیا ہے اور جس کے تحفظ کی قسم کھائی ہے اور جس کے مسٹر بھٹو خود تیار کرنے والے تھے اس آئین کی خود انہیں کوئی پرواہ نہیں تھی سوال صرف اپنے اقتدار کا تھا ملک کے آئین یا نظام کے تحفظ کا انہیں کوئی خیال نہیں تھا وہ اپنی ذات کے ساتھ وفاداری چاہتے تھے ملک یا اس کے آئین کے ساتھ وفاداری نہیں چاہتے تھے اور جو کوئی انہیں اس کے برعکس رائے دیتا تھا اس کی رائے وہ پسند نہیں کرتے تھے مارشل لاء لگانے کا ان کا صرف ایک مقصد تھا کہ وہ فوج کو استعمال کر سکیں اور فوج قانون اور اسلحہ کی غیر محدود طاقت استعمال کر کے لوگوں کو ان کی غلامی قبول کرنے پر مجبور کر دے اور جس طریقے سے انہوں نے آئین میں ترامیم کیں وہ ایک طریقے سے آئین کے ساتھ مذاق تھا وہ آئین جس کو متفقہ بنوانے کے لئے انہوں نے اتنی محنت کی تھی اور حزب اختلاف کے کہنے پر اس کی بعض شقوں میں ترامیم کی تھیں اور اس پر سب کے دستخط کروائے تھے اسی آئین میں وزیر قانون کے کہنے پر ایک ہی دن میں یکطرفہ ترمیم کر لی نہ حزب اختلاف کو اس پر رائے دینے کا موقعہ دیا نہ اسمبلی میں اس ترمیم پر بحث ہوئی اور نہ ہی عوام کے سامنے اس کے مثبت اور منفی پہلو آ سکے انہوں نے صرف اپنے ذاتی اقتدار اور مفاد کو دیکھا ان حالات نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ کیا کوئی ملک اور قوم کے ساتھ بھی مخلص ہے؟ یا Self service is the order of the day ضیاء الحق کے عزائم اور مقاصد کے بارے میں تو میرے شبہات کی کافی حد تک تصدیق ہو چکی تھی مگر مسٹر بھٹو کے بارے میں میرے خیال بھی تبدیل ہو گئے اور Disillusion تقریباً مکمل ہو گئی بھٹو سے میری دوسری اور آخری ملاقات کا حال اس طرح ہے کہ میں گھر سے باہر تھا واپس آیا تو معلوم ہوا کہ پرائم منسٹر ہاؤس سے کال آئی تھی میں نے جنرل ضیاء الحق کو ٹیلیفون کیا کہ جی مجھے پرائم منسٹر ہاؤس سے بلاوا آیا ہے انہوں نے کہا کہ آپ میری طرف سے ہوتے جائیں چنانچہ میں ان کے پاس گیا اور پوچھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

انہوں نے پوچھا آپ کیا کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا کہ جی میں نہ بھی کر سکتا ہوں اگر آپ کہیں تو میں جانے سے انکار بھی کر سکتا ہوں ضیاء الحق نے کہا آپ کیسے انکار کر سکتے ہیں؟ میں نے کہا وزیر اعظم سے ملاقات کرنا اور ان سے احکام لینا آپ کا کام ہے میرا کام آپ سے احکامات وصول کرنا اور ان پر عملدر آمد ہے اگر آپ کہیں کہ نہ جاؤ تو میں نہیں جاؤں گا اگر آپ کہیں کہ جاؤ تو میں جاؤں گا بلکہ بہتر یہ ہے کہ آپ جائیں اور وزیر اعظم سے جو بات کرنا ہے کر لیں انہوں نے کہا نہیں ملک صاحب آپ چلے جائیں اور وزیر اعظم صاحب جو کچھ کہتے ہیں واپس آ کر مجھے بتا دیں بہرحال میں ضیاالحق کی منظوری سے بلکہ حکم پر بادل نخواستہ وزیر اعظم کے ہاں گیا وہ ایک بر آمدے میں ایک کونے کی طرف بیٹھے ہوئے تھے ان کے ساتھ تین اور وزیر وہاں موجود تھے میر افضل صاحب مولانا کوثر نیازی اور عبدالحفیظ پیرزادہ چائے وغیرہ کے بعد مسٹر بھٹو نے بات شروع کی اور کہا کہ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ سے حالات کے بارے میں کچھ گفتگو کر سکوں میں نے دیکھا ہے کہ حالات کے بارے میں آپ کا تجزیہ بہتر ہوتا ہے اور مجھے آپ کے تجزیہ سے اتفاق ہوتا ہے اس بات چیت میں سب حصہ لے رہے تھے مجھے اندازہ ہوا کہ وہ پہلے بھی آپس میں یہ باتیں کر چکے ہیں ان میں سب سے نمایاں بات تھی حالات سے نپٹنے میں فوج کی کارکردگی پر عدم اطمینان وزیر اعظم کا خاص طور پر چند ایک کور کمانڈروں بلکہ تمام کور کمانڈروں کے بارے میں مسٹر بھٹو کی رائے اچھی نہیں تھی اور ان کور کمانڈروں کے بارے میں اپنی رائے کا مسٹر بھٹو نے جس طرح اظہار کیا وہ بھی مناسب نہیں تھا' ایک ایک کور کمانڈر کے سیکٹر پر بحث کر کے انہوں نے اس کے بارے میں اس رائے کا اظہار کیا مثلاً جنرل اقبال کے بارے میں کہا کہ ان کا رویہ بہت Rigid رہا ہے اور وہ حکومت کے بارے میں Unsympathetic رہے ہیں جنرل ارباب کے بارے میں کہا کہ وہ باتیں بہت کرتا ہے چاہے صورتحال کی سمجھ ہو یا نہ مگر ہر چیز کے بارے میں بڑی Loudly رائے دیتے ہیں اور وہ جو ہر وقت پائپ پیتے رہتے ہیں ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہوتا یہ وہ باتیں تھیں اگر ان سے ناراضگی تھی تو وزیر اعظم چیف

کے ذریعے اپنی رائے ان تک پہنچا سکتے تھے ان کی عدم موجودگی میں یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگیں مسٹر بھٹو نے کہا کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ صورتحال پر قابو نہیں پا رہے ہیں میں نے کہا کہ یہ چیز تو ظاہر ہے کہ صورتحال ان کے قابو میں نہیں ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ صورتحال قابو میں کیوں نہیں ہے؟ اس کی وجوہ سیاسی ہیں یا فوج کی کوئی خامی ہے اس پر بھٹو نے کہا کہ فوج کو میں نے پورے اختیارات دے دیئے ہیں اور فوج ہی صورتحال کی انچارج ہے میں نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے تو اچانک مسٹر بھٹو نے براہ راست مجھ سے پوچھا What if I give them all the bowler hat?

یہ بھٹو صاحب کے ٹھیک الفاظ تھے اور کسی کو Bowler hat دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسے سڑک میں کھڑا کر دیا جائے اس سے بھٹو کا مطلب یہ تھا کہ کور کمانڈروں کو ڈسمس کر دیا جائے۔

س: اس میں چیف آف آرمی سٹاف بھی شامل تھے؟

ج: انہوں نے سب (all) کا لفظ استعمال کیا تھا چیف آف آرمی سٹاف کا کوئی ذکر نہیں تھا انہوں نے کہا تھا What if I give them all the bowler hats? اس "سب" سے ان کا مطلب کور کمانڈر ہی تھے یا چیف آف آرمی سٹاف بھی ان میں شامل تھے یہ سمجھنے یا پوچھنے کی میں نے ضرورت محسوس نہیں کی یہ بات چونکہ اچانک تھی میں تھوڑی دیر کے لئے ششدر رہ گیا اور چند لمحے اسے سمجھنے کی کوشش کرتا رہا کہ اس سے بھٹو کا مطلب کیا ہے تو اس کا صاف مطلب میرے لئے یہ تھا کہ وہ مجھے دعوت دے رہے ہیں کہ ان سب کو ہٹا دیا جائے وہ مجھے اعتماد میں لینا چاہتے ہیں اور یہ ظاہر کر رہے تھے کہ اس کا فائدہ مجھے ہو گا مگر جس طریقے سے انہوں نے یہ بات کہی مجھے قبول نہیں تھی میری Disillusionment تو پہلے ہی مکمل ہو چکی تھی ان کی طرف سے یہ صاف دعوت تھی کہ جو کام وہ نہیں کر سکتے وہ آپ کر سکتے ہیں تو ہم تیار ہیں اگر میں کہتا کہ ہاں یہ کام میں کر سکتا ہوں اور سینہ ٹھونک کر سامنے آجاتا تو اس کے فوائد تو مجھے ملتے لیکن اس کی قیمت بہت سے لوگوں کی جانوں کی صورت میں دینا پڑتی اتنی جانوں کی جتنی وہ کہتے بے دریغ گولی چلائی جائے اور ان سب کو ہٹا کر

ایک نیا گروپ فوج میں سامنے لایا جائے جو مسٹر بھٹو کے مقاصد کے لئے فوج کو بلادریغ استعمال کرے مجھے چند ثانئے ہی سوچنے کو ملے اور میں نے کہا جی اس سے آپ کا مقصد حاصل نہیں ہو گا آپ جو بھی تبدیلی کریں گے آپ کا مطلب حاصل نہیں ہو گا لہٰذا مجھے اگر اپ کہیں تو میں اس کے لئے تیار نہیں میرے اس جواب پر میں نے دیکھا کہ وہ خاصے مایوس ہوئے اور اس موضوع کو بدل کر ادھر ادھر کی عام باتیں شروع کر دیں تھوڑی دیر کے بعد میں نے ان سے اجازت چاہی تو انہوں نے کہا نہیں آپ ٹھہریں آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں اس وقت رات کافی گزر چکی تھی ساڑھے دس گیارہ کا وقت ہو گا اور کھانے پر مسٹر بھٹو کے اندرونی حلقہ کے چند لوگ ہی شامل ہو رہے تھے اور مجھے اس اندرونی حلقہ میں شمولیت کی دعوت دی گئی تھی مگر میں نے معذرت کر لی اور کہا کہ میں کھانا کھا چکا ہوں مجھے آپ اجازت دیں مسٹر بھٹو نے مجھے بڑے تپاک کے ساتھ رخصت کیا ہاں میں نے وزیراعظم سے کہا تھا کہ اگر آپ کور کمانڈروں یا کسی کور کمانڈر کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تو اپنا عدم اطمینان چیف آف آرمی سٹاف کے ذریعے ان تک پہنچا دیں اس پر مسٹر بھٹو نے کہا "آپ فوج کے نمائندہ ہیں" میں نے کہا کہ اگر آپ کہیں تو آپ کی بات بھی جنرل ضیاء الحق تک پہنچا دوں؟ انہوں نے کہا "ہاں پہنچا دیں"

س: واپس آکر آپ نے ضیاء الحق صاحب کو بتایا؟ ان کا رد عمل کیا تھا؟

ج: واپس آکر میں نے جنرل ضیاء الحق کو میٹنگ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا اس میٹنگ میں چیف آف آرمی سٹاف اور آرمی کی نمائندگی میں کر رہا تھا اور میں نے وزیراعظم سے کہا تھا کہ اگر آپ فوج کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تو میں یہ بات چیف آف آرمی سٹاف تک پہنچا دوں گا کہ وہ اس کے بارے میں کچھ کریں تو میں نے انہیں بتا دیا کہ وزیراعظم امن و امان کی صورتحال سے نپٹنے کیلئے آرمی کے کام سے مطمئن نہیں ہیں تو جنرل ضیاء نے اس پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا نہ ناراضگی ظاہر کی تھی نہ وزیراعظم کی بات سے اتفاق یا عدم اتفاق بس اتنا کہا کہ اچھا ٹھیک ہے شاید اس وقت وہ کوئی رد عمل ظاہر کرنا بھی نہیں چاہتے تھے اور جو کچھ کرنا چاہتے تھے

اس کا کافی حد تک فیصلہ کر چکے تھے۔

س : تحریک کے دوران ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خاں صاحب نے فوج کے نام ایک خط لکھا تھا اس پر ضیاء الحق کا حکومت اور بھٹو کا کیا رد عمل تھا؟

ج : یہ خط مجھے بھی ملا تھا فوج کے سینئر افسروں کو بھی اس کی نقول موصول ہوئی تھیں عام افسروں میں بھی اس کو بہت پھیلایا گیا تھا ضیاء الحق کو بھی کور کمانڈروں اور انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ذریعے خط ملا تھا مجھے ذاتی طور پر یہ خط ایک بچگانہ کوشش سے زیادہ کچھ معلوم نہیں ہوا تھا عام رائے یہ تھی کہ جو آدمی خود بھی وردی میں رہ چکا ہو اس کی طرف سے یہ کوئی باوقار کوشش نہیں میرے اپنے خیال میں اس خط سے تحریک کو یا ایئر مارشل اصغر خاں کو کوئی فائدہ پہنچنے کا امکان نہیں تھا لیکن حکومت کے حلقوں میں یہ خیال پایا جاتا تھا کہ فوج کے جوان اور جونیئر افسر اس قسم کی چیزوں سے متاثر ہو چکے ہیں کیونکہ تحریک کے دوران عام لوگوں سے ان کا رابطہ کافی رہتا تھا اس لئے حکومت کے حلقوں میں اس خط پر کافی تشویش کا اظہار کیا گیا تھا اس خط میں چونکہ فوج کے جوانوں اور افسروں کو مخاطب کیا گیا تھا اس لئے اس خط کو Subversion یا Sedition کے طور پر لیا گیا تھا اور بھٹو صاحب اور حکومت کی خواہش تھی کہ فوج آرمی ایکٹ کے تحت اصغر خاں صاحب کا کورٹ مارشل کرے اور انہیں سزا دی جائے بھٹو صاحب نے اس کا اظہار بھی کیا ٹیکنیکلی یہ چیز ممکن تھی مگر میری رائے اور مشورہ تھا کہ اسے کوئی زیادہ اہمیت نہ دی جائے کیونکہ اگر کورٹ مارشل کیا جاتا ہے تو پھر پی این اے اور اصغر خاں کو اس کا سیاسی فائدہ حاصل ہو گا جو صرف خط سے نہیں ہوا تھا غالبا اصغر خاں چاہتا بھی یہی تھا کہ لہو لگا کر شہیدوں میں شامل ہو جائیں جب آرمی کی طرف سے یہ مشورہ دیا گیا تو حکومت نے کورٹ مارشل کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

س : بھٹو کے آخری دنوں میں انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کا اچانک تبادلہ کر دیا گیا تھا اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو نے ضیاء الحق سے کہا تھا کہ انٹیلی جنس بیورو کی رپورٹوں کے مطابق آپ کے جرنیل پی این اے والوں سے ملتے ہیں

جس پر چیف آف آرمی سٹاف نے احتجاج کیا کہ آپ نے فوج کے اعلیٰ افسروں کے پیچھے سول ایجنسیوں کے لوگ کیوں لگائے ہیں جبکہ اس کام کے لئے آئی ایس آئی موجود ہے کیا آپ کے اپنے یعنی فوج کے انٹیلی جنس اداروں نے کبھی آپ کو بتایا کہ حکومت نے سینئر فوجی افسروں کی نگرانی کے لئے خفیہ ایجنسیوں کو لگا رکھا ہے؟

ج: سوال کے آخری حصہ کا میں پہلے جواب دوں گا ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار میں آنے کے ساتھ ہی ہمیں اطلاع مل گئی تھی کہ فوج کے سینئر افسروں کی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے نگرانی کی جانے لگی ہے اور اس کا کئی دفعہ ذکر ہوتا تھا لیکن جب وزیراعظم نے خود اس بارے میں بتایا تو جنرل ضیاء الحق نے احتجاج کیا تھا کہ آپ ہماری سول ایجنسیوں کے ذریعے کیوں نگرانی کروا رہے ہیں انہی دنوں انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کو تبدیل کیا گیا تھا ان کی کارکردگی پر خود ذوالفقار علی بھٹو بھی مطمئن نہیں تھے اس لئے ہو سکتا ہے اکرم شیخ کے تبادلہ سے دو فوائد حاصل کرنا مقصود ہوں کہ اس طرح فوج کو بھی خوش کر دیا جائے اور اکرم شیخ سے بھی جان چھڑالی جائے۔

س: آپ کو کبھی کوئی اطلاع ملی تھی کہ کوئی جرنیل پی این اے والوں سے ملا ہے یا پی این اے والے کبھی کسی جرنیل سے ملے ہیں؟

ج: کسی جنرل کے پی این اے والوں سے ملنے کا کبھی کوئی ذکر نہیں آیا جنرل جیلانی آئی ایس آئی کے سربراہ تھے وہ اپنے فرائض کے سلسلے میں کسی سے ملتے ہوں گے ہاں ایک دفعہ میں خود تحریک کے دنوں میں' جب پی این اے نے پنڈی تک لانگ مارچ کا پروگرام بنایا تھا تو میں پیر پگاڑہ سے ملنے گیا تھا یہ ملاقات اسلام آباد میں بھٹو صاحب کے ایما پر چیف آف آرمی سٹاف کی منظوری سے مجھے کرنا پڑی تھی تحریک کے دوران بھٹو اور حکومت یہ خدشہ محسوس کر رہے تھے کہ پیر صاحب کے مرید حر بھی تحریک میں شامل نہ ہو جائیں وہ اس سے بہت خوف زدہ تھے کہ اگر حر شامل ہو گئے تو اسی قسم کی صورتحال پیدا نہ ہو جائے جیسی انگریزوں کے خلاف حروں کی مہم سے ہوئی تھی اور انہوں نے حکومت کا ناطقہ بند کر دیا تھا مجھے یہ فرض سونپا گیا کہ میں پیر صاحب پر واضح کر دوں کہ اگر انہوں نے حروں کو سیاسی مقاصد کے لئے

استعمال کیا تو اس کا ردعمل فوج کی طرف سے اچھا نہیں ہو گا کیونکہ اس سے حروں کا فوج سے براہ راست تصادم ہو جائے گا بھٹو صاحب کی حکومت اس سے کافی خائف نظر آتی تھی میں اس ملاقات کے لئے راضی نہیں تھا مگر میری یہ ڈیوٹی لگا دی گئی تو میں نے ٹیلیفون کر کے پیر صاحب سے وقت لیا اور پھر میں اور جنرل سعادت ایک پرائیویٹ گاڑی میں ان سے ملنے اسلام آباد گئے تھے جہاں وہ حسن محمود کے گھر میں ٹھہرے ہوئے تھے پیر صاحب سے ہماری بات چیت کافی لمبی اور خوشگوار ماحول میں ہوئی تھی اور پیر صاحب نے بڑی سمجھ بوجھ کا ثبوت دیا اور کہا کہ میرا کوئی ایسا ارادہ نہیں کہ میں حروں کو تحریک اور سیاست میں لاؤں ہم نے انہیں بتایا تھا کہ چونکہ حروں کا ایک حوالے سے فوج سے بھی تعلق ہے اور اگر وہ سیاست یا تحریک میں آئے تو پھر ظاہر ہے فوج کو ان کے خلاف کارروائی کرنا پڑے گی اور اس تعلق کو ختم کرنا پڑے گا تو پیر صاحب نے ہم سے وعدہ کیا کہ وہ کوئی ایسا ایکشن نہیں کریں گے ہم نے پیر صاحب کا یہ پیغام جنرل ضیاء الحق کو پہنچا دیا جنہوں نے آگے وزیراعظم تک پہنچایا تو انہیں بڑی تسلی ہوئی اور ان کی فکر اور تشویش دور ہو گئی اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ اس ملاقات کے چند روز بعد چیف آف آرمی سٹاف کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں بھٹو صاحب کی کابینہ کے وزراء بھی موجود تھے آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل جیلانی بھی تھے اور میں خود بھی موجود تھا تو جنرل جیلانی نے کہا کہ رپورٹ یہ ہے کہ دو جنرل گئے تھے اور پیر پگاڑہ سے ملے تھے انٹیلی جنس بیورو نے بھی یہی خبر دی تو جنرل جیلانی نے جنرل ضیاء الحق سے پوچھا کہ کیا یہ درست ہے کہ آپ کے کوئی جنرل پیر پگاڑہ سے ملنے گئے تھے مسٹر بھٹو نے جنرل ضیاء کی طرف دیکھا تو جنرل ضیاء نے فورا جواب دیا کہ نہیں کوئی جنرل پیر پگاڑہ سے ملنے نہیں گیا مجھ سے کسی نے پوچھا نہیں ورنہ میں سارا واقعہ بیان کر دیتا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اگر کسی وقت جنرل ضیاء کو یہ چیز میرے خلاف استعمال کرنا پڑی تو وہ اس سے دریغ نہیں کریں گے بھٹو بھی اس سوال کو نظرانداز کر گئے۔

س : تحریک کے دنوں میں آرمی چیفس کو یہ بیان جاری کرنے کی ضرورت کیوں

محسوس ہوئی کہ مسلح افواج وقت کی حکومت کی وفادار ہیں یہ بیان بھٹو صاحب کے کہنے پر دیا گیا تھا یا آرمی چیفس نے خود ہی جاری کیا تھا؟

ج: یہ غالبا بھٹو صاحب کے کہنے پر بیان جاری کیا گیا تھا ان کی خواہش تھی کہ مسلح افواج خاص طور پر فوج اس چیز کا اعلان کرے کہ ان کی وفاداری اور حمایت حکومت کے ساتھ ہے اور خاص طور پر بھٹو کی ذات کے ساتھ ہے جہاں تک جنرل ضیاء کا تعلق ہے انہوں نے فوری طور پر ایسا بیان جاری کرنے پر آمادگی ظاہر کر دی اور پھر بیان تیار کر کے اس پر جائنٹ چیفس آف سٹاف کمیٹی کے چیئرمین اور دیگر سروسز کے سربراہوں کے دستخط کرا کے بھٹو صاحب کو پیش کیا جنہوں نے بہت نمایاں طور پر اسے اخبارات میں شائع کرایا تھا مارشل لاء کے نفاذ کے بعد یہ جو تاثر دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ یہ بیان آرمی چیفس نے جاری نہیں کیا تھا بلکہ ذوالفقار علی بھٹو نے خود ہی اپنی طرف سے یہ بیان جاری کر کے چھپوا دیا تھا یہ درست نہیں یہ بیان چیفس کی طرف سے ہی جاری کیا گیا تھا۔

س: فوجی حلقوں میں اس بیان کے بارے میں کیا رد عمل تھا؟

ج: فوجی حلقوں میں اس بیان کے بارے میں رد عمل اچھا نہیں تھا یہ بیان نہیں دیا جانا چاہئے تھا کیونکہ مسلح افواج حکومت وقت سے ہی احکامات لیتی ہیں اور ان پر عمل کرتی ہیں افواج قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے حکومت کو ہر قسم کی سپورٹ دینے کی پابند ہوتی ہیں اس لئے یہ بیان ایک تو غیر ضروری تھا دوسرے اس سے یہ سمجھا گیا کہ مسلح افواج اپنے آپ کو ملکی سیاست میں ملوث کر رہی ہیں۔

س: مولانا کوثر نیازی نے اپنی کتاب میں بھٹو صاحب کے ساتھ اعلیٰ فوجی افسروں کی ایک میٹنگ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "میں نے کہا (فوجی افسروں سے) کہ مسئلے کے حل کی پانچ صورتیں ممکن ہیں (1) یہ حکومت برقرار رہے اور فوج اس کا ساتھ دیتی رہے (2) دوبارہ انتخابات کرائے جائیں مگر وزیر اعظم بھی اس بارے میں متذبذب ہیں اور آپ کہتے ہیں اس سے خون خرابہ ہو گا (3) موجودہ حکومت مستعفی ہو جائے اور پی این اے اقتدار سنبھال لے مگر آپ کو یہ بھی منظور نہیں (4) ریفرنڈم کرایا

جائے مگر آپ کہتے ہیں جوان اسے قبول نہیں کریں گے (5) یہ کہ فوج ''ٹیک اوور'' کر لے اور حالات درست ہوں تو آپ خود الیکشن کرا دیں تا کہ خلفشار بھی ختم ہو اور آپ کے جوان بھی مطمئن ہو جائیں۔

انہوں نے لکھا ہے کہ یہ سن کر بھٹو نے کہا ''میں مولانا سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں اب واقعی یہ ایک صورت رہ گئی ہے کہ آرمی ٹیک اوور کر لے اگر آپ لوگ چاہتے ہیں تو میں بخوشی حکومت سے دست بردار ہونے کو تیار ہوں میں آج ہی لاڑکانہ چلا جاتا ہوں۔ کیا بھٹو نے کبھی ایسا کہا تھا؟

ج: جہاں تک حکومت کی اس خواہش کا تعلق ہے کہ آرمی تحریک کو سختی سے دبا دے یہ تو درست ہے اس کا کئی مواقع پر اظہار کیا گیا تھا جہاں تک یہ کہنے کا تعلق ہے کہ آرمی ٹیک اوور کر لے مجھے نہیں یاد کہ سوائے مسٹر بھٹو کے کسی اور نے اس طرف اشارہ کیا ہو یا کسی اور کی جرات بھی ہو سکتی تھی کہ وہ بھٹو کی موجودگی میں کوئی ایسا اشارہ بھی کر سکے اور پھر مولانا کوثر نیازی کی گفتگو تو بہت ڈپلومیٹک قسم کی ہوتی تھی کہ جس سے نہ تو جرنیل خفا ہوں اور نہ مسٹر بھٹو فوج سے یہ کہنا کہ آپ نہیں مانتے تو ٹیک اوور کر لیں بھٹو کے علاوہ کسی کو ایسی جرات نہیں ہو سکتی تھی جہاں تک مجھے یاد ہے ایک میٹنگ میں مسٹر بھٹو نے خود کہا تھا کہ دیکھیں اگر آپ کنٹرول نہیں کر سکتے یا کنٹرول نہیں کرنا چاہتے تو پھر یہ آپ کی آپشن ہے کہ ٹیک اوور کر لیں یہ میری آپشن نہیں ہے کہ آپ کو یہ آپشن کبھی نہیں دی جائے گی میرے خیال میں مولانا کچھ ضرورت سے زیادہ کریڈٹ لینے کی کوشش کر رہے ہیں جو کہ انہیں جاتا نہیں۔

س: بھٹو صاحب کے کہنے پر کہ آرمی ٹیک اوور کر لے یہ میری نہیں آپ کی آپشن ہے فوج کی طرف سے کیا جواب دیا گیا؟

ج: مسٹر بھٹو اپنی بات ختم کر رہے تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ اگر سختی کرنا پڑے تو کریں اور اگر نہیں کر سکتے تو آپ کی یہ آپشن ہے کہ آپ خود آ کر ٹیک اوور کرنا چاہیں تو کر لیں میں نہیں کہوں گا آپ سے کیونکہ یہ قانونی آپشن نہیں ہے ظاہر ہے

اس کا جواب خاموشی سے ہی دیا جا سکتا تھا اور خاموشی سے ہی دیا گیا تھا اور یہ بات ختم ہو گئی تھی۔

س : آپ اس میٹنگ میں تھے جس میں جنرل ٹکا خاں نے کہا تھا کہ میں ڈھاکہ میں ایک ہی رات میں بیس ہزار آدمی "کڑیں" کر دیئے تھے آپ کیوں نہیں کرتے تو جنرل ارباب نے کہا تھا کہ ڈھاکہ میں آپ کے حکم پر وہ آپریشن میں نے ہی کیا تھا اور اس کے نتیجے میں پاکستان ٹوٹ گیا تھا مجھے آج تک آپ کا وہ حکم ماننے پر افسوس ہے۔

ج : کسی ریگولر میٹنگ میں مجھے یاد نہیں یہ مکالمہ ہوا ہو آرمی کو تشدد کرنے پر آمادہ کرنے پر تو چند ایک وزراء نے اسرار کیا تھا جن میں مسٹر پیرزادہ بھی شامل تھے کوئی ایسا مکالمہ جس میں جنرل ٹکا خاں نے یہ کہا ہو اور جنرل ارباب نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہو میری موجودگی میں نہیں ہوا۔

س: یہ کور کمانڈروں کی میٹنگ میں ہوا تھا۔

ج : ہو سکتا ہے کسی ایسی میٹنگ میں ہوا ہو جو جنرل میٹنگ نہ ہو مگر یہ یاد ہے کہ اشارے کنائے میں وقتاً فوقتاً یہ زور آرمی پر دیا جاتا تھا جس کا مطلب یہی تھا کہ آرمی کھلے ہاتھ سے تشدد کرے اور اگر چند ہزار آدمی مارے جائیں تو مار دے یہ اشارے تو دیئے جاتے تھے ایک میٹنگ میں اسی قسم کی بات ہو رہی تھی تو جنرل چشتی نے کچھ مدافعت کی تو مسٹر پیرزادہ نے کہا کہ اگر آپ کی اپنی حکومت ہو تو پھر بھی آپ لوگوں کو مارنے سے اسی طرح گریز کریں گے تو جنرل چشتی نے کہا تھا کہ پھر تو ہم گریز نہیں کریں گے۔

س : ایک مرحلہ ایسا بھی آیا جب چیف آف آرمی سٹاف نے سینئر افسروں کی میٹنگوں میں آپ کو بلانا بند کر دیا تھا ایسا کیوں ہوا؟ ان میٹنگوں کی کارروائی کے بارے میں آپ کو کچھ معلوم ہو جاتا تھا؟

ج : اس سوال کا میں تفصیل سے جواب دینا چاہوں گا اس کے لئے آپ کو یہ دیکھنا پڑے گا کہ چیف آف جنرل سٹاف کی پوزیشن کیا تھی تین قسم کی میٹنگیں ہوتی تھیں ایک تو آرمی کی آفیشل میٹنگیں خاص طور پر فوجی افسروں کی ہوتی تھیں جن میں

چیف آف آرمی سٹاف ان کے کور کمانڈر یا سٹاف کے دوسرے افسر شامل ہوتے تھے ایسی آفیشل میٹنگوں میں میری موجودگی ضروری ہوتی تھی دوسری قسم کی میٹنگیں وہ تھیں جو مسٹر بھٹو اپنے وزراء کے ساتھ کرتے تھے اور جن میں کبھی کبھی آرمی چیف کو بھی بلایا جاتا تھا ایسی سیاسی میٹنگوں میں بھی آرمی چیف کے ساتھ میں جایا کرتا تھا تیسری قسم کی میٹنگیں وہ تھیں جو مسٹر بھٹو کور کمانڈروں کے ساتھ کیا کرتے تھے اپنے گھر پر یا اپنے دفتر میں ان میں ان کے کچھ وزراء بھی شامل ہوتے تھے وہاں بھی اپنی حیثیت کی وجہ سے میری موجودگی ضروری ہوتی تھی اس کے علاوہ بعض دفعہ مسٹر بھٹو نے جنرل ضیاء کو بلایا تھا وہ اکیلے ہوتے تھے اور جنرل ضیاء کے ساتھ میں ہوتا تھا یا کوئی وزیر جسے بھٹو کسی مشورہ کے لئے بلا لیا کرتے تھے ان میٹنگوں میں میرا مشاہدہ یہ تھا کہ جنرل ضیاء کی حکمت عملی اور رویہ ان حالات میں مختلف ہوتا تھا جنرل ضیاء بھٹو کو اپنی پوری وفاداری کا یقین دلایا کرتے تھے اور غیر مشروط طریقہ پر مسٹر بھٹو کو اپنی حمایت کا یقین دلاتے رہتے تھے کور کمانڈروں کے ساتھ ضیاء الحق کی میٹنگوں میں جنرل ضیاء انہیں مسٹر بھٹو کے احکامات اور خواہشات پہنچایا کرتے تھے اور ان کے مختلف پہلوؤں اور امکانات کے بارے میں بحث ہوتی تھی ان میٹنگوں میں بعض کور کمانڈر مسٹر بھٹو کے بعض احکامات اور خواہشات ماننے کو آمادہ نہیں ہوتے تھے اس صورت میں جنرل ضیاء الحق کا رویہ مصالحانہ ہوتا تھا بجائے اس کے کہ وہ انہیں حکم دیتے یا دلائل سے آمادہ کرتے جیسا کہ چیف آف آرمی سٹاف کو کرنا چاہئے تھا مسٹر بھٹو اور ان کے ساتھیوں کا تاثر یہ تھا کہ جنرل ضیاء الحق تو ان کے وفادار ہیں مگر کور کمانڈر کچھ ان کے ہاتھ سے نکلتے جا رہے ہیں یہ تاثر دینا ضیاء الحق کے لئے مفید بھی تھا چونکہ میں ایک ایسا واحد شخص تھا جو ضیاء الحق کی دوہری یا تہری شخصیت کو دیکھ رہا تھا اس لئے ضروری تھا کہ وہ بعض معاملات سے مجھے الگ کر دیں مسٹر بھٹو کے ہاں کھانے کی ایک دعوت تھی جس میں چیف آف آرمی سٹاف کے علاوہ ایئر چیف اور کور کمانڈر بھی شامل ہوئے تھے جنرل ضیاء الحق کی حکمت عملی یہ ہوتی تھی کہ وہ خود تو مسٹر بھٹو کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے رہتے تھے اور جو کچھ کہلوانا ہوتا تھا وہ کسی

کور کمانڈر سے کہلواتے تھے کور کمانڈروں کے ذریعے انہوں نے لائن یہ اختیار کی کہ
ہم تو کوشش کر رہے ہیں مگر ملک کے حالات ایسے ہیں کہ وہ قابو میں نہیں آ رہے
کیونکہ جوان اور جونیئر آفیسر پراپیگنڈہ سے بہت متاثر ہو چکے ہیں اس لئے ان کے
لئے بہت مشکل ہو گا کہ وہ ان سے لوگوں پر گولی چلانے کے حکم کی تعمیل کروا سکیں
بعض کور کمانڈروں نے تو یہ بھی کہا کہ اگر ہم نے انہیں گولی چلانے کا حکم دیا تو وہ
اس سے انکار کر سکتے ہیں ایک دو نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ فوج ایسے موڈ میں ہے
کہ ہمیں بھی یقین نہیں ہوتا کہ اگر ہم انہیں مجبور کریں تو ہم خود سلامت گھر واپس
آ جائیں گے ان میں ایک جنرل غلام حسن خاں تھے اور دوسرے جنرل ارباب تھے
انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ فوج میں ایسے افسر بھی ہیں جنہیں وقت پر ترقی نہیں دی
گئی وہ فوج پر اثر انداز ہو سکتے ہیں جب مجھ سے رائے پوچھی گئی تو میں نے کہا کہ
آرمی کو جنرل کمان کر رہے ہیں وہ افسر جو ناراض ہیں وہ تو کمانڈر نہیں فوج کو جو حکم
دیا جائے وہ اس کی تعمیل کرے گی ایسی کوئی حالت دکھائی نہیں دیتی کہ فوج بغاوت پر
آمادہ ہو اس پر میرے اور جنرل ارباب کے درمیان کچھ گرما گرمی بھی ہو گئی تھی۔
کیونکہ وہ تو مسٹر بھٹو کو خوفزدہ کرنے کی پالیسی پر عمل کر رہے تھے اور میں نے فوج
کی پارٹی لائن کے خلاف رائے دی تھی لہٰذا اس کے بعد وہ مجھے آفیشل میٹنگوں میں
تو بلاتے تھے کیونکہ مجبوری تھی مگر کور کمانڈروں کے ساتھ آفیشل میٹنگ کے بعد وہ
اپنے گھر پر انہیں کھانے کی جو دعوت دیتے تھے اس میں مجھے نہیں بلایا جاتا تھا میں اس
پر خوش تھا کہ میرے لئے یہ ماحول ناخوشگوار تھا کیونکہ آفیشل میٹنگوں کے بعد یہ
ایک سازش کی صورت ہو رہی تھی جو ایک غیر سپاہیانہ طرز عمل تھا ان میٹنگوں کا
مجھے پتہ ہوتا تھا کیونکہ تمام انٹیلی جنس ایجنسیاں میرے ماتحت تھیں دلچسپ بات تھی
کہ جنرل ضیاء الحق سول لباس اور پرائیویٹ گاڑی میں جنرل چشتی کے گھر جاتے تھے
اور جنرل چشتی اسی انداز میں ان سے ملنے آتے تھے اور کور کمانڈر آتے جاتے تھے
اور وہ سمجھتے تھے کہ کسی کو علم نہیں مجھے یہ سب کچھ معلوم تھا اور یہ ظاہر تھا کہ
صورتحال سازش کی طرف جا رہی ہے اس کا انٹیلی جنس ایجنسیوں کو بھی علم تھا اور

جہاں تک میرا علم ہے مسٹر بھٹو کو بھی رپورٹ کیا گیا تھا۔

س : اگر اس کا انٹیلی جنس ایجنسیوں کو بھی علم تھا اور مسٹر بھٹو بھی جانتے تھے تو پھر وہ آخری وقت تک جنرل ضیاء الحق پر اعتماد کیوں کرتے رہے؟ اور انہیں یقین رہا کہ یہ ان کی حکومت کا تختہ نہیں الٹے گا آخری دنوں میں جنرل عارف جس طرح لوگوں کو اکٹھا کیا کرتے تھے اور جو منصوبے بنتے تھے آپ کو اور مسٹر بھٹو کو ان کا بھی علم تھا؟

ج : جہاں تک علم کا تعلق ہے تو کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہ سکتی جیسا کہ آپ نے خود کہا ہے مسٹر بھٹو فوجی جرنیلوں کی نقل و حرکت کی نگرانی کرایا کرتے تھے اگرچہ انہوں نے انٹیلی جنس بیورو کے ڈائریکٹر کو تبدیل کر دیا تھا مگر اس سے انٹیلی جنس بیورو کی کارکردگی پر تو کوئی اثر نہیں پڑا تھا اس کی موجودگی میں اور آئی ایس آئی کی موجودگی میں جرنیلوں کی سرگرمیاں پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھیں سوال جاننے کا نہیں تھا سوال یہ تھا کہ مسٹر بھٹو کر کیا سکتے تھے ہٹلر اور جرمن فوج کو علم تھا کہ اتحادی فوجیں حملہ کرنے والی ہیں حملہ کا منصوبہ کوئی سیکرٹ نہیں تھا سیکرٹ صرف یہ تھا کہ کس وقت اور کہاں پر حملہ ہو گا جیسا میں نے پہلے کہا جنرل ضیاء ہر وقت مسٹر بھٹو کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے رہے تھے مسٹر بھٹو کے قریبی لوگوں کے بیانات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پورے طور پر ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ان کا ہی آدمی انہیں دھوکہ دے سکتا ہے۔

س : جنرل صاحب بات کچھ سمجھ نہیں آتی ایک طرف تو مسٹر بھٹو جیسے ہوشیار اور شاطر آدمی کو انٹیلی جنس ایجنسیاں جرنیلوں کی میٹنگوں اور سرگرمیوں کی رپورٹیں دے رہی ہیں اور دوسری طرف وہ اس شخص کی یقین دہانیوں پر یقین کر رہا ہے جو یہ میٹنگیں کر رہا ہے؟

ج : یہ کھانے کی دعوتیں تھیں جو ایک پرانی روایت ہے کہ جب بھی کور کمانڈروں کی میٹنگ ہوتی تھی انہیں کھانے کی دعوت دی جاتی تھی جو عام طور پر آرمی میس میں ہوتی تھی چیف آف آرمی سٹاف کے گھر پر دعوت دینا بھی کوئی نئی بات نہیں تھی نئی بات صرف یہ تھی کہ ان دعوتوں میں چیف آف جنرل سٹاف کو نہیں بلایا جاتا تھا تو

جو بات ہوتی تھی اس کا بھٹو کو اسی صورت علم ہو سکتا تھا کہ ان میٹنگوں میں شامل کوئی آدمی انہیں آ کر بتاتا کہ وہاں کیا منصوبہ بن رہا ہے باقی تو شک شبہ تھا قیاس آرائیاں تھیں مسٹر بھٹو کے جو صلاح کار اور قریبی آدمی تھے وہ تو انہیں کئی مہینوں سے اس چیز کی وارننگ دے رہے تھے اور یہ وارننگ اتنی دفعہ دی گئی کہ وہ بھی اپنا اثر کھو چکی تھی انہیں حتمی یا واضح طور پر کچھ معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

س: جنرل صاحب آپ کی بات سے میں نے جو سمجھا یہ ہے کہ جس طرح جرمن آرمی کو اتحادی حملے کے منصوبے کا تو علم تھا صرف وقت اور جگہ کا علم نہیں تھا اسی طرح مسٹر بھٹو کو یہ تو معلوم تھا کہ فوجی کوئی منصوبہ بنا رہے ہیں صرف انہیں وقت کا علم نہیں تھا آخری دنوں میں وہی جو میں جنرل عارف کی بھاگ دوڑ بتا چکا ہوں بہت کچھ ہو رہا تھا تو آپ یہ بتائیں کہ اگر بھٹو کو علم تھا تو وہ خاموش کیوں رہے منصوبے کا علم تھا صرف وقت کا ہی علم نہیں تھا نا؟ دوسرے کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انٹیلی جنس ایجنسیاں ناکام ہو گئی تھیں؟

ج: آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ انٹیلی جنس ایجنسیوں کی ناکامی تھی یا یہ کہہ سکتے ہیں کہ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے مسٹر بھٹو کو جو وارننگ دی اس کی انہوں نے پرواہ نہیں کی اور بات پھر وہی ہے کہ مسٹر بھٹو کر کیا سکتے تھے؟ میرے خیال میں تو اس وقت تک وہ کافی حد تک بے بس ہو چکے تھے پولیس مکمل طور پر ناکارہ اور بے بس ہو چکی تھی امن و امان کا معاملہ مکمل طور پر فوج کے ہاتھ میں تھا وہ جیسا چاہے کرے میرا اپنا مطالعہ یہ ہے کہ ان آخری دنوں میں مسٹر بھٹو کی قوت فیصلہ کافی حد تک مفلوج ہو چکی تھی اور ان کے رویہ میں ایک Fatalistic (راضی بررضا) والا انداز آ رہا تھا جو آخری وقت تک ان کے ساتھ رہا وہ اشاروں میں اس کا اظہار کرتے تھے کہ وہ جانتے ہیں مگر ان کے پاس کون سی ایجنسی تھی جس کے ذریعے سے وہ اس کا تدارک کر سکتے تھے ان کے تو اپنے گھر پر پہرہ بھی فوج ہی دیتی تھی اس لئے یہ سب سے بڑا سوال ہے کہ اگر وہ کچھ کرنا بھی چاہتے تو کر کیا سکتے تھے؟

س: آپ کو کب معلوم ہوا کہ ملک میں مارشل لاء لگ گیا ہے؟

ج: اسی رات دس بجے کے قریب جنرل ضیاء الحق نے مجھے جی ایچ کیو بلایا وہ وہاں اپنے دفتر میں تھے میں گیا تو انہوں نے کہا کہ تشریف رکھیں میں بیٹھ گیا مگر ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز ہو رہی ہے میرا اندازہ یہی تھا کہ جو کچھ وہ کرنا چاہتے تھے کر دیا ہے تھوڑی دیر میں انہیں کور کمانڈروں کی طرف سے کامیابی کے ٹیلیفون آنا شروع ہو گئے ہر ایک کال کے بعد وہ زیادہ خوش دکھائی دینے لگے پھر انہوں نے بتایا کہ آج انہوں نے اپنا Operation Fair Play لانچ کر دیا ہے اور ہر طرف سے انہیں کامیابی کی خبریں آ رہی ہیں کامیابی تو ہونا ہی تھی حکومت وقت تو بالکل بے بس ہو گئی تھی اور فوج کو صرف اتنا کرنا تھا کہ مسٹر بھٹو کو ہٹا کر اس کی جگہ خود آ جائے مجھے شاید انہوں نے اس لئے بلایا تھا کہ میں بھی ان کی نظروں کے سامنے رہوں اور اگر کوئی کسی قسم کی کارروائی کرنا چاہے تو میں اس میں شامل نہ ہو سکوں۔

س: انہیں یہ کیوں شبہ گزرا کہ ان کے خلاف اگر کوئی کارروائی ہوتی ہے تو آپ اس میں شامل ہو جائیں گے؟

ج: ظاہر ہے جو آدمی اپنے سے اوپر والے کو Betray کرے اسے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اس کے ماتحت اسے Betray کر سکتے ہیں جو آدمی خود Betrayal (دھوکہ دہی) کا کھیل کھیل رہا ہو اسے دوسروں پر کیسے اعتماد ہو سکتا ہے؟ ایک چور اگر چوری کی نیت سے گھر سے نکلے گا تو راستہ میں جو آدمی ملے گا وہ اسے بھی چور ہی سمجھے گا جنرل ضیا شکی قسم کے آدمی تھے انہوں نے کبھی کسی پر اعتماد نہیں کیا۔

س: اگر مسٹر بھٹو کو آپریشن فیئر پلے کا اس وقت علم ہو جاتا اور وہ آپ کو یا کسی اور جنرل کو اس آپریشن کے خلاف کارروائی کا حکم دیتے تو کوئی جرنیل ایسی کارروائی کرنے کی پوزیشن میں تھا اس وقت؟

ج: نہیں کوئی بھی اس پوزیشن میں نہیں تھا مقامی جنرل جو تھا جنرل چشتی وہ تو اس سارے آپریشن کا انچارج تھا جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو پہلے ہی مسٹر بھٹو پر واضح کر چکا تھا کہ کسی جوابی ایکشن میں میری دلچسپی نہیں ہے۔

س: جوابی ایکشن (Counteraction) سے آپ کی کیا مراد ہے ایک تو آپ بتا چکے

ہیں کہ کور کمانڈروں کو ہٹانے کے ایکشن میں تعاون سے آپ نے انکار کر دیا تھا اس کے علاوہ جوابی فوجی ایکشن آپ کی مراد ہے؟

ج: میرا مطلب ہے کہ اگر مسٹر بھٹو قانونی طریقہ سے یا فوری طریقہ سے جنرل ضیا اور کور کمانڈروں کو ہٹانا چاہتے میں پہلے بتا چکا ہوں کہ مسٹر بھٹو نے پہلے مجھ سے مشورہ کیا تھا اس بارے میں اور جو کچھ وہ اس وقت کرنا چاہتے تھے اسے قانونی بھی بنانا چاہتے تھے اور مجھے اس میں وہ شامل کرنا چاہتے تھے اس وقت وہ جو ایکشن کرنا چاہتے تھے اس کا سب سے زیادہ فائدہ مجھے ہی پہنچنا تھا لیکن میں نے اس میں شامل ہونا بھی مناسب نہ سمجھا۔

س: اگر آپ کے علم میں تھا کہ ضیاء الحق کوئی ایسا منصوبہ بنا رہا ہے تو آپ نے مسٹر بھٹو کو کیوں نہ بتایا؟

ج: پہلی بات تو یہ ہے کہ بھٹو کو بتانا میرے دائرہ فرائض میں نہیں تھا نہ تو میں کسی انٹیلی جنس ایجنسی کا سربراہ تھا اگرچہ ملٹری انٹیلی جنس میرے ماتحت آتی تھی لیکن یہ بات میرے فرائض میں شامل نہیں تھی کہ میں کوئی چیز مسٹر بھٹو کو بتاؤں دوسرے یہ کہ مسٹر بھٹو کے ماتحت بہت سے انٹیلی جنس ادارے کام کر رہے تھے جنہیں آرمی کی سرگرمیوں کا مکمل طور پر علم تھا تیسرے یہ کہ جیسا میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں مسٹر بھٹو کو علم تھا کہ کوئی چیز پک رہی ہے لیکن وہ کیوں نہ کچھ کر سکے اس کا علم انہی کو ہو گا یا جیسے میں نے کہا ہے کہ بھٹو کی قوت فیصلہ مفلوج ہو چکی تھی۔

س: جنرل صاحب یہ بھی کہا جاتا ہے ضیاء الحق نے خود بھی کہا تھا اخبارات اور کتابوں میں بھی آیا ہے کہ پیپلز پارٹی پی این اے کی تحریک کا مسلح مقابلہ کرنے کی تیاری کر رہی تھی جسے مرحوم جنرل ضیاء الحق نے خانہ جنگی کہا تھا کیا آپ کے ماتحت انٹیلی جنس ایجنسی نے اس بارے میں کبھی کوئی رپورٹ دی تھی؟

ج: ایک چیز تو واضح تھی اور مختلف میٹنگوں میں حکومت کو بار بار یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی تھی کہ پی این اے نے جو جارحانہ رویہ اختیار کیا ہوا ہے اور پیپلز پارٹی کے دفتر جلائے جا رہے ہیں ان کے آدمی مارے جا رہے ہیں اس کا مقابلہ کرنے کے

لئے اور اپنی قوت کا مظاہرہ کرنے کے لئے پیپلزپارٹی کو بھی کوئی جوابی تحریک شروع کرنا چاہئے یہاں تک تو قانونی بات تھی لیکن یہ قیاس آرائیاں بھی کی جا رہی تھیں کہ پیپلزپارٹی چونکہ حکومت میں ہے وہ اپنے ورکروں کو اسلحہ بھی دے سکتی ہے اس طرح ایک قسم کا مسلح تصادم بھی زیر غور آتا تھا مگر پیپلزپارٹی میں ایسے تصادم کی سکت نہیں تھی مارشل لاء کے نفاذ کے بعد یہ کہا گیا کہ چونکہ ملک میں خانہ جنگی کا خطرہ تھا اس کو روکنے کے لئے ہم نے مارشل لا لگایا ہے میری نظر میں ایسا کوئی خطرہ درپیش نہیں تھا۔

س: سوال رائے نہیں اطلاع ہے۔

ج: ایسی کوئی واضح اطلاع نہیں تھی کہ ملک میں کسی خانہ جنگی کا خطرہ ہے اس میں بہت کچھ مبالغہ سے کام لیا گیا تھا مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پیپلزپارٹی والوں سے بہت پوچھا گیا کہ وہ اسلحہ کہاں ہے تم کہاں سے اسلحہ لا رہے تھے کہاں جمع کیا ہے؟ اگرچہ کئی جگہ سے پیپلزپارٹی والوں سے اسلحہ برآمد بھی ہوا تھا اور ہتھیار بھی ملے تھے جن سے پیپلزپارٹی خانہ جنگی برپا کر سکتی تھی۔

س: پی این اے کا ایک مطالبہ یہ تھا کہ بلوچستان سے فوج واپس بلائی جائے حیدر آباد ٹریبونل توڑ دیا جائے اور ولی خاں اور ساتھیوں پر سول عدالتوں میں مقدمہ چلایا جائے اس مسئلے پر بھٹو نے کہا کہ فوج نہیں مان رہی حقائق کیا ہیں؟

ج: اس مسئلے پر کوئی لمبی چوڑی بحث تو نہیں ہوئی تھی فوج کے حلقوں میں عام رائے یہ تھی کہ یہ مناسب نہیں ہو گا بلوچستان آپریشن میں بہت سے جوانوں نے جانیں دیں بہت سے زخمی ہوئے اور جن لوگوں کو حکومت خود غدار قرار دے کر ان پر خصوصی ٹریبونل میں مقدمہ چلا رہی تھی انہیں چھوڑ دینے سے کہا جاتا تھا کہ فوج اور عوام پر اچھا تاثر قائم نہیں ہو گا۔

س: کیا فوج نے یہ کہہ کر نئے انتخابات کی مخالفت کی تھی کہ اس سے خون خرابہ ہو گا۔

ج: فوج کے حلقوں میں تو ایسی کوئی بات نہیں تھی دراصل مسٹر بھٹو خود یہ تجویز

قبول نہیں کر رہے تھے کہ نئے سرے سے انتخابات کرائے جائیں عبدالحفیظ پیرزادہ اور ان کے کچھ اور ساتھی بھی اس کی مخالفت کر رہے تھے کیونکہ وہ یہ بات تسلیم کرنے کے حق میں نہیں تھے کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے۔

س : جنرل صاحب مارشل لاء کے نزول کی شب آپ جنرل ضیاء الحق کے پاس ان کے دفتر میں رہے اس رات انہوں نے کس کس سے بات کی اور کیا بات کی؟

ج : جب میں جنرل ضیاء الحق کے دفتر پہنچا تو یہ رات دس بجے کے قریب کا وقت تھا چیف آف آرمی سٹاف کا دفتر جی ایچ کیوں میں ہے اور یہ آپریشن روم نہیں دفتر ہے جب میں وہاں پہنچا تو جنرل ضیاء الحق اکیلے تھے وہاں پر ان کا سٹاف البتہ موجود تھا اور اندر آ جا رہا تھا جنرل ضیاء الحق زیادہ وقت ٹیلیفون پر مصرف رہے مختلف جگہوں سے کور کمانڈر ٹیلیفون پر بتا رہے تھے کہ آپریشن کامیاب جا رہا ہے اور ان کا ٹاسک پورا ہو رہا ہے اس ٹاسک میں حکومت کے ارکان کو حراست میں لینا شامل تھا ہر جگہ سے کامیابی کے ٹیلیفون آ رہے تھے اور ہر کامیابی پر جنرل ضیاء الحق کی خوشی اور جوش بڑھتا جا رہا تھا جو صاف نظر آتا تھا جب کامیابی کا آخری پیغام آ گیا تو اس وقت وہ اپنی خوشی چھپا نہیں سکتے تھے میں نے ان سے کہا آپ کو اندازہ ہے کہ آپ نے کتنا بڑا درد سر اپنے اوپر لے لیا ہے؟ تو انہوں نے کہا "کیا مطلب ہے آپ کا؟" میں نے عرض کیا کہ "اب تک غیر ملکی ذرائع ابلاغ کے مقامی نمائندوں کو یہ خبر مل چکی ہو گی اور وہ اسے باہر بھیجنے کی کوشش میں ہوں گے آپ کو پہلے تو یہ طے کرنا چاہئے کہ آپ نے خبر دینی کیا ہے آپ اپنے عوام اور بیرون ملک کیا اور کب خبر دینا چاہتے ہیں؟ غیر ملکی سفیروں اور حکومتوں تک ذرائع ابلاغ کی بجائے یہ خبر آپ کے اپنے حوالے سے پہنچنا چاہئے تاکہ ملک کے خلاف کوئی غیر مناسب رد عمل نہ ہو اس کے لئے بہتر ہو گا کہ آپ وزارت خارجہ کے سیکرٹری کو بلا کر اس رد عمل کے بارے میں ان سے معلوم کریں اور جتنا جلد ممکن ہو دوست ممالک سعودی عرب، ترکی اور ایران میں اور مغربی ممالک امریکہ اور برطانیہ کے سفیروں کو خصوصی طور پر اور دوسرے جن ممالک کو آپ مناسب سمجھتے ہیں ان کے سفیروں کے لئے ایک بریفنگ کا بندوبست

کریں ملک کی اقتصادی حالت کیا ہے اور کون کون سے پہلوؤں پر مارشل لاء کا اثر پڑ سکتا ہے مثلاً بیرونی امداد وہ منصوبے جو چل رہے ہیں جن پر حکومت کو کوئی ایکشن لینا ہے وہ آپ سیکرٹری فنانس کو بلا کر ان کے بارے میں مشورہ کریں اور ملک کا نظم و نسق چلانے کے لئے بیوروکریسی سے کیسے کام لینا ہے اسے کون ہدایات دے گا؟ قوم کو مارشل لا کی خوشخبری ٹیلیویژن اور ریڈیو پر کیسے دینی ہے اس بارے میں کچھ غور کریں اور تیاری کریں یہ سن کر وہ فوراً سنجیدہ ہو گئے اور کہا کہ یہ آپ نے بہت اچھا مشورہ دیا ہے اور فوری طور پر اس بارے میں اپنے سٹاف کو ہدایات دینے لگے اس سلسلے میں جو پہلا شخص وہاں آیا وہ غلام اسحاق خاں تھے ان کے کچھ عرصہ بعد آغا شاہی بھی وہاں تشریف لے آئے غلام اسحاق خان کو لے کر جنرل ضیاء الحق ایک صوفے پر بیٹھ گئے اور کافی دیر تک ان کے ساتھ کانا پھوسی کرتے رہے جو میں پورے طور پر تو نہیں سن سکا تھا لیکن یہ اندازہ ہو گیا کہ غلام اسحاق خاں مسٹر بھٹو کی حکومت کی بدعنوانیوں کے بارے میں جنرل ضیاء الحق کو بتا رہے تھے جنرل ضیاء الحق نے وہیں فیصلہ کر لیا کہ بیوروکریسی کا نظام غلام اسحاق کے ذریعے چلایا جائے گا اور انہیں سیکرٹری جنرل انچیف مقرر کر دیا آغا شاہی نے بھی مختلف سفیروں کو بریفنگ کا مشورہ دیا اور اگلی صبح اس کا اہتمام کر دیا گیا اسی دوران یا اس کے بعد سیکرٹری فنانس بھی وہاں آئے تھے اس طرح صبح تک جنرل ضیاء الحق کافی سوبر (Sober) ہو چکے تھے خوشی اور جوش ختم ہو چکا تھا اور ملکی حالات سے کافی متفکر دکھائی دیتے تھے۔

س: مسٹر بھٹو کا ٹیلیفون بھی تو آیا تھا۔

ج: ہاں مسٹر بھٹو کا فون آیا غالباً ممتاز بھٹو نے انہیں اطلاع دی تھی کہ فوج آ گئی ہے جب مسٹر بھٹو نے پوچھا کہ کیا یہ درست ہے تو جنرل ضیاء الحق نے جواب دیا کہ قوم اور ملک کے مفاد میں وہ یہ ایکشن لینے یہ مجبور ہوئے ہیں ساری گفتگو کے دوران جنرل ضیاء الحق کا رویہ نہایت مودبانہ دھیما اور مناسب تھا اور وہ بہت سوچ سوچ کر وہ بات کر رہے تھے مطلب یہ تھا کہ ہمیں ملک اور قوم کے مفاد میں یہ ایکشن لینا پڑ گیا ہے یہ ایکشن ان کی ذات کے خلاف نہیں امید ہے کہ بہت جلد انتخابات ہوں گے

اور وہ یعنی مسٹر بھٹو دوبارہ اس کرسی پر آکر ملک اور قوم کی خدمت کریں گے مسٹر بھٹو کے کسی سوال پر جنرل ضیاء الحق نے کہا تھا کہ انہیں اگلی صبح مری بھیج دیا جائے گا اور ان کی فیملی ایک دو روز کے لئے وزیراعظم ہاؤس میں رہ سکتی ہے تاکہ وہ اپنا سامان وغیرہ باندھ لیں تاکہ اس کے بعد وہ لاڑکانہ جاسکیں مسٹر بھٹو کو اپنا پرسنل سٹاف اپنے ساتھ رکھنے کی بھی اجازت دی گئی صبح پو پھٹنے تک میں ان کے کمرے میں رہا پھر گھر آیا اور جلدی سے کپڑے وغیرہ بدل کر میں پھر جی ایچ کیوں پہنچ گیا اپنے دفتر۔

س : اس رات فضائیہ اور نیوی کے سربراہوں سے بھی جنرل ضیا کی کوئی بات ہوئی تھی کیونکہ یہ دونوں بھی مسلح افواج کا حصہ ہیں۔

ج : ہاں مجھے یاد آیا ضیاء الحق نے جنرل شریف کو جو جائنٹ چیفس کمیٹی کے سربراہ تھے انہیں فضائیہ کے سربراہ ایئرچیف مارشل ذوالفقار اور ایڈمرل شریف کمانڈر نیوی کو بھی ٹیلیفون کئے تھے ان تینوں کا ردعمل ایک دوسرے سے مختلف تھا جنرل شریف کا ردعمل تھا کہ اچھا تو آپ نے یہ کر دیا ہے یعنی انہوں نے افسوس ظاہر کیا کہ آپ نے آخر یہ کر ڈالا جیسا کہ انہیں پہلے سے اس کی امید تھی۔ ایئرچیف مارشل ذوالفقار نے بھی کوئی ہمدردانہ ردعمل ظاہر نہیں کیا ایڈمرل شریف نے اس پر خوشی کا اظہار کیا تھا اور اس کی تائید کی تھی۔

س : یہ بھی کہتے ہیں کہ اس رات گئے امریکی سفیر نے بھی مسٹر بھٹو سے ملاقات کی تھی یہ تو کوئی نہیں بتا سکتا کہ ان کے درمیان کیا بات چیت ہوئی تھی ہو سکتا ہے انہوں نے مسٹر بھٹو کو اطلاع دینا چاہی ہو کہ فوج اقتدار پر قبضہ کر رہی ہے کیا اس رات امریکی سفیر کی ضیاء الحق سے بھی کوئی بات ہوئی تھی؟

ج : اس رات تو کوئی بات نہیں ہوئی میرا اپنا خیال ہے کہ دونوں یہ چاہتے تھے کہ کسی کو شبہ نہ ہو کہ ان دونوں کے درمیان کوئی سمجھوتہ ہے اس لئے امریکی سفیر نے اس رات ٹیلی فون کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

س : پاکستان میں امریکہ کے سفیر مسٹر آرتھر ڈبلیو ہمل نئے نئے تھے سبکدوش ہونے والے سفیر کو مسٹر بھٹو کے علاوہ چیف آف آرمی سٹاف نے بھی کھانے کی دعوت دی

تھی کیا یہ درست ہے کہ اس دعوت کے لئے چیف آف آرمی نے حکومت یا وزارت خارجہ سے اجازت نہیں لی تھی۔

ج: میں ذاتی طور پر چیف آف آرمی سٹاف کی طرف سے دی جانے والی اس دعوت میں شامل نہیں تھا میں اس روز پنڈی سے باہر تھا اس کا حال مجھے ان لوگوں سے معلوم ہوا جو اس میں مدعو تھے یہ دعوت چیف نے اپنے گھر پر دینا پسند کی حالانکہ اس کے لئے مناسب جگہ کوئی آرمی میس تھی اور مناسب طریقہ یہ تھا کہ وزارت خارجہ اور وزارت دفاع سے دعوت کے لئے اجازت لے لی جائے یعنی وزیر اعظم سے اجازت لے لی جائے لیکن معلوم نہیں جنرل ضیاء الحق کو دعوت دینے کی کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے کسی وزارت سے اجازت مانگنے کا خطرہ ہی مول نہیں لیا کہ کہیں وہ انکار نہ کر دیں اور میس کی بجائے اپنے گھر بلایا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں کافی گہرے روابط تھے اور جو سب سے بڑی بات ہے جس پر فوجی حلقوں میں بڑی بحث ہوئی وہ یہ تھی کہ اس دعوت میں ضیاء الحق نے مہمانوں کو شراب بھی پیش کی حالانکہ فوجی میسوں میں شراب پر پابندی لگ چکی تھی۔

س: ضیاء الحق کا امیج تو ایک مذہبی آدمی کا ہے مجھے حیرانی ہے کہ اس نے اپنے گھر پر مہمانوں کو شراب بھی پیش کی۔

ج: یہ بھی ان کے کردار کا ایک پہلو ہے ضیاء الحق کا بظاہر تو بڑے دیندار' پرہیز گار اور متقی کا امیج ہے مگر حالات اور ضرورت کے مطابق وہ اپنے کردار میں کافی لچک پیدا کر لیا کرتے تھے اور یہ اس لچک کی ایک مثال ہے فوجی میسوں میں ان کے پیشرو جنرل ٹکا خاں نے ریٹائرمنٹ سے ایک دو ماہ قبل شراب پر پابندی لگا دی تھی جب جنرل ضیاء الحق چیف آف آرمی سٹاف بنے اور انہیں علم ہوا کہ مسٹر بھٹو نے جنرل ٹکا خاں کی طرف سے شراب پر پابندی کے حکم کو پسند نہیں کیا تھا اور کہا تھا کہ اس اقدام سے فوج میں مذہب گھس آئے گا فوج میں مذہب کو تو ضیاء الحق بھی لانا چاہتے تھے مگر مسٹر بھٹو کی خوشنودی انہیں اس سے زیادہ عزیز تھی اس لئے انہوں نے کوششیں شروع کر دیں کہ کسی طرح سے فوجی میسوں میں شراب پر پابندی کے

جنرل ٹکا خاں کے احکامات کو کینسل کر دیا جائے جب انہوں نے سب سے پہلی آرمی کمانڈرز کی کانفرنس کی جس میں جنرل کے رینک کے سب افسر شامل ہوتے ہیں اس کے ایجنڈے پر جنرل ٹکا خاں کے حکم کو منسوخ کرنا اور فوجی میسوں میں پھر سے شراب کی اجازت دینا بھی شامل تھا اس پر وہاں کافی بحث ہوئی کچھ جرنیل اس پابندی کو جاری رکھنے کے حق میں تھے وہ خالص مذہبی نکتہ نظر سے کچھ کہتے تھے کہ شراب پر پابندی سے جو جوان افسر شراب کے عادی ہو چکے ہیں وہ باہر جا کر ناپسندیدہ ماحول اور سوسائٹی میں شراب پینا شروع کر دیں گے جبکہ میس میں وہ اپنے سینئر افسروں کے سامنے ہوتے ہیں اور میس کے آداب کی پابندی کرتے ہیں اور بدتمیزی نہیں کرتے جنرل ضیاء الحق چونکہ خود یہی چاہتے تھے اس لئے ایک مرحلہ پر یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ جنرل ٹکا خاں کا شراب پر پابندی والا حکم واپس لے لیا جائے گا لیکن ایک دو کور کمانڈر پھر بھی مخالفت کرتے رہے سب سے آخر میں جنرل فصل حق نے کہا کہ آپ کا امیج ایک مذہبی آدمی کا ہے آپ ایسا نہ کریں فوج کے سامنے آپ کا امیج ایک پرہیزگار پابند صوم و صلوۃ جرنیل کا ہے یہ پابندی واپس لینے سے آپ کا امیج خراب ہو گا اس پر ضیاء الحق نے جنرل ٹکا خاں کی لگائی گئی پابندی جاری رکھنے کا فیصلہ کر لیا کیونکہ فضل حق نے ان کی صحیح رگ پر ہاتھ رکھا تھا اپنے امیج اور پبلک ریلیشنگ کے بارے میں جنرل ضیاء الحق بہت ہی محتاط تھے اس طرف وہ بہت توجہ دیتے تھے مزے کی بات یہ ہے کہ آرمی میسوں اور دعوتوں میں شراب نوشی پر پابندی تو برقرار رہی لیکن کانفرنس کے بعد آرمی میس میں روایت کے مطابق جو دعوت دی گئی تھی اس میں مسٹر بھٹو کو بھی بلایا گیا تھا جنرل ضیاء الحق نے خود اس دعوت کی تیاریوں کی نگرانی کی تھی اور حکم دیا تھا کہ مسٹر بھٹو جس خاص قسم کی وہسکی کے شوقین ہیں وہ بھی انہیں پیش کی جائے گی روایت یہ ہے کہ کھانے کے بعد کھڑے ہو کر جام صحت نوش کیا جائے آزادی سے پہلے یہ جام بادشاہ یا ملکہ کے لئے ہوتا تھا پاکستان بننے کے بعد صدر مملکت کی صحت کا جام تجویز کیا جانے لگا مگر اس میں کوئی شراب یا الکوحل والا مشروب نہیں پیا جاتا تھا بلکہ کوکا کولا سیون اپ وغیرہ جام میں ڈال کر جام صحت پیتے تھے یہ

دستور انگریزوں کے زمانہ سے چلا آتا تھا مگر جنرل ضیاء الحق کو یہ منظور نہیں تھا کہ ان کا محبوب وزیراعظم نقلی جام صحت نوش فرمائے انہوں نے ان کے لئے اصلی شراب فراہم کی تھی اور جس کسی کو بھی اصلی شراب چاہئے تھی اس نے اصلی شراب سے وزیراعظم کا جام صحت پیا تھا تو یہ بھی ان کی گوناگوں شخصیت کا ایک پہلو تھا۔

34

متفرقات

اسمبلی کے اندر اور باہر ذوالفقار علی بھٹو یہ کہتے رہے کہ امریکہ ان کی حکومت کا دشمن ہو رہا ہے ذوالفقار علی بھٹو کی گرفتاری مقدمہ قید اور پھانسی کے مراحل کے دوران بھی ان کی پارٹی کی طرف سے یہی کہا جاتا رہا کہ مارشل لاء لگانے اور چلانے والوں کو امریکی سی آئی اے کی تائید و حمایت حاصل تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو کی صاحبزادی نے اپنی کتاب Daughter of the East میں اس مسئلے پر گول مول بحث کی ہے امریکی حکومت اور سی آئی اے کو الگ الگ بتایا ہے کھل کر نہیں بتایا کہ اس بارے میں کیا ہے ممکن ہے ان کی اپنی کچھ مجبوریاں یا مصلحتیں ہوں لیکن ہمارے لئے اس پہلو کا جائزہ ضروری ہے امریکہ اور اس کی سی آئی اے اگر ذوالفقار علی بھٹو کی "مثال" بنا سکتے ہیں تو کل کسی اور کا بھی یہی انجام ہو سکتا ہے اسی وجہ سے میں نے اپنے طور پر اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش میں جنرل ضیاء الحق کے قریبی حلقوں سے پوچھا کہ کیا مارشل لاء لگانے میں امریکہ کا کوئی ہاتھ تھا؟ آپ نے کچھ محسوس کیا؟ بعض نے کہا کہ ہم نے ایسی کوئی بات محسوس نہیں کی جب کہ ایک نے کہا کہ ضیاء الحق کا امریکی سی آئی اے سے اس وقت سے رابطہ تھا جب وہ اردن میں تھے 17 اگست 1988ء کو بہاول پور کے حادثہ میں ان کے ساتھ ہلاک ہونے والے امریکی سفیر 1977ء میں بھی اسلام آباد کے امریکی سفارتخانہ میں ہی ہوتے تھے ضیاء الحق سے ان کا اسی دور سے رابطہ تھا لیکن اگر ایسا تھا تو امریکی سفیر نے خود ملاقات کر کے بھٹو کو کیوں بتایا کہ فوج ٹیک اوور کرنے والی ہے وہ بھی اس

مرحلہ پر جب جنرل ضیاء الحق مارشل لاء لگانے کا عمل شروع کر چکے تھے کیا امریکہ اپنے ہی آدمی کو ذوالفقار علی بھٹو کے ہاتھوں مروانا چاہتا تھا اور اس آدمی کو بچانا چاہتا تھا جس کی " مثال" بنانا اس کے پروگرام میں شامل تھا کیا امریکہ اور اس کی سی آئی اے اپنے اتنے اعلیٰ مقام پر فائز آدمی کے خلاف ایسا اقدام کر سکتے تھے؟

ملک غلام مصطفیٰ کھر کے انتخابات کا پروگرام طے ہونے کے ساتھ ہی لندن کی سیر کو جانے کے بارے میں یہ تو مجھے ذاتی علم ہے کہ پاسپورٹ اور زر مبادلہ کے مراحل میں حکومت کے بعض ادارے اس کی مدد کر رہے تھے وہ کیوں گئے؟ یہ صاف ظاہر ہے کہ سودے بازی ہو چکی تھی لیکن پیپلزپارٹی میں دوبارہ شمولیت کا فیصلہ انہوں نے امریکی حکام سے ملاقات کے ساتھ ہی کیوں کر لیا؟ کیا وہ اس سگنل کے منتظر تھے؟ ان کے بعض ساتھیوں نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ پیپلزپارٹی میں شمولیت کے فورا" بعد انہوں نے جو اشتعال انگیز بیانات کا سلسلہ شروع کیا تھا وہ بھی مارشل لاء کا جواز پیدا کرنے کے لئے تھے جب ذوالفقار علی بھٹو کو چار اور پانچ جولائی 1977ء کی درمیانی شب فوج کے حرکت میں آنے کی اطلاع موصول ہوئی تو انہوں نے جن ساتھیوں کو فوری طور پر تلاش کرنے کی کوشش کی ان میں ملک غلام مصطفیٰ کھر بھی شامل تھا باقی سب مل گئے مگر مصطفیٰ کھر نہ مل سکے وہ اس وقت کہاں تھے؟ جب کہ وہ بھٹو کے خصوصی مشیر بھی تھے۔

ذوالفقار علی بھٹو کے سارے دور میں جس سیاسی راہنما نے نہایت استقلال سے اس کی حکومت کی پالیسیوں پر زبردست تنقید کی وہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں ہیں انہوں نے بعض دفعہ بھٹو کی ذات کے خلاف سخت ترین زبان بھی استعمال کی بھٹو حکومت نے اس کے خلاف پروپیگنڈہ تو کیا پیپلزپارٹی کے کارکنوں اور انتظامیہ نے ایئر مارشل کے خلاف اقدامات سے صاف دکھائی دیتا تھا کہ وہ ان سے خصوصی خوف میں مبتلا تھے لیکن 1977ء کی تحریک کے عروج تک بھٹو حکومت نے انہیں نہ تو کبھی گرفتار کیا اور نہ ہی ان کے ساتھ وہ حسن سلوک کیا گیا جو بھٹو اپنے چھوٹے چھوٹے مخالفین تک سے کر لیا کرتا تھا اصغر خاں کے ساتھ یہ خصوصی رویہ کیوں تھا؟ بعض دفعہ یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے مگر اس کا جواب ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہو سکا۔ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خاں پر یہ بھی الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ فوج کے

ساتھ ملے ہوئے تھے اسی لئے اتحاد کے اجلاسوں میں کہا کرتے تھے کہ فوج کو آنے دو وہ نوے روز کے اندر اندر انتخابات کروا کر بارکوں میں واپس چلی جائے گی۔ میں نے اس بارے میں جتنے متعلقہ جنرلوں سے بات کی ان سب نے اس کی تردید کی بلکہ یہ بھی بتایا کہ جن دنوں پاکستان قومی اتحاد کے راہنما مری میں زیر حراست تھے اور ضیاء الحق انہیں ملنے گئے تھے تو صرف ائیرمارشل اصغرخان ایسے تھے جنہیں وہ اپنی روائتی خوش اخلاقی سے نہیں ملے تھے بلکہ نامناسب زبان استعمال کرتے ہوئے انہیں دھمکی دی تھی کہ وہ ان کا کورٹ مارشل کرائیں گے اگر وہ واقعی فوج سے ملے ہوئے تھے تو فوج کے چیف آف سٹاف کی طرف سے ان کے ساتھ یہ "امتیازی" سلوک کیوں کیا گیا؟ ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار میں آنے کے چھ سات ماہ بعد ایک سہ پہر میں جماعت اسلامی کے بانی سید ابو الاعلیٰ مودودی سے ملنے گیا ان کے کمرہ سے ایک سابق جرنیل برآمد ہو رہے تھے میں نے ان کے سیکرٹری سے پوچھا کس سلسلہ میں آئے تھے؟ وہ ہنس پڑے "مولانا سے کہتے تھے بتاؤ میں سی آئی اے والوں کو کیا جواب دوں وہ کہتے ہیں اگر جماعت آپ کی حمایت کرے تو ہم آپ کے ساتھ ہیں ورنہ ہم اس "دوسرے" کی سرپرستی کریں گے آپ مجھے بتائیں وہ میرے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔" میں نے پوچھا کیا جواب دیا آپ نے "مولانا نے کہا جنرل صاحب کیا آپ کو یہ منظور ہو گا کہ آپ کے سر میں ایک ٹیپ شدہ کیسٹ رکھ دیا جائے اور حکم دیا جائے کہ آپ نے دماغ استعمال کرنے کی بجائے اس کیسٹ کی ریکارڈنگ کا حکم ماننا ہے" "نہیں ہو سکتا" جنرل صاحب نے جواب دیا۔ "وہ تو تمہیں اسی طرح استعمال کریں گے" مولانا نے کہا۔ "ٹھیک ہے میں انہیں جواب دے دیتا ہوں" جنرل صاحب اٹھ کر آ گئے۔

پاکستان قومی اتحاد کی تحریک کے دوران ایک طرف ذوالفقار علی بھٹو اقتدار بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اور مختلف سہارے ڈھونڈتے پھر رہے تھے تو دوسری طرف کچھ حلقے اس خونریزی سے ملک کو بچانے کے لئے پس پردہ سرگرمیوں میں مصروف تھے ان کی اپنی پارٹی کے کچھ اندر کے لوگ بھی جو اب بھی پیپلزپارٹی میں ہی شامل ہیں ان کوششوں میں شامل تھے اس کے لئے جو مختلف طریقے سوچے گئے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ صدر مملکت چوہدری فضل الٰہی اسمبلیاں اور ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت برخاست کر دیں اور ملک

میں "صدر راج" نافذ کر کے کچھ دیر بعد عام انتخابات کرانے کا اعلان کر دیں ان تین افراد میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ وہ ملک کو بحران سے نکالنے کے لئے پس پردہ رہ کر کام کر رہے تھے اور انہوں نے صدر کو اخلاقی مدد اور سہارا بھی دیا مگر انہیں ہمت نہ ہوئی۔ اسمبلیاں توڑنے اور اپنے خصوصی اختیارات کے استعمال کرتے ہوئے بھٹو کی حکومت برخاست کرنے کے لئے ایک مسودہ قانون ایم انور مرحوم نے بھی تیار کیا تھا جس کا میں خود گواہ ہوں اور یہ مسودہ بیڈن روڈ کے ایک پرانے سیاسی کارکن نے چوہدری فضل الٰہی کو پہنچایا تھا لیکن چوہدری فضل الٰہی میں اس مشورہ پر عمل کرنے کی جرات نہیں تھی۔ مارشل لاء کے نفاذ کے بعد نظریہ ضرورت کے تحت خصوصی اقدامات کے لئے قانونی تشریحات اور توضیحات پیش کی گئیں ان میں طرز دلائل وہی تھا جو ایم انور مرحوم کے تیار کردہ اس مسودے میں اختیار کیا گیا تھا۔

1988ء کے انتخابات کے بعد پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی اور پارٹی کی حکومت بنی تو بھٹو خاندان کے حامی بائیں بازو کے اخبار نویس مظہر علی خاں کے بیٹے طارق علی نے امریکہ سے شائع ہونے والے ایک رسالہ انٹرویو میں ایک طویل مضمون لکھا تھا Dynasty's Daughter

اس مضمون میں انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو مرحوم سے اپنی ملاقاتوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا کہ 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد ایک ملاقات میں انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو سے پوچھا تھا کہ اگر پاکستان بھارت سے جنگ لڑنے کی قوت نہیں رکھتا تھا تو آپ نے بھارت سے چھیڑ چھاڑ کیوں کی تھی؟ اس کے جواب میں ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا۔

When you have these bloody generals in power the only way to get rid of them is when they are defeated in war.

اقتدار میں آنے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو نے ریٹائرڈ جنرل حبیب اللہ کو فوری طور پر جیل بھیج دیا تھا ایک دفعہ جنرل صاحب نے ایک اخبار نویس کو بھٹو سے اپنے جھگڑے کا پس منظر بتایا۔

یحیی خاں نے مجھے ٹیلی فون کیا کہ چند دوست جمع ہیں آجاؤ پہلے میں نے انکار کیا لیکن پھر چلا گیا بھٹو اے آر خاں کو گالیاں دے رہا تھا کہ میں نے تمہیں کمانڈر بنوایا اور تم نے مجھے جیل میں ڈال دیا۔ اے آر خاں اسے ٹال رہا تھا بھٹو میرے پاس آگیا اور آتے ہی کہا "سنا ہے یحیی خان نے تمہیں مجیب کے پاس بھیجا تھا اور اس نے تمہیں ٹھڈے مار کر نکال دیا۔" میں نے کہا "آپ ہر کسی کو اے آر خاں نہ سمجھیں وہ شخص ابھی پیدا نہیں ہوا جو حبیب اللہ خاں کو ٹھڈے مارے یہاں خواتین ہیں ورنہ میں تمہیں بتا دیتا" وہاں میرے پاس ایئر مارشل رحیم اور اس کی بیگم بیٹھے تھے۔ بھٹو نے کہا "........." مجھے بہت غصہ آیا دل چاہتا تھا اس کی مرمت کر دوں لیکن خود رحیم ہنس رہا تھا میں غصہ پی گیا۔ بھٹو نے کہا "تمہارے اخبار میرے خلاف لکھتے ہیں۔" میں نے جواب دیا "تو کیا میرے خلاف لکھیں؟" بھٹو نے کہا "وہ میرے کارٹون بناتے ہیں۔" میں نے کہا "جو میدان سیاست میں ہو گا اس کے کارٹون بنیں گے۔" بھٹو نے کہا "تو میں یہ بات جلسہ عام میں کہہ دوں۔" میں نے پوچھا "تم مجھ سے یہ بات کس حیثیت سے پوچھ رہے ہو؟" بھٹو نے جواب دیا "کیونکہ تم پریس ٹرسٹ کے چیئرمین ہو۔" میں نے جواب دیا "میں یہاں حبیب اللہ کی حیثیت سے بات کر رہا ہوں۔ اگر آپ نے پریس ٹرسٹ کے چیئرمین سے بات کرنا ہے تو کل ٹیلی فون پر مجھ سے وقت لے کر آنا اور یہ بات میرے دفتر میں کرنا جو جواب ملے جہاں دل آئے جا کر کہہ دینا"۔ اس کے بعد نور جہاں کا گانا شروع ہو گیا اور میں اٹھ کر اوپر چلا گیا۔ بھٹو بھی میرے پیچھے آگیا وہاں ایک نوجوان کپتان بیٹھا تھا وہ کہہ رہا تھا "ہم تو کہتے ہیں حکومت ایسے شخص کو ملے جو ملک کا وفادار ہو اقتدار کا بھوکا نہ ہو۔" بھٹو طیش میں آگیا؟ "Bastard do you mean me?"

کپتان نے اینٹ کا جواب پتھر سے دیا "Yes, bastard I mean it" میں نے یحیی خاں سے کہا "یہ کیسی نجی محفل ہے؟" اس نے کہا جب اسے پتہ چلا تو پانچ روز تک منتیں کرتا رہا کہ مجھے بھی بلاؤ مجبورا "بلانا پڑا۔ حمید سخت ناراض تھا۔" جنرل نے اپنی گرفتاری کی وجہ بتائی

پاکستان قومی اتحاد اور جبری وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے مذاکرات کے ضمن میں یہ بات اکثر کہی جاتی ہے کہ ریٹائرڈ ایئر مارشل اصغر خان، بھٹو سے کسی قسم کے معاہدہ کے خلاف تھے اور انہوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فوج نوے روز کے اندر اندر انتخابات کرا دے گی۔

بیگم نسیم ولی خان اور سردار شیر مزاری کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اصغر خاں کے اس موقف کی حمایت کی تھی۔ دوران تحقیق کسی بھی کور کمانڈر یا حاضر ڈیوٹی جرنیل نے اس بات کی تصدیق نہیں کی کہ اصغر خاں یا بیگم نسیم ولی خان سے ان کا کوئی رابطہ تھا تو پھر وہ فوج کے آنے کی حمایت کیوں کرتے رہے تھے؟ ریٹائرڈ میجر جنرل احسان الحق ملک سے ملاقاتوں سے معلوم ہوا کہ اس گروپ سے ضیاء الحق کا رابطہ ان کے ذریعے تھا۔ اس پرائیویٹ رابطہ کا باقاعدہ فوج والوں کو کوئی علم نہیں تھا۔ ریٹائرڈ میجر جنرل احسان الحق ملک کے ولی خان اور ان کے خاندان سے پرانے مراسم ہیں۔ بیگم نسیم ولی خان نے حیدر آباد ٹربیونل ختم کر کے سول عدالتوں میں مقدمات چلانے کی درخواست انہی کے ذریعے کی تھی۔ جنرل ملک نے بتایا کہ جنرل ضیاء الحق نے اس وقت درخواست مسترد کر دی تھی اور بعد میں نہ صرف خود ٹربیونل ختم کر دیا بلکہ ولی خان اور ساتھیوں کو رہا بھی کر دیا بیگم نسیم ولی خان نے ان سے کہا تھا کہ اس سے ہماری پوزیشن خراب ہوئی ہے اور ولی خان نے ان سے کہا تھا کہ آپ نے مجھے گندا کرا دیا ہے۔ عطاء اللہ مینگل سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہوئے جنرل ملک نے بتایا کہ وہ کہتا تھا ضیاء الحق نے مجھے رہا کر کے اور امریکہ سے علاج کروا کر مجھ پر احسان کیا ہے اور بلوچ کبھی کسی کا احسان نہیں بھولتا۔ ان کے بقول مینگل اسی احسان کے جواب میں ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ ایئر مارشل اصغر خان نے نوے روز میں انتخابات نہ کرانے پر کہا "جنرل صاحب آپ نے ہمیں مروا دیا ہے" صدر چوہدری فضل الہی سے الیکشن سیل کی ملاقاتوں کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ وہ شروع سے کہتے تھے کہ ضیاء الحق انتخابات نہیں کرائے گا۔ چوہدری فضل الہی نے تین دفعہ مستعفی ہونا چاہا مگر انہیں صدارت پر فائز رہنے پر راضی کر لیا گیا تھا۔

چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے قائم کردہ الیکشن سیل کے رکن اور ڈیفنس پروڈکشنز کے سابق چیئرمین ریٹائرڈ میجر جنرل احسان الحق ملک نے ایک ملاقات میں بتایا کہ الیکشن سیل کے ارکان نے ستمبر کے تیسرے ہفتہ میں کوئٹہ کا دورہ کیا۔ انتخابات کے بارے میں رپورٹ کو آخری شکل دی۔ واپس آ کر جب وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو رپورٹ پیش کرنے گئے تو اس نے کہا "الیکشن بھول جائیں اور کوئی اور بات کریں۔" سیل کے ارکان نے کہا کہ لوگوں

سے نوے دن کے اندر اندر انتخابات کرانے کا وعدہ کیا گیا ہے انہیں کیا جواب دیں گے؟ اس پر ضیاء الحق نے کہا تھا۔ "یہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ وہ جواب میں خود دے لوں گا۔"

انہوں نے بتایا کہ الیکشن سیل کے ارکان کے سامنے صرف ایک سیاستدان نے الیکشن ملتوی کرنے کو کہا تھا اور وہ تھے نبی بخش زہری۔ باقی کسی سیاستدان نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ البتہ چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر محمد ضیاء الحق نے انہیں بتایا تھا کہ ذوالفقار علی بھٹو جب راولپنڈی ان سے ملنے آئے تھے تو انہوں نے کہا تھا کہ نوے دن بہت کم ہیں انتخابات چھ ماہ بعد کرائے جائیں مگر اس وقت محمد ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کا یہ مطالبہ مسترد کر دیا تھا۔ جس پر بھٹو نے کہا تھا کہ جب بھی الیکشن ہوں گے آنا تو مجھے ہی ہے۔

35

آخری میخ

مقدر کے فیصلے آسمانوں پر ہوتے ہیں مگر پاکستانی قوم کے مستقبل کا ایک اہم ترین فیصلہ فضا میں ہوا۔ گوجرانوالہ اور لاہور کے درمیان اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر ضیاء الحق کے اس فضائی فیصلے کے قومی زندگی کے علاوہ اس کی اپنی زندگی اور سابق وزیراعظم کی زندگی پر نہایت خوفناک نتائج مرتب ہوئے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے یہ فیصلہ اگر زمین پر کیا ہوتا تو شائد ہماری قومی تاریخ کا راستہ مختلف ہوتا۔

8 اگست کو جنرل محمد ضیاء الحق گوجرانوالہ میں ایک فوجی تقریب میں شریک تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو مارشل لاء کے نفاذ کے بعد پہلی دفعہ لاہور آئے تھے پاکستان پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے ہوائی اڈے پر ان کا زبردست استقبال میں پٹرول پمپ اور گاڑیاں جلا دیں مولانا نورانی راہ میں ملے تو ان کی پگڑی اچھال دی پارٹی کی قیادت اور کارکنوں کے عزائم کا مارشل لاء کے بعد یہ پہلا مظاہرہ تھا چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کو یہ خبر گوجرانوالہ میں موصول ہوئی تو تقریب کے بعد واپس راولپنڈی جانے کی بجائے وہ سیدھے لاہور پہنچے جنرل غلام حسن خاں جن کی کور کی تقریب تھی وہ بھی ان کے ساتھ تھے انہوں نے بتایا کہ ہوائی اڈہ پر ان کا استقبال صرف دو آدمیوں نے کیا مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر لیفٹننٹ جنرل اقبال نے اور آئی جی پنجاب نے طیارے سے باہر آنے سے وی آئی پی لاؤنج تک سب خاموش رہے وی آئی پی لاؤنج کے دروازے بند ہوتے ہی جنرل ضیاء الحق مارشل لاء آرڈی نینس بولنے لگے اور پنجاب کے دونوں حاکموں کو جو کچھ کہا اگر کوئی اور سن لے تو یقین نہ کر سکے۔ آدھ گھنٹہ بعد جب وہ اپنے

طیارے کی طرف واپس جا رہے تھے تو آئی جی پولیس کی چھٹی ہو چکی تھی جنرل اقبال کی چھٹی ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔

ذوالفقار علی بھٹو کراچی سے بذریعہ ٹرین حیدر آباد کے لئے روانہ ہوئے تو راستہ میں ہر جگہ لوگوں نے پرجوش استقبال کیا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کو اس کی خبر موصول ہوئی تو انہوں نے فوراً" حکم جاری کیا کہ کوئی سیاستدان بذریعہ ٹرین سفر نہیں کر سکتا۔ جنرل کے ایم عارف کی طرف سے یہ حکم حیدر آباد میں ذوالفقار علی بھٹو کو پہنچایا گیا تو انہوں نے ٹرین چھوڑ دی ملتان بذریعہ طیارہ پہنچے تو وہاں بھی استقبال کرنے والوں کا ہجوم ہو گیا پولیس کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی طرف سے ہدایات تھیں کہ تیس سے زیادہ افراد کو استقبال کے لئے جانے کی اجازت نہ دی جائے جنرل اقبال اور آئی جی پولیس اس ہدایت کی پابندی نہ کرا سکے بھٹو کی لاہور آمد کے وقت بھی انہوں نے اس ہدایت کی پرواہ نہ کی تھی آئی جی پولیس سے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ انہیں اندازہ نہ تھا کہ اتنے لوگ استقبال کے لئے آئیں گے۔ پولیس کی نوکری اندازوں کی بجائے احکامات کی پابندی سے ہوتی ہے۔

جن فوجی کمانڈروں نے چیف آف آرمی سٹاف کو مارشل لاء لگانے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی مارشل لاء کے نفاذ کے بعد انہوں نے ہی ملک میں عام انتخابات کی تاریخ کا تعین نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا جنرل محمد ضیاء الحق نے ایک بار پھر ان کے مشورہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے 5 جولائی کو اپنی پہلی ہی تقریر میں نوے روز کے اندر اندر انتخابات مکمل کرانے کا اعلان کر دیا تھا لیکن اقتدار کی قربت سیاستدانوں کی صحبت پرستاروں کی خوشامد اور پیپلز پارٹی کی قیادت کے رویہ نے انہیں اس وعدہ پر نظرثانی کرنے پر آمادہ کر لیا تھا مارشل لاء کے ساٹھ روز پورے ہونے تک وہ نوے روز کا وعدہ پورا نہ کرنے پر غور کرنے لگے تھے گوجرانوالہ سے لاہور کے فضائی سفر میں وہ اس بارے میں حتمی نتیجہ پر پہنچ گئے تھے اب اس کا اعلان کرنا باقی رہ گیا تھا اس اعلان کے لئے مناسب وجوہ اور وقت کی تلاش اسی سفر کے دوران شروع ہو گئی تھی۔

مارشل لاء کے نفاذ کے چند روز بعد پاک فضائیہ کے ایک سابق سربراہ ریٹائرڈ ایئر مارشل

نور خاں نے زیر حراست پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں اور ذوالفقار علی بھٹو سے الگ الگ ملاقاتیں کی تھیں یہ سیاسی مشن انہیں چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر کی طرف سے سونپا گیا تھا وہ پاکستان قومی اتحاد کے راہنماؤں سے یہ معلوم کرنے کے لئے ملے تھے کہ انتخابات میں وہ متحدہ رہیں گے یا اتحاد ختم ہو جائے گا ضیاء الحق کی خواہش تھی کہ وہ سب متحدہ ہو کر پاکستان پیپلز پارٹی کا مقابلہ کریں تاکہ ذوالفقار علی بھٹو کو انتخابات میں شکست دی جا سکے۔ ذوالفقار علی بھٹو سے ایئر مارشل نور خاں کی ملاقات محض توازن قائم رکھنے کے لئے تھی تاکہ لوگ یہ نہ سوچیں کہ ایک فریق سے ملے اور دوسرے سے کیوں نہیں ملنے گئے اسی دوران چیف مارشل لاء ایڈ منسٹریٹر نے بھٹو کے خلاف تحقیقات بھی شروع کرا دی تھی تاکہ اگر انتخابات میں "مثبت" نتائج حاصل نہ ہو سکیں تو انہیں کسی اور الزام میں گرفتار کیا جا سکے سب سے پہلے یہ جائزہ لیا گیا کہ بھٹو کے خلاف ملک توڑنے کے الزام میں مقدمہ چلایا جائے۔ کیس تیار ہو کر ماہرین کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے کیس تو درست قرار دیا لیکن رائے دی کہ یہ مقدمہ کئی سال چل سکتا ہے۔ اس میں کئی بیرونی ممالک اور راہنماؤں کے نام آئیں گے۔ ایک دلچسپ کیس لاڑکانہ میں ذوالفقار علی بھٹو کی رہائش گاہ میں سرکاری خرچ پر ایئر کنڈیشننگ کا نظام قائم کرنے پر بھی تیار کرنے پر غور کیا گیا۔ یہ کیس تیار کرنے والے افسر نے لکھا تھا کہ لاڑکانہ میں وزیر اعظم کی رہائش گاہ بھی سرکاری تصرف میں ہے وزیر اعظم وہاں بھی جاتے ہیں قیام کرتے ہیں اور سرکاری کام نپٹاتے ہیں اس لئے المرتضیٰ میں سرکاری خرچ پر ایئر کنڈیشننگ کی جائے پانچ سال بعد ان ایئر کنڈیشنروں کی بک ویلیو زیرو ہو جائے گی۔ فائل اس سے اوپر والے افسر کے پاس گئی تو اس نے لکھا "کیا آپ کو یقین ہے ذوالفقار علی بھٹو آئندہ پانچ سال تک وزیر اعظم رہیں گے کیا پتہ وہ دو تین سال ہی چل سکیں اس صورت میں یہ رقم کیسے وصول کی جائے گی۔" اس افسر کے اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے وہاں سرکاری خرچ پر ایئر کنڈیشنر لگا دیئے گئے تھے جن کی مالیت بہت زیادہ بتائی جاتی ہے ماہرین نے اس کیس کو بھی مناسب قرار نہ دیا تو نواب محمد احمد خان کے قتل کی فائل منگوائی گئی متعلقہ افراد کی رائے تھی کہ قانون کے سامنے عام آدمی اور سابق وزیر اعظم سب برابر ہیں اگر کسی اور کے خلاف قتل اور قتل کی سازش کا کیس چل سکتا ہے تو ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف کیوں نہیں چل سکتا

پھر یہ مقدمہ اس کے اپنے دور میں اس کے خلاف درج کیا گیا تھا۔ ضیاء الحق انتخابات کرانا چاہتے تھے لیکن بھٹو کی واپسی انہیں کسی صورت قبول نہ تھی مارشل لاء کے ذریعے اقتدار سے بھٹو کی علیحدگی سے لوگوں میں ان کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی پاکستان قومی اتحاد کے اندرونی اختلاف بھی بھٹو کے اقتدار سے ہٹ جانے کے بعد کھل کر سامنے آرہے تھے اس سے ضیاء الحق کے ابتدائی اندازے مشکوک ہو گئے تھے اس لئے تین ستمبر کو انتخابات سے پہلے ہی ذوالفقار علی بھٹو کو گرفتار کر لیا گیا۔ دس روز بعد لاہور ہائی کورٹ نے ان کی ضمانت کی درخواست منظور کر لی۔ شدید گرمی میں ہم ہائیکورٹ سے پنجاب کے سابق وزیر اعلیٰ نواب صادق قریشی کی شادمان میں نو تعمیر شدہ عالیشان کوٹھی تک ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ رہے ایک چھوٹے سے کمرے میں اخبار نویسوں سے باتیں کرتے ہوئے انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس میں دو باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں انہوں نے فوج کے اقتدار پر قبضہ کرنے اور اپنی گرفتاری اور رہائی کے پس منظر میں ایک اخبار نویس کے سوال کے جواب میں کہا تھا کہ اگر میں پھر اقتدار میں آگیا تو میں ان تمام چیزوں کو اسی طرح بھلا دوں گا جس طرح ایک ڈراؤنا خواب بھلا دیا جاتا ہے لیکن ایک اور سوال کے جواب میں بھٹو نے کہا تھا کہ اگر یہ سلسلہ بند نہ ہوا (گرفتاری وغیرہ کا) تو پھر Jurisprudence کے سوالات اٹھائیں گے یہ ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے فوج کو ایک دفعہ پھر مصالحت کی دعوت بھی تھی اور قانون کی خلاف ورزی پر کارروائی کی دھمکی بھی لیکن اس وقت تک مارشل لاء کے پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی گزر چکا تھا ضیاء الحق ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف کارروائی کا فیصلہ کر چکا تھا ذوالفقار علی بھٹو کو بھی اس کا علم ہو چکا تھا۔ لیکن اب دونوں کے لئے واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا کاش ذوالفقار علی بھٹو جولائی 1977ء سے پہلے اس نتیجے پر پہنچ جاتے اور فوج سے مصالحت کی کوشش کی بجائے پاکستان قومی اتحاد سے کوئی مصالحت کر لیتے اس سے نہ صرف ان کی جان بچ جاتی ان کے خاندان پر زمین و آسمان کی وسعتیں تنگ نہ ہو جاتیں بلکہ پاکستانی قوم کی زندگی کے گیارہ قیمتی سال بھی ضائع نہ ہوتے تند خو اور ترش رو آمر کے بعد قوم کو ضیاء الحق جیسے خوش اخلاق آمر سے واسطہ نہ پڑتا۔

اس رہائی کے چند روز بعد 17 ستمبر کو ذوالفقار علی بھٹو کو نواب محمد احمد خاں کے قتل کے

سازش کے الزام میں پھر گرفتار کر لیا گیا اس گرفتاری کے بعد ملک میں کسی قسم کے انتخابات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ضیاء الحق اپنی جان بچاتا یا انتخابات کراتا چائنا شاپ میں سانڈ داخل ہو جائے تو اسے گھونسے دکھا کر باہر نہیں نکالا جا سکتا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اسے روز اول سے گھونسے دکھا کر خوفزدہ کرنے کی پالیسی اختیار کی جو اس کی ذات اور ملک کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی لوگ جب ذوالفقار علی بھٹو کی سیاسی فراست اور سفارتی مہارت کی بات کرتے ہیں تو میں اکثر پوچھا کرتا ہوں کہ جب اسے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ "فرشتے" آ رہے ہیں تو اس نے جمہوریت اور ملک و قوم کے مفاد کے تحفظ کے لئے فوری طور پر سیاسی سمجھوتہ کر کے فرشتوں کی راہ روکنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ سیاستدانوں سے کھلے دل سے یہ کیوں نہ کہا کہ آؤ پہلے مل کر فرشتوں کی راہ روک لیں اقتدار کی جنگ بعد میں لڑیں گے انہیں یہ احساس کیوں نہ ہو سکا کہ فرشتے آ گئے تو جمہوریت اور آزادیوں کی روح قبض کرنے کے بعد وہ ان کی جان بھی نہیں بخشیں گے وہ نوشتہ دیوار دوسروں کو تو پڑھ پڑھ کر سناتے رہے مگر خود اس پیغام کو نہ سمجھ سکے۔ ملک اور جمہوریت سے مخلص کوئی بھی سیاستدان ایسا کر سکتا ہے جو کچھ ذوالفقار علی بھٹو نے کیا؟

ضیاء الحق کا اصل دور ذوالفقار علی بھٹو کی دوسری گرفتاری کے بعد شروع ہوا انتخابات نہ کرانے کے بارے میں انہوں نے اسی فضائی سفر میں سوچنا شروع کیا تھا جس کے نتائج بعد میں وقفہ وقفہ سے سامنے آتے رہے یکم اکتوبر کو انہوں نے اپنا 5 جولائی کا وعدہ واپس لے لیا۔

میں اس باب کا خاتمہ مس بینظیر بھٹو کی طرف سے برطانیہ کی آکسفورڈ یونیورسٹی کی ڈیبیٹنگ کلب میں اس وقت کے امریکہ کے صدر نکسن کے خلاف پیش کردہ ایک قرارداد پر ختم کرنا چاہتا ہوں بینظیر بھٹو نے This house would impeach Nixon کی قرارداد پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

The Presidency on the issue of law and order tried his best to break the law and order and cause disorder in the length and breath of his country. Americans began with a President who could not tell a lie and now they have one who cannot tell the truth .Nixon has consistently

considered himself above the law, able to do as be pleased . The last English sovereign to do so lost his head. We are proposing less drastic but no less effective surgery. It is said that Nixon once went to see a Psychiatrist who told him 'you are not paranoid Mr President, you really are hated'. Today Nixon is not only hated but he lost all his credibility. By losing credibility with his people Nixon has lost his moral authority to lead the American nation .This is the tragedy of Nixon and America.

آکسفورڈ یونین میں یہ قرارداد 345 ووٹوں سے پاس ہو گئی تھی اس کے خلاف صرف دو ووٹ آئے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس کامیابی پر اپنی صاحبزادی کو مبارکباد دی تھی لیکن معلوم نہیں انہوں نے اس قرارداد اور اپنی صاحبزادی کی بات پر خود غور کیوں نہ کیا۔

Government of Pakistan
Bureau of National Research & Reference

Name of Newspaper: Daily Mashriq
Place of publication: Lahore
Date: Sept 24, 1975

Daily MASHRIQ
LAHORE
WEDNESDAY

SEPTEMBER 24, 1975.



I would like to see this officer.

وارننگ

اگر آپ کا پیٹ آپ کی فکر پر
غالب ہے
تو
یہ کتاب آپ کیلئے نہیں

○

اگر آپ کے فکر و عمل کا محور
صرف اور صرف پاکستان ہے
تو آپ یہ کتاب پڑھ سکتے ہیں

○

جو خواتین و حضرات جاننا چاہیں کہ
ہر حکمران فوج کا تعاون حاصل
کرنے کی کیوں کوشش کرتا رہا
سیاسی اور فوجی سازشیں کامیاب یا
ناکام کیسے ہوئیں
ملک اور قوم کو ان سازشوں کی کیا
قیمت ادا کرنا پڑی
اصل مجرم فوج ہے یا سیاستدان اور
حکمران
وہ بھی یہ کتاب پڑھ سکتے ہیں

رفیق ڈوگر

دید شنید پبلشرز